برطانوی جاسوس

لارنس آف عریبیہ

مصنف:
ایڈورڈ رابنسن

مترجم:
قاضی منیر الدین

الحقائق پبلی کیشنز

برطانوی جاسوس

لارنس آف عریبیہ

مصنف:

ایڈورڈ رابنسن

مترجم:

قاضی مشیر الدین

الحقائق پبلی کیشنز

زیرِ نگرانی: محمد کاشف رضا

نام کتاب لارنس آف عریبیہ

مصنف ایڈورڈ رابنسن

مترجم قاضی مشیر الدین

سنِ اشاعت اگست 2022ء

تعداد 600

مطبع اے ایس پرنٹرز ملک پارک

ناشر:

الحقائق پبلی کیشنز دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور

kashifraza786678@gmail.com

0333-7861895 0300-1090045

تمہید

اس کتاب میں بیان کیے ہوئے کئی واقعات خود مصنف کی آنکھوں دیکھے ہیں۔ میں نے اس کے پروف پڑھے لیکن بیان واقعہ کی کوئی غلطی مجھے نظر نہ آئی۔ برخلاف اس کے یہ تصویر اتنی صحیح ہے جس کی توقع اس مقصد کی کسی کتاب سے کی جا سکتی ہے۔

اے۔ڈبلیو۔لارنس

جولائی 1935ء

کرنل لارنس

برٹش آرمی کا شہرت یافتہ کردار کرنل لارنس (جسے عام عرف میں لارنس آف عریبیہ کہا جاتا تھا) عجیب سخت جان شخص تھا وہ بغیر کچھ کھائے پیے ہفتوں صحرا میں زندہ رہ سکتا تھا۔صفر درجے کے نیچے جہاں پانی برف بن جاتا ہے۔وہ ننگ دھڑنگ گھنٹوں کھڑا رہ سکتا تھا۔پانی کے تیز بہاؤ کی الٹی سمت گھنٹوں تیر سکتا تھا۔وہ بھوکے شیروں کے کچھاروں میں بے خوف وخطر داخل ہونے میں ذرہ برابر تامل نہ کرتا تھا۔زہریلے سانپوں کے بل میں ہاتھ ڈال کر سانپ کو پھن سے پکڑ کر باہر کھینچ لیتا تھا۔لیکن اس کے ساتھ ساتھ وہ چاروں آسمانی کتابوں کا حافظ بھی تھا۔عربی،فارسی،انگریزی اور فرانسیسی زبانیں وہ اس روانی سے بولتا تھا کہ بڑے سے بڑا صاحب زبان بھی دھوکہ کھائے بغیر نہ رہ سکتا تھا۔اتنا سحر البیان تھا کہ مخاطب کی سانس تک کھینچ لیتا تھا۔شاید انہی خوبیوں کے باعث اسے ''درندے کی چمڑی میں دانشور کا دماغ'' کہا جاتا تھا۔

فہرست

کرنل لارنس

13 مئی 1935ء کو موٹر سائیکل کے حادثے کا شکار ہوا اور چھٹے دن مر گیا۔ قبر پر یہ کتبہ لگایا گیا۔،

یادگار

ٹی۔ ایس لارنس

فیلو آف آل سولز کالج آکسفورڈ

پیدائش 16 اگست 1888ء

وفات 19 مئی 1935ء

وہ ساعت آرہی ہے جب مردے خدا کے بیٹے کی آواز سنیں گے

اور جو سنیں گے وہ جئیں گے

پیش لفظ

کرنل لارنس کا نام کئی سالوں سے اتنا مشہور ہے کہ ہر مشہور آدمی کی طرح لارنس کے ساتھ بھی بیسیوں ہی افسانوی کارنامے منسوب ہو چکے ہیں۔ اس ایک آدمی نے تن تنہا اپنی فوج کے لیے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیئے کہ ایسے کارنامے پوری منظم فوج سے بھی انجام نہ پاتے۔ اسے مسلمانوں کی بدنصیبی کہئے یا انگریزوں کی خوش قسمتی کہ 1914ء1915ء میں تمام عرب ممالک ترکی حکومت کی طرف سے بھرے بیٹھے تھے۔ اس وقت لارنس جیسے ذہین اور فتنہ پرور آدمی نے ان کے دلوں کی آگ کو ہوا دی۔ پھر کیا تھا؟ یہ آگ بھڑکی اور ایسی بھڑکی کہ

اس گھر کو آگ لگ گئی گھر کے چراغ سے

یقیناً یہ کارنامہ کوئی معمولی کارنامہ نہ تھا۔ لارنس نے عربی ممالک میں انگریزوں کی حکمرانی کو ہزاروں سیاست کاروں اور لاکھوں کی افواج کی متحدہ قوتوں سے کہیں زیادہ قریب تر کر دیا۔

شہرت عام کا خاصہ ہے کہ اس میں بڑی تیزی کے ساتھ افسانویت پیدا ہو جاتی ہے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ لارنس کے ساتھ اس کی ساحرانہ قوتوں سے متعلق بیسیوں افسانے پیدا ہو گئے اور اس کے حقیقی اعمال کو ان افسانوں سے ممتاز کرنا مشکل ہو گیا۔ لارنس کے کارنامے الف لیلیٰ کی کہانیاں بن گئے۔

یہ کتاب اسی مشہور و معروف شخصیت کے حالات اور اس کے اعمال سے متعلق ہے۔ اس میں اس مشہور انسان کے صحیح ترین خدوخال اور حقیقی حرکات و سکنات دکھائی دیتی ہیں۔ اس میں افسانے اور کہانیاں ہیں۔ واقعات و حرکات ہیں۔ ہم اس سے دو طرح کے سبق حاصل کر سکتے ہیں۔

اول۔ کسی مقصد کی تکمیل کے لیے ایک باہمت شخص کس طرح گوناگوں تکالیف اور طرح طرح کی مصیبتوں پر قابو حاصل کرتا ہے اور باطل میں کسی حق سے کم حرکت نہیں پائی جاتی۔ فرق صرف مقصد اور نصب العین کا ہوتا ہے۔ ورنہ کامیابی تک پہنچنے کے لیے بہر حال وہی استقلال، وہی جفاکشی اور وہی لگن ہر جگہ درکار ہوتی ہے۔

دوم۔ جو قوم غیروں کی امداد کے ذریعے ترقی اور اقتدار حاصل کرنا چاہتی ہے۔ وہ بد سے بدتر ہو سکتی ہے لیکن بہتر نہیں بن سکتی۔

غرض یہ کہ یہ کتاب ایک سوانح بھی ہے اور عبرت اور بصیرت کا سامان بھی پڑھیے اور غور کیجیے۔

....

برطانوی جاسوس

لارنس آف عریبیہ

لارنس آف عریبیہ ایک ایسا کردار ہے جس نے عرصہ دراز سے دنیا کو اپنے اثر میں لے رکھا ہے۔ مسلمانوں میں شامل ہو کر انہیں آپس میں لڑوانے اور اس کے نتیجہ میں سلطنت عثمانیہ ختم کرانے کے لیے وہ برطانوی حکومت کا بہترین انتخاب ثابت ہوا۔ مسلمانوں کو اندازہ ہی نہیں تھا کہ وہ خود اپنے پیروں پر کلہاڑی مار رہے ہیں جب تک آنکھیں کھلیں تب تک ان کے اقتدار کا سورج ڈوب چکا تھا۔ "لارنس آف عریبیہ" مغرب کا پسندیدہ کردار ہے مغربی نوجوان اسے آئیڈیلائز کرتے ہیں کیونکہ وہ مسلمانوں سے نفرت کرتے ہیں۔ اسی لارنس آف عریبیہ کے بارے میں طویل عرصہ گزر جانے کے باوجود بھی تحقیقات کا سلسلہ جاری ہے۔ گزشتہ دنوں برطانیہ کے ممتاز اخبار "دی آبزرور" نے لارنس آف عریبیہ کی پراسرار اور رومانی شخصیت کے بارے میں بہت سے انکشافات کیے ہیں۔

تھامس ایڈورڈ لارنس 1888ء میں ویلز میں پیدا ہوا۔ پہلی جنگ عظیم کے دوران اسے اس کے کارناموں کی وجہ سے شہرت ملی۔ اس دوران اسے عرب کے صحرائی علاقوں میں ایک مشن پر بھیجا گیا تھا۔ اس کے مشن کا مقصد عرب قبائل کو ان کے ترک حکمرانوں کے خلاف لڑنے پر آمادہ کرنا تھا جو جرمنوں سے برسرپیکار تھے۔ لارنس کی کوششوں کے نتیجہ میں جو چھاپہ مار جنگ ہوئی اس میں اہم مقامات پر عربوں کا قبضہ ہو گیا اور دوسری جانب جنگ کے لیے معیار بھی قائم ہوئے۔ ان جنگوں کی وجہ سے لارنس اس علاقے میں کافی مقبول ہو گیا۔

لارنس نے افغانستان میں بھی خفیہ آپریشن انجام دیا۔ اس کے ذمہ یہ کام تھا کہ اس وقت کے افغانستان کے بادشاہ کی حکومت کو غیر مستحکم کیا جائے۔ یہ ایک خفیہ اور حساس آپریشن تھا جسے لارنس جیسا جاسوس ہی انجام دے سکتا تھا۔ لارنس کی افغانستان میں بہت عزت کی جاتی تھی کیونکہ وہ روانی

سے عربی بولتا تھا اور افغانی عربی کو مقدس زبان ہونے کی وجہ سے کافی اہمیت دیتے ہیں۔ افغانستان میں لارنس کا کام شاہ امان اللہ خان کے خلاف زہریلا پراپیگنڈہ کر کے حکومت کا خاتمہ کرنا تھا کیونکہ شاہ انقلابی اور جدید نظریات رکھتے تھے اور ان کا جھکاؤ واضح طور پر سوویت یونین کی جانب تھا۔ برطانوی حکومت کو اپنا مقصد حاصل کرنے کے لیے لارنس کے علاوہ ان صلاحیتیوں کا مالک کوئی اور شخص مل ہی نہیں سکتا تھا جسے خود پر پورا یقین ہو۔

لارنس کی شادی متنازعہ ہے۔ لارنس کی کئی عورتوں کے ساتھ وابستگی رہی جو اسے پسند بھی کرتی تھیں۔ ان میں سے کئی عورتوں نے یہ دعویٰ بھی کیا کہ لارنس نے ان سے شادی کر لی تھی مگر یہ بات ثابت نہیں ہو سکی۔ حال ہی میں ہونے والی ایک تحقیق میں یہ انکشاف کیا گیا ہے کہ لارنس نے ہندوستان میں قیام کے دوران اکبر جہاں نامی ایک خاتون سے شادی کی۔ یہ شادی بہت مختصر عرصہ تک رہی اور پھر ختم ہوگئی۔ اس مختصر شادی کے حوالے سے حقائق کافی پراسرار ہیں بعض محققین کی تحقیق کے مطابق یہ شادی ہوئی تھی جبکہ بعض نے شادی کے حوالے سے ہونے والے انکشاف کو مسترد کر دیا ہے۔ وہ اسے فرضی داستان قرار دیتے ہیں۔ زندگی کے آخری دور میں لارنس کی کمر جھک گئی تھی۔ 1935ء میں موٹر سائیکل کے ایک حادثے میں اس کی موت واقع ہوگئی تھی وہ جس طرح زندگی بھر پراسرار رہا اسی طرح موت کے بعد بھی پراسرار ہے۔

....

غازی امان اللہ خاں والئی کابل

اور

لارنس آف عریبیہ

دور مغلیہ میں افغانستان ہندوستان ہی کا ایک حصہ تھا۔ مغلوں کے بعد اس ملک نے کئی مدو جزر دیکھے اور کئی بادشاہ سریر آرائے سلطنت ہو کر تھوڑی تھوڑی دیر حکومت کرنے کے بعد پیوند خاک ہوتے رہے تا آنکہ امیر عبدالرحمٰن خاں نے امیر شیر علی کو شکست دی اور بادشاہت سنبھالی۔ پھر اپنی سخت گیر پالیسی سے افغانستان کے حالات کو درست کیا۔ ان کی وفات پر سردار حبیب اللہ خاں تخت نشین ہوئے۔ سردار صاحب موصوف ایک مرنجاں مرنج قسم کے بادشاہ تھے۔ انہوں نے کاروبار سلطنت کا انصرام زیادہ تر وزراء کے سپرد کر رکھا تھا۔ اس زمانے میں افغانستان' اقتصادی لحاظ سے بہت پس ماندہ ملک تھا۔ برٹش گورنمنٹ سے تعلقات خوشگوار تھے اور والئی ملک کو ایک خطیر رقم بطور وظیفہ ملا کرتی تھی۔ امیر صاحب' ہندوستان کی سیر کو بھی تشریف لائے تھے۔ اسلامیہ کالج لاہور کا سنگ بنیاد انہی کے ہاتھوں نصب ہوا تھا۔

1919ء کا آغاز تھا کہ کسی سازش کے نتیجے میں امیر حبیب اللہ کو خیمے میں سوتے ہوئے قتل کر دیا گیا اور قتل کے عین بعد افراتفری کے عالم میں سردار نصر اللہ خاں نے اپنی بادشاہت کا اعلان کر دیا لیکن امان اللہ خاں نے جو اس وقت کابل کا گورنر تھا تخت پر قبضہ کر لیا اور بادشاہ بن گیا۔ اگرچہ کچھ گڑبڑ ضرور ہوئی مگر امان اللہ خاں نے فوراً قابو پالیا۔

امان اللہ خاں کو بادشاہت کرتے ہوئے تھوڑا ہی عرصہ گزرا تھا کہ اس نے یہ عجیب حرکت کی کہ روس کی شہ پا کر ہندوستان کی سرحد پر حملہ کر دیا اور اس طرح انگریزوں سے براہِ راست ٹکر لے لی۔ اس جرات کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ اس وقت پنجاب اور دیگر صوبوں میں پولٹیکل سرگرمیاں خوب

زوروں پر تھیں۔ انگریزی حکومت کے خلاف عدم تعاون کی تحریک بہت زور پکڑ چکی تھی اور ملک کی آزادی کا مطالبہ پورے جوش سے پیش کیا جا رہا تھا ایک جلسے کی صدارت کے لیے مہاتما گاندھی بمبئی سے پنجاب کی طرف آ رہے تھے کہ انہیں دہلی کے قریب پولیس نے سفر کرنے سے روک دیا۔ اس پر پنجاب میں کئی مقامات پر سخت ہنگامے شروع ہو گئے۔ امرتسر کے مشہور کانگریسی لیڈر ڈاکٹر سیف الدین کچلو اور ڈاکٹر سیتہ پال گرفتار کر لیے گئے۔ اس سختی کے خلاف ناراضگی کا اظہار کرنے کے لیے جلیانوالہ باغ میں ایک جلسہ منعقد ہوا۔ اس جلسے میں سخت آتشیں قسم کی تقریریں ہو رہی تھیں کہ اتنے میں جنرل ڈائر فوج کا ایک دستہ لے کر وہاں آن پہنچا اور باغ کا محاصرہ کر کے کسی انتباہ کے بغیر مشین گنوں سے سینکڑوں آدمیوں کو بھون کر رکھ دیا۔

اس قتل عام سے ملک بھر میں سخت ہیجان پیدا ہو گیا اور گورنمنٹ نے شور کو دبانے کے لیے لاہور اور امرتسر میں مارشل لاء نافذ کر دیا اور اونچے درجے کے تمام لیڈروں کو جیل میں ٹھونس دیا۔ پھر جنرل ڈائر اور کرنل فرینک جانسن نے رعایا پر ایسے وحشیانہ مظالم توڑے کہ ذکر کرنے سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

ایک تو گورنمنٹ برطانیہ گذشتہ جنگ کے تھپیڑوں کے باعث بہت نحیف ہو رہی تھی دوسرے ملک میں سخت بے چینی پھیل جانے کے باعث امان اللہ خاں نے یہ سمجھ لیا کہ اب ہندوستانی رعایا انگریزوں کے خلاف عام بغاوت کر دے گی اس نے یہ موقعہ غنیمت جان کر اپنی فوجوں کو انگریزی سرحد کے اندر ایک دو جگہ دھکیل دیا۔ جنرل نادر خاں نے کوہاٹ کے قریب ٹل کے مقام پر انگریزی فوج کو ایک جھڑپ میں شکست بھی دے دی اور اسے وہاں سے پیچھے ہٹنا پڑا مگر انگریزوں نے اس وقت یہی مناسب سمجھا کہ کسی نہ کسی طرح معاملہ وہیں رک جائے اور نزاع زیادہ بڑھنے نہ پائے چنانچہ دونوں ملکوں کے نمائندوں کی افہام و تفہیم کے بعد عارضی صلح کی صورت نکل آئی اور لڑائی بند ہو گئی۔

اس عارضی صلح کے بعد انگریزوں نے جون 1919ء میں راولپنڈی کے مقام پر ایک شاہی دربار منعقد کیا جس میں افغانوں کی طرف سے سردار محمد طرزی (خسر امان اللہ خاں) دیوان نرجن داس

وزیرخزانہ اور سردار علی احمد جان چیدہ نمائندے تھے۔ ادھر انگریزوں کی طرف سے سر فرانس ہمفریز (انگریزی سفیر متعینہ افغانستان) اور سر جان ٹامپسن تھے۔

اس دربار میں جب انگریزی نمائندے نے اپنی افتتاحی تقریر ختم کی تو سردار احمد جان نے (کہ ایف سی کالج لاہور کے تعلیم یافتہ) انگریزوں کے خلاف سخت بے باکانہ تقریر کردی۔ انہوں نے یہاں تک کہنے سے دریغ نہ کیا کہ اگرچہ انگریز دنیا میں اپنے آپ کو بہت مہذب اور شائستہ بتاتے ہیں مگر اس قدر وحشی اور بے رحم ہیں کہ کابل جیسے پرامن شہر پر انگریزی ہوائی جہازوں نے گولہ باری کر کے کئی نہتے افغانوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا ہے۔ اس تقریر کا دنیا بھر کے اخبارات میں خوب چرچا ہوا اور انگریزوں کے خلاف بہت نفرت پھیلی۔ بہرکیف اس دربار میں باہمی گفت وشنید کے بعد ایک معاہدہ طے ہوگیا جس کی رو سے افغانستان کو ایک آزاد اور خودمختار ملک تسلیم کرلیا گیا۔

البتہ انگریزوں نے اپنی شکست اور علی احمد جان کی تقریر کو فراموش نہ کیا اور افغانون کو قرار واقعی سزا دینے کے منصوبے بنانے شروع کردیئے!

امان اللہ خاں نے برسراقتدار آتے ہی ملک کو ہر طرح سے مغربی انداز پر چلانے کا فیصلہ کیا بعینہ جیسے غازی مصطفیٰ کمال پاشا نے ترکی میں کیا تھا۔ چنانچہ اس نے بہت سی اصلاحات نافذ کیں ٹیکس کی وصولی کے طریقے بدل دیئے۔ ابتدائی تعلیم لازمی کردی اور کئی سکولوں میں جرمن اور فرانسیسی زبانوں میں تعلیم دی جانے لگی۔ اس پر ملا لوگ سخت برافروختہ ہوئے پھر ملک میں ہر آٹھویں شخص کے لیے فوجی خدمت لازمی کردی جس سے اندرونی طور پر رعایا میں عام ناراضگی پھیل گئی مگر اس کے ساتھ ساتھ امان اللہ خاں نے اپنے ہمسایہ ملکوں کے ساتھ معاہدے کر کے اپنے آپ کو مضبوط بنانے کی بھی کوشش کی اور روس کے ساتھ اس کے تعلقات خوب گہرے ہوگئے۔

امان اللہ خاں کے خسر سردار محمود طرزی' ایک روشن خیال بزرگ۔۔۔ اور بڑے سیاست دان تھے مگر انگریزوں کے سخت مخالف تھے پھر ملکہ ثریا تو آزاد خیالی میں اپنے خاوند سے چار ہاتھ آگے تھیں (وہ سرکاشین ماں کے بطن سے تھیں) اصلاحات کے مدنظر امان اللہ خاں نے یہ حکم بھی دے دیا کہ

سب لوگ یورپین سٹائل کے کپڑے پہنیں اور داڑھیاں بھی صاف کر دیں اور اپنی رعایا کو یکدم مغر
بنانے کی دھن میں وہ اس قدر جوشیلا تھا کہ ایک قینچی بھی اپنے پاس رکھنے لگا اور جہاں کسی کی لمبی داڑ
دیکھتا فوراً کاٹ کے رکھ دیتا۔

روس کے ساتھ افغانستان کے گہرے تعلقات انگریزوں کو ایک آنکھ نہ بھائے بلکہ روز بر
کشیدگی کا باعث بنتے رہے۔ نیز میدان ٹل کی شکست کا غم بھی ایک ناسور کی صورت اختیار کر گیا
چنانچہ انگریزوں نے افغانوں کو نیچا دکھانے کے لیے مختلف تدابیر سوچیں۔

یہ ماننا پڑے گا کہ انگریز سیاست دانی اور شاطری میں ید طولےٰ رکھتے ہیں اور مقصد برابر
کے لیے ہر قسم کا حربہ استعمال کرنا جائز سمجھتے ہیں۔ دراصل سیاست میں ہوتا بھی یہی کچھ ہے۔۔

جب افغانستان میں بظاہر امن جمی نظر آئی تو امان اللہ خان نے یورپ کی سیر کا قصد کیا بلکہ
بات بھی تب سنی گئی تھی کہ دراصل انگریزی سفیر سر فرانسس ہمفریز نے ہی امان اللہ کو یورپ کے سفر
آمادہ کیا اور برٹش گورنمنٹ کا مہمان خصوصی بن کر انگلستان جانے کی دعوت دی تھی۔ چنانچہ جب غاز
نے سفر یورپ کے متعلق اعلان کیا تو انڈین گورنمنٹ نے ایک سپیشل ٹرین بنانے کا حکم دیا وہ ٹرین لاہو
کے ریلوے ورکشاپ میں تیار ہوئی اور اس کے چار ڈبے تو ایسے بنائے اور سجائے گئے کہ چشم فلک ک
آنکھ کھلی کی کھلی رہ گئی۔

غازی کا یہ سفر ایک تاریخی حیثیت رکھتا تھا۔ افغانستان اپنی جغرافیائی پوزیشن کے باعث
سیاست کا ایک زبردست مہرہ سمجھا جانے لگا تھا اور دنیا کی بساط پر امان اللہ کو ایک خاص مقام حاصل
ہو گیا تھا اس لیے چیدہ چیدہ مغربی اخبارات کے نمائندے اس سفر کی خبریں اقطاع عالم میں بھیجنے ک
لیے ہندوستان پہنچ گئے اور چند دن خوب گہما گہمی رہی!۔

کراچی سے مارسیلز کا سفر جہاز کے ذریعے طے ہوا۔ مارسیلز میں فرانسیسی گورنمنٹ ن
غازی کا استقبال بڑے شاہانہ ٹھاٹھ سے کیا پھر پیرس پر اس کی بے حد آؤ بھگت ہوئی پریزیڈنٹ پوانکا
ے مع دیگر وزراء کے استقبال کے لیے سٹیشن پر موجود تھے اور دنیا بھر۔ کے فوٹو گرافر معزز مہمانوں ک

تصویریں مختلف زاویوں سے اتارتے رہے۔اس وقت ملکہ ثریا یورپین لباس پہنے تھیں وہ ہر ایک سے بخوشی ہاتھ ملاتی رہیں نیز پھولوں کے گلدستے بھی قبول کرتی رہیں (اس زمانے میں کسی مسلمان عورت کا کسی غیر سے ہاتھ ملانا سخت معیوب سمجھا جاتا تھا)۔

امان اللہ دو دن تو پیرس میں شاہی مہمان بن کر رہے اور انہیں نپولین کے بستر پر بھی سونے کا اعزاز ملا۔ یہ سب سے بڑی عزت تھی جو کہ فرانسیسی قوم اپنے کسی معزز مہمان کو دے سکتی ہے! بعد میں یہ مہمان فرانس کے مختلف شہروں کی سیر کرتے رہے اور ہر بڑے شہر کے لارڈ میئر نے انہیں اپنے شہر کی آزادی کی سند اور چابی پیش کی۔

جب فرانس کا دورہ ختم ہوا تو ایک انگریزی جہاز کے ذریعے ان کو انگلستان پہنچایا گیا جس وقت سپیشل ٹرین واٹرلو کے سٹیشن پر پہنچی تو استقبال کے لیے کنگ جارج مع ملکہ میری وشہزادگان والا تبار موجود تھے گویا کہ ان کا استقبال اسی تزک واحتشام سے کیا گیا جس طرح قیصر جرمنی اور زار روس کا ہوا کرتا تھا۔

غازی یہاں بھی تین دن خاص شاہی مہمان رہے پھر وہ سات دن حکومت کے مہمان کی حیثیت سے انگلستان کے مختلف شہروں کی سیر کرتے رہے سکاٹ لینڈ کی ایک کاؤنٹی میں تیتر کے شکار کا انتظام شاہی پیمانے پر کیا گیا اور اس شکار پارٹی میں شاہی خاندان کے ممبروں کے علاوہ بڑے بڑے ڈیوک اور چیدہ مدبرین شامل تھے۔ وہاں بھی دعوتوں کا سلسلہ بڑے شاندار طریقے پر جاری رہا تھا تا آنکہ انگلستان کا دورہ ختم ہوا۔

اس وقت تک یہی خیال کیا جارہا تھا کہ امان اللہ خاں انگلستان اور بلجیم کا دورہ ختم کر کے افغانستان واپس چلے جائیں گے مگر انہوں نے لندن میں یہ ارادہ ظاہر کیا کہ وہ بلجیم کے دورے کے بعد روس کا دورہ بھی ضرور کریں گے۔اس کا جواز انہوں نے یہ پیش کیا کہ وہ ایک آزاد ملک کے حکمران ہیں اور ہر جگہ جاسکتے ہیں نیز یہ کہ وہ ہر ملک کی سیاحت کر کے وہاں کے تمدن کے تاثرات لے کر اپنے پس ماندہ ملک میں مناسب اصلاحات جاری کر سکیں گے۔

یہ بات عیاں ہے کہ انگریزوں کو غازی کا روس جانا کسی بھی طرح پسند نہ تھا۔ چنانچہ پہلے تو ان کو اشاروں کنایوں سے وہاں جانے سے روکا گیا لیکن وہ نہ مانے تو پھر لارڈ برکن ہیڈ (سیکرٹری آف سٹیٹ انڈیا) نے انہیں نشیب وفراز سمجھانے کی کوشش کی۔ غازی اپنے ارادے کے پکے تھے وہ پھر بھی نہ مانے اور سفر روس پر روانہ ہو گئے چنانچہ انگلستان کے وزیراعظم نے پارلیمنٹ میں اس بات کا تذکرہ یوں کیا۔

Lord Birkenhead went out of his way in advising Amanullah politely to refrain from going to Russia

امان اللہ خاں کے اس طرح بے دھڑک روس چلے جانے پر انگریزوں اور ان کے حلیفوں کو سخت رنج ہوا اور اتحادی ممالک میں غصے کی لہر دوڑ گئی۔

اب ضمناً ایک مختصر سی بات سن لیجئے۔

پہلی جنگ عظیم کے دوران میں ایک شخص، کرنل لارنس نے انگریزی حکومت کی خاطر ایسے ایسے کارہائے نمایاں انجام دیے تھے کہ رہتی دنیا تک یادگار رہیں گے یہ شخص دراصل محکمہ آثار قدیمہ میں ملازم تھا اور 1915ء کے شروع میں عراق کے کسی مقام پر پرانے کھنڈروں کی کھدائی کی نگرانی کر رہا تھا۔ بلا کا ذہین اور ہفت زبان تھا۔ عرب کے ہر علاقے کی بولی بے تکان بول سکتا تھا اور جب وہ عربی لباس پہن کر نکلتا تو اس کو غیر عرب کہنا مشکل ہوتا تھا۔ چنانچہ ہمارے مرحوم دوست میجر فخر الدین خاں (سردر مصلح الدین مشہور کرکٹ پلیئر کے بھائی) جب اس کو لینے کے لیے ایک عربی گاؤں میں گئے تو وہاں کی مختصر آبادی میں وہ کرنل لارنس کو پہچاننے سے قاصر رہے۔ آخر خود ہی لارنس نے اپنا آپ ظاہر کیا تو فخر الدین خاں پہچان سکے پھر وہ لارنس کو اپنے ہمراہ قاہرہ لے گئے۔

اس زمانے میں ترکی حکومت قیصر جرمنی کی حلیف تھی اور ترکوں کی سلطنت بصرہ کی بندرگاہ تک پھیلی ہوئی تھی۔ پورا جزیرۃ العرب ترکی سلطنت کا ایک حصہ تھا۔ ترکی بادشاہ خلیفۃ المسلمین کہلاتے تھے اور مکہ کا شریف حسین ایک ترکی نائب کی حیثیت رکھتا تھا۔

جب جنگ کے کاروبار وسیع پیمانے پر پھیل گئے تو مشرق وسطیٰ کی سیاست کو سنبھالنے کے لیے انگریزوں نے قاہرہ میں اپنا ہیڈ کوارٹر قائم کیا۔ یعنی پہلے تو سر پری سائیکس اور کرنل ونگیٹ جیسے مدبروں اور شاطروں کو وہاں جمع کیا گیا پھر لارنس کو عراق سے طلب کیا گیا۔ چنانچہ جنگ کی رفتار کا جائزہ لینے کے بعد اس کو ایک دخانی کشتی کے ذریعے ''زہران'' کی بندرگاہ پر پہنچایا گیا۔ جہاں سے وہ ایک اونٹ پر سوار ہو کر ایک دن اور رات کے سفر کے بعد شریف حسین کے بیٹے فیصل کے پاس جا پہنچا۔ یہ سفر بڑی جان جوکھوں کا تھا کیونکہ اس کا صرف ایک ہی ساتھی تھا اور وہ سب کی نظروں سے بچ کر سفر کر رہا تھا۔ لارنس بڑے مضبوط دل کا انسان تھا اور اونٹ کے سفر سے ہرگز نہ گھبراتا بلکہ کئی کئی دن متواتر سفر کرنے کا عادی ہو چکا تھا۔

فیصل کے پاس پہنچ کر لارنس نے انگریزوں کی طرف سے یہ پیش کش کی کہ اگر شریف حسین اور اس کے بیٹے اس وقت انگریزوں کا ساتھ دیں تو فتح ہو جانے کی صورت میں شریف حسین اور اس کے بیٹوں کو ترکی سلطنت کے مختلف حصوں کا علیحدہ علیحدہ بادشاہ بنا دیا جائے گا۔ چنانچہ شریف حسین نے ترکوں کے خلاف بغاوت کر کے خودمختاری کا اعلان کر دیا اور عرب کا بادشاہ بن گیا۔ پھر اس کے بیٹوں نے اتحادی افواج میں شامل ہو کر تھکے ہوئے اور پریشان ترکوں کو کئی مقامات پر شکستیں دے دیں۔ ادھر لارنس نے حجاز ریلوے کو مختلف مقامات پر ڈائنامیٹ سے اڑانا شروع کر دیا اور اس طرح جرمنی سے براہ راست جو کمک اور سامانِ جنگ ترکوں کی امداد کے لیے بذریعہ ٹرین آتا تھا وہ سب بموں سے اڑا دیا جاتا۔ لارنس کو ایسے کاموں کے لیے شدید کاوش اور جانفشانی کرنا پڑتی تھی۔ یہاں تک کہ اس بے آب وگیاہ زمین میں اسے کئی مرتبہ فاقے بھی کاٹنے پڑتے تھے۔ لارنس کے ان ہتھکنڈوں سے ترکی فوجوں کو سخت نقصان اٹھانے پڑے۔ بلکہ حقیقت یہ ہے کہ مشرق وسطیٰ میں جو عظیم نقصانات جرمنی کو ترکوں کی امداد کے سلسلے میں اٹھانے پڑے وہ بھی بہت بڑی حد تک اس کی شکست کا موجب ہوئے۔ ذرا تصور تو کیجیے کہ جرمنی کو برلن سے بصرہ تک کی جنگی لائن کو سنبھالنے میں کس قدر دشواریاں برداشت کرنا پڑتی ہوں گی؟ جنگ کے خاتمے سے کچھ عرصہ پہلے امریکہ نے بھی جنگ میں شمولیت کر

لی جرمنی کی چوطرفہ زبوں حالی اور امریکہ سے تازہ دم فوج کی آمد سے اس کو شکست کا منہ دیکھنا پڑا اور اتحادیوں نے اس کے حصے بخرے کر لیے!

معاہدہ ورسیلز اور دیگر معاہدات کی رو سے شریف حسین کو عرب کا بادشاہ تسلیم کر لیا گیا! امیر فیصل کو عراق کا اور اس کے بھائی عبداللہ کو شرق اردن کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ نیز علی کو شام کا بادشاہ بنا دیا گیا۔ گویا لارنس نے جو وعدے کئے تھے مغرب کی طرف سے وہ بظاہر پورے کر دیئے گئے۔

یہ سب کچھ ہوا لیکن ایک عجیب سانحہ ہے کہ لارنس کو اس کی خدمات جلیلہ کے شایانِ شان معاوضہ دینے سے گریز کیا گیا۔ قصہ یوں ہے کہ اس وقت انگلستان کا وزیر خارجہ لارڈ کرزن تھا جو پرلے درجے کا امپیریلسٹ اور مغرور انسان تھا، اپنی لیاقت اور تدبر سے ہندوستان کا وائسرائے بنا اور پھر انگلش کیبنٹ کا ممبر بنا۔ اس نے یہ نکتہ نکالا کہ بے شک لارنس نے محیر العقول کارنامے سرانجام دیئے ہیں لیکن جو کچھ بھی اس نے کیا وہ محض انگریزی اشرفیوں کے بل بوتے پر ہی کیا اور برطانوی سونے کو پانی کی طرح بہایا۔ لہٰذا وہ کسی خاص انعام کا مستحق نہیں! کرزن کے اس اظہار خیال پر اخبار ٹائمز اور مانچسٹر گارڈین نے خوب لے دے کی اور پھر جب لارنس کے لیے ایک رقم بطور انعام تجویز کی گئی تو اس نے لینے سے انکار کر دیا۔ درحقیقت لارنس ایک عالی ظرف انسان تھا اور اپنی ذات کے لیے مستغنی المزاج تھا۔ چنانچہ وہ ملازمت سے علیحدہ ہو کر اپنی سوانح عمری لکھنے میں مصروف ہو گیا۔

لارنس کیمبرج یونیورسٹی کا طالب علم رہ چکا تھا۔ نیز سرد و گرم زمانہ چشیدہ تھا چنانچہ اس نے ایک ضخیم کتاب موسومہ ''دانش کے ستون'' لکھی۔ اس کتاب میں اس نے ترکوں کی فوجوں کو شکست دینے اور ٹرینوں کو ڈائنامیٹ سے اڑانے کے کئی حیرت انگیز واقعات بڑی خوبصورتی سے بیان کئے ہیں۔ اس کتاب کے ایک حصے بنام ''صحرا میں بغاوت'' کی قیمت اس وقت پچاس روپے تھی مگر مکمل کتاب کی قیمت اس سے بہت زیادہ رکھی گئی۔ یہ کتاب یورپ اور امریکہ میں لاکھوں کی تعداد میں فروخت ہوئی اور لارنس نے لاکھوں روپے کمائے مگر وہ ایسا سیر چشم تھا کہ تمام آمدنی جنگی یتیموں اور بیوگان کے فنڈ میں داخل کر دی!۔

اس مکمل کتاب کا دیباچہ انگلستان کے مشہور ڈرامہ نویس جارج برنارڈ شاہ نے لکھا جس میں اس نے بغیر لگی لپٹی رکھے یہ بات لکھ دی۔ ''اگر انگریز قوم مغرور اور ناشکر گزار نہ ہوتی تو لارنس کی خدمات کے صلے میں اس کو ایک چھوٹی سی سلطنت پیش کرنی چاہیے تھی۔''

اب اصل قصے کی طرف رجوع فرمائیے۔

یہ کرنل لارنس، امان اللہ خان کے ''دورہ یورپ'' سے کچھ عرصہ پیشتر ہندوستان پہنچ چکا تھا وہ سال بھر کراچی چھاؤنی میں مقیم رہا بعدہ، رسال پور چھاؤنی کے ہوائی محکمے میں تعینات ہوگیا۔ یہ چھاؤنی پشاور اور غیر علاقے کے نزدیک ہے۔

چونکہ لارنس کی شہرہ آفاق کتاب کا دیباچہ برنارڈ شاہ نے شاندار پیرائے میں لکھا تھا (نیز کتاب کے پروف بھی مسز شا نے درست کئے تھے) اس لیے شکر گزاری کے طور پر اس نے بھی اپنا نام ''شا'' ہی رکھ لیا اور چھاؤنی میں اس کو ''ائیر کریفٹس مین شا'' کے نام سے ہی جانتے تھے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے لارنس، عربی، فارسی کا عالم تو تھا ہی اس نے ہندوستان پہنچ کر پشتو بھی سیکھ لی۔ پھر اس نے سرحد کے تمام حالات نیز افغانستان کی سیاسی پوزیشن کا بھی جائزہ لیا اور کچھ عرصے کے بعد وقت معینہ پر ایک بزرگ پیر کے حلیے میں غیر علاقہ میں داخل ہوگیا۔

امان اللہ خاں کے روس کے دورے پر روانہ ہوتے ہی سر فرانس ہمفریز (انگریزی سفیر کابل) فوراً کابل لوٹ آیا اور اپنے مجوزہ پروگرام پر عمل کرنے لگا پہلے تو اس نے امان اللہ خاں کے مخالفین کو در پردہ اکسایا پھر درانی قبیلے کو رشوت دے کر بغاوت پر آمادہ کیا۔ ادھر لارنس نے ان تصویروں کی ہزارہا نقلیں بہم پہنچالیں جن میں ملکہ ثریا، فرانسیسی مدبروں سے بے تکلفانہ ہاتھ ملا رہی تھیں۔ بلکہ ان میں کئی ایک تصویریں ایسی بھی تھیں کہ دھڑ کے اوپر کا حصہ تو ملکہ ثریا کا تھا مگر نیچے کا حصہ کسی ایکٹریس کا تھا اور ٹانگیں بالکل ننگی تھیں (یہ تصویریں امرتسر کے ایک چھاپہ خانے میں تیار ہوئی تھیں)

کرنل لارنس عربی لباس پہن کر بالکل عربی معلوم ہوتا تھا وہ قرآن شریف سے بخوبی واقف تھا اور کئی آیات قرآنی اسے حفظ تھیں اور وہ پشتو بھی خوب بولنے لگا تھا۔ اب اس نے جگہ جگہ وعظ کرنا

شروع کر دیا۔ ساتھ ساتھ وہ تصویریں بھی تقسیم کرتا رہا اور امان اللہ خاں کے خلاف پروپیگنڈا بھی کرتا رہا۔ اس نے جاسوسی کے لیے کئی کارندے چھوڑ رکھے تھے جن کے ذریعے وہ قبائلی خواتین کے گھریلو حالات' ان کی اولاد اور مالی حالت وغیرہ سے خوب واقف ہو گیا تھا۔ چنانچہ جس خان کے متعلق اسے یہ معلوم ہو جاتا کہ اس کی دو تین بیٹیاں ہیں مگر مالی حالت کمزور ہونے کے باعث ان کی شادی کرنے سے معذور ہے تو وہ خود اس خان سے پوچھتا کہ وہ اپنی بیٹیوں کی شادی کیوں نہیں کرتا۔ جب وہ ناداری کے باعث اپنی معذوری بیان کرتا تو اسے یوں سمجھاتا۔ ''تم سامنے پہاڑ کی چوٹی پر جا کر صبح کی نماز پڑھو۔ پھر دائیں طرف دس قدم چل کر زمین کھودو تو تم کو روپیہ مل جائے گا۔

چنانچہ وہ خان دوسری صبح ایسا ہی کرتا اور جب اس مقام کو کھودتا تو اسے چار پانچ ہزار روپیہ مل جاتا۔ اس پر وہ لارنس کی کرامت سے متاثر ہو کر اس کا گرویدہ ہو جاتا اور ''پیر کامل'' سمجھ کر اس کے کہنے پر عمل کرنا باعث برکت سمجھنے لگتا۔ بس ایسے ہی ہتھکنڈوں سے لارنس نے کئی خواتین کو اپنے زیر اثر کر لیا اور پھر انہی کے ذریعے امان اللہ خاں کے خلاف مختلف علاقوں میں پروپیگنڈا کراتا رہتا۔ اس نے یہ پروپیگنڈہ بھی خوب زور سے کرایا کہ امان اللہ خاں روس جا کر مذہب سے بیگانہ ہو گیا ہے اور بولشویکیوں سے مل کر کافر ہو چکا ہے۔ چنانچہ اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بہت سے قبائلی امان اللہ خاں کے در پردہ مخالف ہو گئے۔

امان اللہ کی روس سے واپسی کے تھوڑے عرصے بعد یہ چنگاریاں سلگنی شروع ہو گئیں اور اب کسی ایسے رہبر کی تلاش شروع ہوئی جو ان کو پوری طرح مشتعل کر دے۔ چنانچہ ایک گمنام سا شخص بچہ سقہ کہیں سے پیدا ہو گیا بیان کیا جاتا ہے کہ یہ بچہ سقہ کبھی افغانی فوج میں ملازم تھا اور بندوق پستول چلانے میں خوب ماہر تھا مگر شائد کسی کوتاہی کے باعث فوج سے نکال دیا گیا تھا یا خود ہی نوکری سے فرار ہو کر پشاور پہنچ گیا تھا۔ اس نے پشاور کے ایک قہوہ خانے میں ملازمت کر رکھی تھی اور بمشکل گزر اوقات کرتا تھا مگر سخت منچلا ہونے کے باعث بات بات پر چھرا نکال لیتا تھا۔ خوبیٔ تقدیر سے وہ ایک فوجی انگریز کی نظر پڑ گیا جس نے اسے اپنے ہمراہ لے جا کر اپنا آلہ کار بنایا چونکہ وہ افغانی فوج میں ملازم رہ

چکا تھا اس لیے وہاں کی فوجی پوزیشن سے بخوبی واقف تھا اور انگریزی روپے کے بل بوتے پر اس نے کئی ایک قبائلی سرداروں سے بھی شناسائی پیدا کر لی تھی چنانچہ اس نے قبائلیوں کو اپنے ساتھ ملا کر افغانستان کے مختلف شہروں پر شبخون مارنے شروع کر دیئے جس سے وہاں کے علاقوں میں اضطراب اور ہراس پھیل گیا اور لوٹ مار سے اس کی اپنی پوزیشن بہت کچھ مضبوط ہو گئی!۔

ایسی فضا میں وہاں ایک اور شخص بھی نمودار ہو گیا جس کا نام سید حسین ہے یہ شخص بھی بچہ سقہ کے مانند نڈر اور جان پر کھیل جانے والا تھا۔ اس نے بھی اپنے ساتھ بہت سے جوشیلے ڈاکو ملا رکھے تھے جو لوٹ مار کے لالچ سے ہر وقت کسی نہ کسی پر حملہ کرنے کے لیے آمادہ رہتے تھے۔ چنانچہ ایک رات بچہ سقہ اور سید حسین نے اپنی فوج کے ہمراہ یکا یک امان اللہ خاں کے محل پر حملہ کر دیا۔ اب بدقسمتی یہ ہوئی کہ یا تو محل کے پہرے دار پہلے ہی سٹک گئے تھے یا گولی سے مار دیئے گئے تھے بہر حال امان اللہ خاں کی قسمت کا پانسہ پلٹ چکا تھا اور اس کی امداد کو کوئی امیر وزیر یا فوجی افسر نہ پہنچا۔ سچ ہے

سیہ بختی میں کب کوئی کسی کا ساتھ دیتا ہے

اب امان اللہ خاں کو سوا بھاگنے کے اور کوئی راستہ نظر نہ آیا۔ خوش قسمتی سے اس کی رولز رائس کار محل میں موجود تھی جس میں وہ اپنے عیال سمیت سوار ہو کر برفانی سڑک پر سفر کر کے بہ ہزار دقت اپنی گم شدہ سلطنت کے آخری شہر قندھار پہنچ گیا پھر وہاں سے افغانی سرحد عبور کر کے چمن آ گیا۔

یاد رہے کہ یہ چمن وہی جگہ ہے کہ جہاں سے امان اللہ خاں یورپ جاتے ہوئے سپیشل ٹرین میں سوار ہوا تھا مگر اب اسی اسٹیشن سے وہ بے یار و مددگار عام مسافروں کی طرح ٹرین میں سوار ہو کر بمبئی پہنچا وہاں سے بذریعہ بحری جہاز اٹلی میں وارد ہوا جہاں اس نے اپنی بچی کھچی جمع پونجی سے کچھ جائیداد خرید لی اور آخر عمر تک وہیں رہا۔ پانچ سال ہوئے کہ غازی اللہ کو پیارے ہو گئے!۔

دراصل بچہ سقہ انگریزوں کا ہی ساختہ پرداختہ تھا اور فقط نیروئے بخت سے تخت کابل پر متمکن ہو کر حکومت کرنے لگا تھا۔ افغانستان کی سخت بدقسمتی تھی کہ ایسا بدکردار شخص وہاں کا بادشاہ بن گیا۔ اس نے اپنی رعایا پر ایسے ایسے مظالم روا رکھے کہ ان کے بیان سے رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔

اس رذیل شخص کی آڑ میں انگریزوں نے بھی اپنے مخالفوں سے گن گن کر بدلے لئے۔ کئی امیروں اور شہزادوں کو تہ تیغ کر دیا گیا بعض شہزادیوں کی بے حرمتی کرنے سے بھی دریغ نہ کیا گیا!

انقلاب کے وقت سردار علی احمد جان قندھار کا گورنر تھا بچہ سقہ کے برسر اقتدار ہوتے ہی انگریزوں کے اشارے پر اسے پابجولاں کابل لایا گیا اور پھر جیل میں ٹھونس دیا گیا۔ گویا اس طرح انگریزوں نے امان اللہ خان کو تو روس جانے کی یہ سزا دی کہ اسے تخت کابل سے محروم کیا گیا اور علی احمد جان کو راولپنڈی والی تقریر کی پاداش میں قید کاٹنی پڑی! کچھ عرصہ برسر اقتدار رہنے کے بعد بچہ سقہ بھی مارا گیا اور افغانستان کو اس لعین سے نجات مل گئی۔

قدرت کے رنگ کیسے نیارے ہوتے ہیں ایک کیفیت اور بھی ذرا سن لیجئے۔

شریف حسین والئی عربستان کو اپنی زندگی میں ہی شاہ ابن سعود سے شکست کھانی پڑی اور تخت چھوڑ کر بھاگنا پڑا۔ امیر فیصل والئی عراق کی وفات پر پہلے تو اس کا بیٹا تخت نشین ہوا مگر کچھ عرصہ بعد اس کا پوتا' فیصل ثانی بادشاہ بنا۔ اس نے تھوڑی مدت ہی حکومت کی ہوگی کہ عراق میں بغاوت ہوگئی اور باغیوں نے امیر فیصل' اس کے چچا عبداللہ نیز وزیر نوری السعید کو گولی سے اڑا دیا اور ان کی نعشوں کو گھوڑوں کے پاؤں تلے روند ڈالا۔

....

باب نمبر 1

آکسفورڈ کے کسی مدرسہ کا کھیل کا میدان ہے۔ لڑکے اپنا اپنا کھیل اپنے طور پر کھیل رہے ہیں۔ ان چیختے چلاتے لڑکوں کے ہجوم سے الگ تھلگ کسی کونے میں ایک خاموش دبلا پتلا لڑکا دیوار سے ٹیک لگائے کھڑا ہے۔ اس کی ناک کتاب میں چھپ گئی ہے۔

کسی کھلاڑی کی چیخ کو سن کر وہ وقتاً فوقتاً سر اٹھالیتا ہے۔

ایک نے چلا کر کہا۔ آؤ۔ اور ہم میں مل جاؤ۔

دوسرے نے کہا۔ ''آہاہا۔ یہ پرانا کتاب کا کیڑا!۔

دوسرے کھلاڑی اس حقارت کے ساتھ جو انہیں گیند نہ کھیلنے والے ہر لڑکے سے ہوتی ہے اس کو تن تنہا چھوڑ دیتے ہیں۔

لارنس، جس کا پورا نام ٹامس ایڈورڈ لارنس تھا در اصل ڈرپوک نہ تھا۔ صرف کھیل اسے ناپسند تھے۔ وہ گرتا پڑتا کسی ندی نالے کے کنارے کنارے اس مقام تک پہنچ جاتا جہاں اس کو اس کے منبع کا سراغ ملتا۔ وہ ان خاک کے تودوں اور پرانے کھنڈروں کی دیکھ بھال میں گھنٹوں مصروف رہتا جہاں قدیم برطانوی باشندے اور رومی فاتح پڑاؤ ڈالا کرتے تھے۔ ان آثار کی تحقیق اس کو قدیم تاریخ کا پتہ دیتی وہ معلوم کرنے کی کوشش کرتا کہ یہ کھنڈر کیا ہوگا۔ اور اپنے ذہن میں اس کا تصور جماتا کہ وہ انسان کیسا ہوگا جس نے آخری مرتبہ اس کو استعمال کیا ہوگا۔

کبھی وہ یہ کرتا کہ کندھے پر کیمرا لٹکائے خاموشی سے سائیکل پر روانہ ہوجاتا اور پرانے

قلعوں، کلیساؤں اور محلات کی تصویریں مختلف زاویوں سے لیتا۔ اکثر اوقات اس کا گزران کھنڈروں کی طرف ہوتا جن کو لوگ معمولی پتھروں کا ڈھیر سمجھتے۔ لیکن یہ نوعمر لڑکا تراش خراش اور علامتوں کی مدد سے سمجھ جاتا کہ ضرور یہ کوئی عمارت رہی ہے جو سینکڑوں سال پہلے تعمیر ہوئی ہوگی۔ اور جو ملک کی تاریخ کے کسی خاص واقعہ کا پتہ دیتی ہے۔ وہ واقعات کا سراغ لگانا چاہتا یعنی وہ کہاں سے شروع ہوئے کیسے شروع ہوئے اور کیونکر شروع ہوئے۔ وہ لڑکوں کی ہشت مشت میں بھی کبھی کبھی شریک ہو جاتا۔ اس دھما چوکڑی کی مثال ایسی ہوتی گویا کوئی ناہموار مکان یکا یک زمین سے ابھر آیا ہو اور معاً کسی ناگہانی حادثہ کے سبب مسمار ہو گیا ہو۔ ایک دفعہ یہ کھیل اسے بہت مہنگا پڑا جس نے اس کا پاؤں توڑ دیا اس حادثہ کا اس پر عجیب اثر ہوا اس کے دوسرے بھائی بلند قامت تھے اور یقین تھا کہ جسمانی ساخت میں یہ بھی ان کا ہمسر ہوگا لیکن پاؤں کے ٹوٹ جانے سے اس کی نشو ونما رک گئی اور وہ پانچ فٹ چار انچ سے نہ بڑھ سکا۔

قدیم تاریخ کی تحقیق کے شوق میں گاہے گاہے وہ اجنبی راستوں پر بھی چل پڑتا تھا۔ ایک دن آکسفورڈ کا ایک قدیم نقشہ اس کے ہاتھ لگا جس سے کسی زمین دوز نہر کے وجود کا پتہ ملتا تھا اس سے پہلے کسی کو اس کا خیال بھی نہ تھا کہ گیس کے کارخانے کے قریب والی نہر دراصل وہی ہے جو Fally Bridge کے قریب بہتی ہے۔ اس نقشہ نے ثابت کر دیا کہ یہ وہی ایک ہی نہر۔ اس پوشیدہ نہر نے اس کو ایک مہم کی راہ بجھائی۔ وہ ایک دن عین گیس کے کارخانے کے پیچھے سے چھوٹی کشتی میں سوار ہو کر اس ارادے سے روانہ ہو گیا کہ نہر کے راستہ پر چلتا ہوا ہو سکے تو Fally Bridge کے سرے تک پہنچ جائے گا۔ جب اس نے کشتی نہر میں ڈالی تو اس کے مدرسہ کے دو ایک ساتھی اس پر ہنسنے لگے۔ لیکن جب وہ کشتی کھیتا ہوا زمین میں گھس کر نظر سے غائب ہو گیا تو انہیں الجھن ہونے لگی۔

کھلی فضا کے ختم ہوتے ہی، لارنس نے خود کو سخت اندھیرے میں گھرا ہوا پایا۔ ہوشیاری سے راستہ کا خیال رکھتے ہوئے وہ آہستہ آہستہ کشتی کھیتا رہا۔ ایک گز کے فاصلہ پر بھی اسے کچھ نظر نہ آتا تھا لیکن سر کے اوپر آمد و رفت کی مدھم آوازیں سنائی پڑتی تھیں۔ وہ ایک گلی کے نیچے تھا۔

آدھ گھنٹہ تک اس نے اپنا پراسرار سفر جاری رکھا۔اس سنسان جگہ میں وہ صرف چپو چلنے کی آواز سن سکتا تھا اور جب وہ ایک نامعلوم کنارے پر پہنچ چکا تو لکڑی چھیلنے کی مدھم آوازیں اس کو سنائی دینے لگیں۔دو تین دفعہ اس نے گھوڑوں کے ٹاپوں کی آواز بھی سنی اور جب وہ آکسفورڈ ہی کی ایک دوسری گلی کے نیچے سے گزرا تو پہیوں کی گھڑگھڑاہٹ اس کو سنائی پڑتی تھی حتی کہ بالآخر سامنے اس کو مدھم سی روشنی نظر آئی۔ اب وہ باہر آ رہا تھا اس کی ننھی منی کشتی Fally Bridge کے قریب سالٹ کی کھاڑی میں تیر رہی تھی۔ اسکول کے چند ساتھی کچھ سہمے ہوئے سے اس کے پرجوش استقبال کے لیے وہاں کھڑے تھے۔اس کو کشتی کھیتے نظروں سے اوجھل ہوتے ہوئے جنہوں نے دیکھ لیا تھا وہ گلیوں میں بے تحاشا دوڑے پھر رہے تھے اور ایک دوسرے کو چلا چلا کر کہتے جاتے تھے۔

''لارنس سڑک کے نیچے والی پرانی نہر میں اپنی کشتی لیئے گھس پڑا۔''

پرانے کرم کتابی میں اس خطرناک سفر کی جرائت پا کر وہ ٹپٹا گئے تھے اور جب وہ تاریکی سے کشتی کھیتا ہوا برآمد ہوا تو مبارکباد دینے کے لیے ان میں مسابقت ہونے لگی۔

''اچھے لارنس۔''

''خدا کی قسم! اس کے لیے تمہیں بڑی مشقت برداشت کرنی پڑی ہوگی۔آخر یہ مہم اتنی بے لطف تو نہ رہی۔'' اسی طرح کی آوازیں فضاء میں بلند ہونے لگیں اور اب وہ اپنے انہیں یار دوستوں کی مدح وستایش کا مرکز بن گیا جو کچھ ہی پہلے کھیلوں میں شریک نہ ہونے کے باعث اس پر آوازے کستے تھے۔

ان میں سے جو زیادہ متجسس طبیعت رکھتے تھے اس سے مزید تفصیل سننے کے مشتاق تھے۔

ایک نے پوچھا۔ یہ تم نے کیا کیا۔کیا اس سے اپنی جرات بتانا مقصود تھا۔

کم سن لارنس نے سر ہلا کر دبی زبان میں جواب دیا جی نہیں۔ میں تو صرف معلوم کرنا چاہتا تھا کہ آخر یہ نہر نکلتی کہاں ہے۔

سال اور مہینے گزرتے گئے۔لیکن اس کو کھیلوں میں شریک نہ ہونا تھا نہ ہوا اور صاف صاف

کہہ دیا کہ مدرسہ مجھ کو پسند نہیں۔ کتابیں اور اس قبیل کی دوسری چیزیں البتہ اس کو پسند تھیں۔ لیکن مدرسہ سے بحیثیت مدرسہ اس کو بے لطفی ہی رہی۔

تعطیلوں میں وہ برطانیہ اور فرانس کے دیہاتی علاقوں میں گھومتا پھرتا۔ جہاں اس کو سینکڑوں سال جس کے باشندوں کے متعلق ''کیوں'' اور ''کس لیے'' کی تحقیق کا شوق لے جاتا!

وہ نہ زیادہ دراز قامت تھا اور نہ بھاری بھر کم۔ اس کے قد کی درازی صرف پانچ فٹ اور چار انچ تک پہنچ پائی تھی اور وزن میں وہ سات اسٹون سے زیادہ نہ تھا پھر بھی وہ تھوڑا بہت مشہور ہو چکا تھا۔

جب وہ جیزز کالج میں پڑھتا تھا تو ان تمام طالب علموں کی توجہ کا مرکز تھا جو دان رات مطالعہ کتب بنی اور مضمون نویسی میں مصروف رہتے تھے۔ وہ ان چیزوں میں سب سے بہتر و برتر تھا وہ سائیکل رانوں کی جماعت اور Oxford Officer's Trainins Corps کا سرگرم ممبر تھا۔

جب کبھی گفتگو کرتا تو لوگ اس کی طرف متوجہ ہو جاتے اس کے مضامین خاص خصوصیت رکھتے تھے جن سے پتہ چلتا کہ وہ ایک غیر معمولی ہوشیار طالب علم اور ایسا نوجوان ہے جو ایک نہ ایک دن نام پیدا کرے گا۔

اس کا خاص مضمون اثریات تھا۔ اس کے مطالعہ کا یہ نتیجہ نکلا کہ بالآخر اس نے شام اور فلسطین میں مسیحی مجاہدان کے تعمیر کئے ہوئے قلعوں پر ایک مضمون ترتیب دے ڈالا۔ ان قلعوں کے متعلق اس نے کتابیں پڑھی تھیں اس موضوع کے مسلم الثبوت اساتذہ کا مطالعہ بھی کر چکا تھا لیکن یہ بھی ناکافی تھا وہ بذات خود دیکھنا چاہتا تھا کہ وہ ملک کیسا ہے۔ وہاں اب جو لوگ بستے ہیں وہ کیسے ہیں۔ گزری ہوئی نسلیں ان لوگوں کی زندگی اور خصلتوں پر کیا نقوش چھوڑ گئی ہیں۔

1909ء میں جب کہ اس کی عمر بیس سال تھی وہ شمالی شام کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ وہ اسی پر چلنا چاہتا تھا جس پر سے کبھی مسیحی مجاہد گزر رہے تھے۔

انگلستان سے نکلتے وقت اس نے بہت قلیل رقم اپنے ساتھ رکھی تھی یعنی کم وبیش سو پونڈ جوں ہی وہ بیروت پر جہاز سے اترا شام اور فلسطین میں اپنے خود اختیار کردہ سفر پر پاپیادہ چل پڑا اپنی غذا کے

لیے اس نے اہل ملک کی سیدھی سادھی مہمان نوازی کو کافی سمجھا اور بالآخر جب وہ ساحل پر واپس آیا اور وہاں سے انگلستان پہنچا تو رقم کا بڑا حصہ اس کے پاس موجود تھا۔

علم کی پیاس اسے عام راستوں سے دور دور بھٹکا دیتی تھی۔ اس سال موسم بہار میں چار مہینے تک وہ اسی سرزمین پر گھومتا پھرا وہ فلسطین سے نکل کر قدیم اڈیسہ تک پہنچ گیا جس کو آج کل عرفہ بھی کہتے ہیں۔

وہ تفصیل سے اس ملک کا معائنہ کر چکا جس کو مسیحی مجاہدوں نے لازوال شہرت بخشی۔ مجاہدوں کی یہ فوج فرماں رواؤں، خانہ بدوشوں سپاہیوں اور دیہاتیوں کی مختلف العناصر جماعتوں پر مشتمل تھی جو اپنے اپنے ملک سے نکل کر ایشیاء کی پراسرار اور بیگانہ سرزمین میں گھس آئے تھے۔

دنیائے مسیحیت اور مسلمانوں میں یہ لڑائیاں مسلسل تین سو سال تک جاری رہیں۔ مسیحی مجاہدوں نے قلعے تعمیر کیے لیکن وہ ہتھیا لیے گئے۔ شام اور فلسطین کے ان شہروں اور قلعوں کے آگے عرب اور مسیحی مجاہد مصر کے سلاطین، مغل شہنشاہ اور شاہان فارس، سبھی اپنے اپنے وقت پر گزر گئے اور جب نوجوان لارنس نے تاریخ کے مطالعہ کی خاطر اتنی زیادہ روندی ہوئی زمین کے پتھر اکھیڑنے شروع کیے تو گویا وہ خود اپنے نام آوری کا طویل سفر کر چکا تھا۔

لارنس جس وقت شام کا دورہ کر رہا تھا یہ ملک تقریباً پانچ سو سال سے ترکوں کے زیر تسلط تھا جہاں کبھی مسیحی مجاہدوں کی صلیب فخر سے فضا میں لہراتی تھی وہاں آج ہلال کی حکمرانی تھی شاہراہوں کو چھوڑ کر لارنس پرانے زمانے کے زائرین کے بھولے بسرے اور تنگ راستوں پر ہولیا۔

Sahyoun سینون کے قلعہ پر چڑھ کر وہ چٹان کی چوٹی تک جا پہنچا Antioch انٹی اوک میں اس نے سنٹ پال کے زمانے کے ویرانے دیکھے کہیں کہیں اس کو اس زبردست دیوار کے محل وقوع کا پتہ لگا جو اس زمانہ میں شہر کو احاطہ کیے ہوئے تھی اور جس پر چار گھوڑے پہلو بہ پہلو دوڑائے جا سکتے تھے۔ برچھیوں کی لڑائی اسی انٹی اوک کے باہر لڑی گئی تھی۔ سرفروش مسیحیوں نے جب دیکھا کہ شکست کھانا ان کے لیے موت کا پیام ہے۔ تو انہوں نے سواروں کی ایک فوج بنائی جو گھوڑوں سے

خالی تھی۔ نیزے بازوں کی ایک فوج تھی جن کے پاس نیزے نہ تھے۔ تیغ زن ایسے تھے جن کے پاس تلواریں ہی نہ تھیں۔ عورتیں تک مسلح ہو کر میدان میں آئیں سبھوں نے مسیح کی عزت کے لے جہاد کیا۔ غیر مسلح مسیحی مجاہد اپنے دشمنوں سے ہتھیار چھینتے جاتے اور انہیں سے ان کا قلع قمع کر دیتے تھے۔ قریب المرگ مسیحی اپنی تلواریں اور برچھیاں پیدل لڑنے والوں کو دیتے جاتے تھے۔ مسیحیوں کا محاذ جنگ مضبوط رہا اور آخر کار ایک زبردست فتح نصیب ہوئی۔

سوال ہو سکتا ہے کہ زمانہ حال کا نوجوان مجاہد ان عظیم الشان ویرانوں کو کس حد تک از سر نو تعمیر کر سکتا تھا۔ اس نے رچرڈ شیر دل کی لڑائیاں پھر سے لڑی ہیں۔ اس نے مسلمانوں اور عیسائیوں کے قلعوں کے وہ کھنڈر دیکھے جو صحرا کی ریت میں دھس گئے تھے اور جن کا نام ہی نام باقی تھا تہذیب اور شائستگی کے طور طریق کو بھول کر وہ بدوؤں میں گھل مل گیا اس نے ان کا ''نمک کھایا'' (کوئی بدوی کسی ایسے شخص کو ہرگز نقصان نہیں پہنچاتا جو اس کا نمک کھا چکا ہو یعنی اس کی مہمان نوازی کا حصہ دار بن چکا ہو۔)

کوئی نو وارد اگر صحرا میں تن تنہا سفر کرے تو اس کے یہ معنی ہیں کہ نہ صرف اس کی املاک خطرہ میں ہے بلکہ خود اس کی جان جوکھم میں ہے۔ لیکن نوجوان لارنس نے ان جوکھوں میں پڑنا قبول کیا۔ وہ ایک بے آب، جھلسے ہوئے اور سخت گیر ملک کا چکر لگاتا اوڈیسہ کے قدیم محل وقوع تک جا پہنچا۔

اس کے سفر کا آخری حصہ دریائے فرات کے پیچ و خم کے ساتھ ساتھ طے ہوا۔ اس سفر میں اسے پتہ لگا کہ اوڈیسہ کے قدیم گرجے مسجدوں میں تبدیل کر دیئے گئے ہیں مسیحی مجاہدوں کے قلعے اور مینار جوں کے توں باقی ہیں جن میں عرب اپنے کتوں بکریوں اور بچوں سمیت رہتے بستے ہیں بڑے بڑے احاطے معہ اپنی چار دیواریوں کے جوں کے توں باقی ہیں جن میں اونٹ اور بھیڑیں بھر دی گئی ہیں۔

بہت کم لوگ ہوں گے جو ان کھنڈروں کو جانتے ہوں۔ جانتے بھی ہوں تو ان کے لیے ان میں کوئی دلچسپی نہیں۔ چوروں نے ان کو اپنا رہن بنالیا تھا۔ عرب کے خانہ بدوش یہاں شب گزاری

کرتے اور آگے نکل جاتے ان مقامات کو لارنس آزادانہ دارد یکھتا پھرتا۔ چٹانوں کے کھوؤں میں اس نے تاک جھانک جو شروع کی ہے تو بڑی بڑی چھپکلیاں تک چونک پڑیں جو دھوپ کھانے کے لیے باہر نکل آتی تھیں اور اس عجیب وغریب مخلوق کو اپنے کھوؤں میں سر ڈالتا دیکھ کر روپوش ہو جاتی تھیں۔ ممکن ہے ان بھولے بسرے ملکوں اور اس سے زیادہ ان ملکوں کی بھولی بسری فوجوں اور قلعوں کی تحقیق کا محرک خالص علم کی تلاش کے سوا کچھ اور رہا ہو۔ لارنس کے خاندان کا سر دالٹر رالے سے بھی تعلق تھا اور اس خاندان کی آئندہ نسلوں کو سر والٹر کی دلیری اور اولوالعزمی ورثہ میں ملی تھی محرک خواہ کچھ ہو وہ اس ملک کے متعلق مزید معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔

کیا وہ کسی غیبی مشیت کو پورا کر رہا تھا۔ یا اسے قدیم مسیحی مجاہدوں کی طرح آسمان میں کوئی نشانی نظر آئی تھی۔؟

باب نمبر 2

ان مشاہدات سے اثر پذیر ہو کر لارنس لوٹ آیا اور ایسا لا جواب مضمون لکھا کہ چار سال کے لیے اس کو وظیفہ عطا کیا گیا۔ اکیس سال کے طالبعلم کے لیے یہ بہت بڑا اعزاز تھا۔ اس نے یہ چار سال مصر، فلسطین اور شام کی سیاحت میں بسر کئے۔ ان ملکوں میں صحرا کی ریت کے تودوں اور چٹانوں میں دبے ہوئے قدیم تمدن کی کھدائی شروع ہو چکی تھی۔ وہ ماہرین فن جو اس کام میں زیادہ تر عمر رسیدہ اور تجربہ کار لوگوں پر بھروسہ کرتے تھے' لارنس کے خود اپنے طور پر کئے ہوئے کام کو نظر انداز نہ کر سکے۔ اور اس کی اعانت و امداد کا بڑی خوشی سے خیر مقدم کیا۔ یہاں پر برٹش میوزیم کی طرف سے منظم طریق پر کھدائیوں کا سلسلہ شروع کیا گیا تھا۔ اس توقع پر کہ شاید قدیم دارالخلافہ ہیٹی کے بعض عجائبات ہاتھ لگ جائیں۔ درحقیقت یہ ریت کا بہت بڑا ٹیلہ تھا جو کئی صدیوں میں جا کر اتنا اونچا ہو گیا تھا کہ عمارتوں کے نشانات تک نظروں سے چھپ گئے تھے۔ چالیس سال پیشتر ایک بھولے بھٹکے مسافر نے ان عجیب و غریب چٹانوں اور دیواروں کی نشان دہی کی تھی جو کسی انہدام کے سبب نمایاں ہو گئی تھیں۔ اس وقت میوزیم کے ڈائریکٹروں نے اس ٹیلہ کو اس حد تک کھودنے کا ارادہ کر لیا تھا جب تک کہ ریت کا پہاڑ اپنے سارے راز منکشف نہ کر دے۔

اس کام میں نوجوان لارنس کی اعانت کا قبول کیا جانا اس کے لیے باعث فخر تھا ازمنہ قدیم کے آثار کی تحقیق میں خود اس کے لیے دلچسپی تھی۔ اس نے تن دہی اور ذہانت سے بڑے بوڑھوں تک کو اپنا گرویدہ بنا لیا۔

1910'11ء میں سرما کا موسم تھا۔ اس مقام پر چند ہی لوگ جنہیں تاریخ قدیم سے شغف

تھا کھنڈروں کی جانچ پڑتال کا کام جاری رکھے ہوئے تھے ۔ جو نو وارد بھی وہاں جا پہنچے اپنے دوست احباب کو لکھتے کہ ہم نے ایک نوجوان کو دیکھا جس کا نام لارنس ہے ایک دوسرے نوجوان طالب علم نے جو لارنس کے ساتھ کام کرتا تھا اپنے تجربات کا کچھ حال بتایا ہے۔ وہ خود کو اور اپنے دوستوں کو" انوکھے کارآموز" کے نام سے یاد کرتا ہے۔

کچھ ہی عرصہ بعد عرب اور کرد حتیٰ کہ ترک بھی وہیں یا انہیں کھنڈروں کے آس پاس کام میں لگے ہوئے تھے اس خاموش خردسال انگریز کی طرف ملتفت ہونے لگے وہ اس کا ذکر بڑی حیرت سے کرتے ۔ وہ ان کے طور طریقوں سے بیگانہ نہ تھا اور ان کی زبانوں میں رک رک کر مگر صحیح طور پر بات چیت کر سکتا تھا۔

دن کا کام جب ختم ہو جاتا تو وہ دیہات میں جا پہنچتا۔ دیہاتیوں کی طرح زمین پر آلتی پالتی مار کر بیٹھتا۔ ان سے باتیں کرتا۔ دیہاتی زندگی کی گپ شپ اور ہنسی مذاق میں برابر کا شریک رہتا۔ ان لوگوں نے یہ معلوم کر لیا کہ وہ خوف کھانا جانتا ہی نہیں ۔ انہیں حیرت تھی کہ اس کا چھوٹا سا جسم کتنا طاقتور ہے اپنے سادے سیدھے اور بے تکلف انداز میں وہ اس کو چاہنے بھی لگے تھے کیونکہ وہ ہر قسم کی بے رحمی اور سفاکی سے قطعاً نا آشنا تھا۔

وہ عموماً متین صورت نظر آتا لیکن اس کی ہنسی یا مسکراہٹ ایسا خوشگوار واقعہ ہوئی کہ دوسروں کو لامحالہ اس میں شریک ہونا پڑتا قدیم زبانوں کی ہڈیاں کھودنے پر بھی اس میں حسِ ظرافت پائی جاتی تھی۔

انہیں کھنڈروں کے قریب جرمن انجنیر بھی کام کرتے تھے ۔ وہ بغداد کی ریلوے لائن پر کام کر رہے تھے اور اس وقت ندی پر پل کی تعمیر میں مصروف تھے بعض ملکی باشندوں کے ساتھ جرمنوں کا برتاؤ لارنس کو ناپسند تھا وہ اپنی ناپسندیدگی کا اظہار بے محابا کر دیتا نتیجہ یہ ہوا کہ بعض جرمن کئی طریقوں پر اس سے نفرت کا اظہار کرنے لگے۔ لیکن لارنس نے ان کے جذبات نفرت کا کوئی اثر نہیں لیا۔ اور کھنڈروں سے نکلے ہوئے پتھروں اور ملبوں کو سڑک کی تعمیر کے لیے لانے کی انہیں اجازت دے دی۔

ایک دن وہ اور اس کا اثری Archaeologist دوست دولی اپنے چھوٹے سے گھر میں بیٹھے تھے کہ ان کا دیسی ملازم گھبرایا ہوا آیا اور کہنے لگا۔

سرکار! پولیس آپ کو پکڑنا چاہتی ہے۔

ترکی پولیس کا لحیم شحیم سپاہی بڑے طمطراق اور پورے اقتدار کے ساتھ اندر آ پہنچا اور لارنس کے قریب پہنچ کر کہنے لگا۔

قیمتی پتھروں کے چرانے کے جرم میں تم حراست میں ہو تم نے وہ پتھر جرمنوں کو تیس ترکی پونڈ میں بیچے ہیں۔

لارنس ہنسنے لگا اور پوچھا چرائے ہیں؟ کیا فضول بکتے ہو یہ پتھر تو صرف ملبے تھے جو میں نے جرمنوں کو سڑک کی تعمیر کے لیے دے ڈالے۔

پولیس کے سپاہی نے کہا۔ اس سے تمہارے جرم کی نوعیت نہیں بدلتی تم کو میرے ساتھ آنا پڑے گا۔ لارنس کو اس نے گرفتار کرلیا۔ دولی راستہ بھر احتجاج کرتا ان دونوں کے ساتھ ہولیا لارنس اب بھی ہنس رہا تھا کیونکہ یہ بات اسے مضحکہ خیز معلوم ہوئی۔ عدالت پہنچنے پر معلوم ہوا کہ یہ محض مذاق نہ تھا۔ کمرہ عدالت لوگوں سے بھرا ہوا تھا اور ایک سرخ رو غصیلا مجسٹریٹ اسی مقدمہ پر کارروائی کرنے کا منتظر تھا۔

فرد جرم پھر سنائی گئی اور جب اس کا ثبوت پیش کیا گیا تو لارنس اور اس کا دوست سمجھ گئے کہ ترک اپنا لفظ لفظ منوانا چاہتے ہیں۔

اغلب تھا کہ لارنس کو جیل خانے بھیج دیا جائے۔ عدالت میں لارنس اور اس کا دوست بحث کرتے رہے لیکن یہ سب بیکار ثابت ہوا۔ لیکن خوش نصیبی سے صفائی پیش کرنے کے لیے انہیں ایک ہفتہ کی مہلت مل گئی۔

دولی نے خالص دفتری زبان میں ان پتھروں کی حقیقت حال لکھی اس نے اس کو بہت ہی معمولی بات سمجھا۔ لیکن دوسرے ہی ہفتہ لارنس دو سپاہیوں کی حراست میں لے جایا گیا اور اسے دوبارہ

عدالت کے کٹہرے میں کھڑا کر دیا گیا۔

مجسٹریٹ نے یادداشتیں لے کر رکھ لیں۔ دولی اصرار کرتا رہا کہ یہ یادداشتیں اسے واپس مل جانی چاہئیں۔ لیکن مجلس عدالت جب دوپہر کے کھانے کے لیے ملتوی ہوئی تو بوڑھا مجسٹریٹ ترک ان یادداشتوں کو اپنے ساتھ ہی لیتا گیا۔

دولی کو یہاں لارنس سے بات کرنے کا موقع ملا اب انہیں یقین ہو گیا کہ مجسٹریٹ اسے جیل خانہ بھجوا دینے پر تلا ہوا ہے۔ دولی کو کاغذات واپس مل جانے چاہیے تھے لیکن نہیں ملے اس لیے اب ان دونوں کو دھاندلی کی سوجھی۔ ترکی میں جیل خانے بڑے گندے غیر صحت بخش اور کیڑے مکوڑوں سے بھرے ہوئے مقام ہوتے ہیں اور جو لوگ ان میں ٹھونس دیئے جائیں ان کی زندگی ہولناک ہو جاتی ہے۔

عدالت کا اجلاس پھر شروع ہوا۔ کمرہ عدالت میں جو ترک موجود تھے ان کے چہروں پر خوشی کے آثار نمایاں تھے۔ لارنس کے سزایاب ہونے کا انہیں پورا یقین تھا اس بات کو دونوں دوست بآسانی سمجھ سکتے تھے۔ کٹھرے میں کھڑے کھڑے دولی نے لارنس پر ایک نگاہ ڈالی اس نے سر ہلا دیا۔ یہ گویا اشارہ تھا۔

پستول نکالتے ہوئے دولی نے ڈپٹ کر کہا ''اٹھاؤ ہاتھ۔''

پستول کا رخ مجسٹریٹ کی طرف پھیرتے ہوئے اس نے پھر کہا ''حرکت نہ ہو ورنہ اڑ ہی جاؤ گے۔'' ترک مجسٹریٹ خوب سمجھا ہوا تھا کہ پستول چھوٹ جائے تو نشانہ کبھی خطا نہیں کر سکتا۔

کمرۂ عدالت میں ہر شخص نے ہاتھ اوپر اٹھا لئے۔ برافروختہ انگریز (دولی) کی للکار نے سب کو کافی بدحواس کر دیا تھا۔ دولی اپنا پستول ہر طرف گھما رہا تھا جس سے معلوم ہوتا تھا کہ ان میں سے ہر ایک بیک وقت اس کا نشانہ بن سکتا ہے۔

دولی کا للکارنا ہی تھا کہ لارنس کٹھرے سے باہر کودا اور عدالت کے عقب میں مجسٹریٹ کے کمرہ میں سے ہوتا ہوا بھاگا۔ کسی کو خیال تک نہ آیا کہ لارنس کر کیا رہا ہے سب کی نگاہیں دولی اور اس

کے پستول پر لگی ہوئی تھیں۔

لوگوں کی بھیڑ میں سے بھاگتے ہوئے لارنس ہنستا جاتا تھا۔ یہ بات ایک معرکہ سے مشابہ معلوم ہوتی تھی۔ چوروں کی اس جماعت پر لارنس اور دولی یہ ثابت کر دینا چاہتے تھے کہ کسی انگریز پر اس قسم کی کارروائی سے وہ عہدہ برآ نہیں ہو سکتے۔

چند ہی لمحوں بعد وہ ہاتھ میں کاغذات ہلاتے ہوئے پھر آن موجود ہوا اور کہا

''یہ ہیں میرے پاس کاغذات۔''

دولی نے اس کو دروازہ کے قریب آنے کا اشارہ کیا اور خود بھی اس سے وہاں جا ملا کسی کو ہمت نہ ہوئی کہ کمرۂ عدالت سے انہیں برآمد میں نکلنے سے روک لے۔

قدآور دولی دھمکی کے طور پر پستول ہر طرف گھما رہا تھا وہ کافی خطرناک معلوم ہوتا تھا اور اس کا پستہ قد دوست بھی لڑائی کے لیے تیار تھا لیکن ترک بالکل خاموش تھے۔

دونوں دوست گلیارے کی طرف واپس ہوئے۔ مرعوب و مجبور ترک غضب ناک ہو ہو کر مجرم کو اپنے کیمپ کی طرف آزاد انسان کی حیثیت سے جاتا ہوا دیکھ رہے تھے۔

اس قضیہ کے متعلق پھر کوئی خبر نہیں ملی بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ انہیں یقین ہو گیا ہوگا کہ یہ انگریز نژاد نوجوان صرف مٹی کھودنے ہی کے اہل نہ تھے بلکہ سپاہی بھی تھے۔

1913ء میں میجر یونگ (جواب میجر سر ہربرٹ یونگ کے سی ایم جی ڈی ایس او۔ گورنر شمالی رڈیشا ہیں) ان کھنڈروں کے معائنہ کے لیے آئے گرمیوں میں کام بند کر دیا گیا تھا البتہ ایک خاموش پستہ قد نوجوان انہیں ملا جو اکیلا یہاں رہتا تھا۔ اس کا نام لارنس تھا۔

لارنس نے میجر اور ان کے دوست کو پہاڑی کی سیر کرائی۔ اس نے جو تفصیل کہنی شروع کی تو میجر اور ان کے دوست اتنے منہمک ہو گئے کہ ریل کا وقت گزر گیا۔ دن بھر میں یہی ایک ریل تھی جو انہیں مل سکتی تھی۔ لارنس نے ان کے رات بسر کرنے کا انتظام کیا۔ دوسرے دن میجر یونگ کا دوست تو روانہ ہو گیا لیکن خود میجر کئی دنوں تک ٹھہرے رہے۔

کھانا ان برتنوں میں اور پیالیوں میں پیش کیا جاتا جو صدیوں تک زمین میں دفن رہ چکے تھے۔میجر یونگ کو یہ جان کر بڑی خوشی ہوئی کہ جن پیالیوں میں وہ قہوہ پی رہے ہیں انہیں تقریباً چار ہزار سال پیشتر ہٹیوں نے برتا تھا۔

ایک دفعہ میجر، لارنس کے ہمراہ قریب دیہات میں گئے۔انہوں نے فوراً معلوم کرلیا کہ ان کا دوست دیسی باشندوں میں کتنا گھل مل گیا ہے۔گاؤں والوں نے اس کو خوش آمدید کہا لارنس ان کے ساتھ زمین پر بیٹھ گیا اور اس بے تکلفی اور صفائی سے بات چیت کرتا رہا کہ اس کو انگریز سمجھنا دشوار ہو گیا وہ یہیں اس کا متوطن جان پڑتا تھا۔

میجر یہ دیکھ کر سخت متحیر ہوئے لارنس اثریات سے انتہائی شغف رکھنے کے باوجود ظریف الطبع بھی تھا۔

لارنس کا ایک بھائی بھی اس سے ملنے کے لیے آ گیا تھا۔اور اس صحبت میں شریک تھا گفتگو جرمنوں کے متعلق ہو رہی تھی۔

اس وقت میجر کو لارنس کے ہونٹوں پر ایک مسکراہٹ یا ہنسی کھیلتی نظر آئی میجر نے پوچھا۔" ہنس کیوں رہے ہو؟۔"

صرف اس لیے کہ میں نے کچھ ہی دیر پہلے جرمنوں کو کافی بے وقوف بنایا ہے۔"

"بے وقوف بنایا ہے۔"

پوری طرح ہنستے ہوئے لارنس نے جواب دیا۔" جی ہاں۔ بے وقوف بنایا ہے دیسی باشندوں کے ساتھ ان کا برتاؤ دیکھ کر مجھے تکلیف ہوتی تھی۔اس لیے میں نے ان کی سرزنش کرنی چاہی۔

میجر کا رخ دوسری سمت پھیر کر اس نے ایک ٹیلہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"اس کو تو دیکھتے ہونا۔"

میجر نے سر ہلایا۔

کل شام کولوہے کے پائپ گھسیٹتے ہوئے ٹیلہ پر لے گیااوراوپر سے ان کواس طرح دھکیل دیا
کہ ان کے سرے جرمنوں کی زیرتعمیر سڑک اور پل کی طرف نشانہ کئے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔

''پھر کیا ہوا۔''

لارنس پھر ہنسااور کہنے لگا۔

میں قسم تو نہیں کھا سکتا کہ اس کا لفظ لفظ صحیح ہے۔البتہ میں نے سنا ہے کہ جب انہوں نے ان
دھندلکے میں ان پائپوں کو وہاں جما ہوا پایا تو فوراً انہیں میرا خیال آ گیا۔تم جانتے ہو کہ میں ان کی نظر
میں جاسوس ہوں۔

انہوں نے ان پائپوں کو بندوق سمجھ لیا اور دہشت اور غصہ سے بدحواس ہو کر لگے برلن کو
تاریں دوڑانے۔

خوشی کی مسکراہٹ سے لارنس کے چہرہ پر شکن پڑ گئے۔

میجر نے مشکل سے یقین کرتے ہوئے لارنس کی طرف دیکھا اور کہا۔

''میں نہیں سمجھا۔''

جی ہاں انہوں نے یہی کیا۔انہوں نے تار بھجوائے کہ اس دیوانہ انگریز ---یہاں لارنس
ہنسی کو ضبط نہ کر سکا۔۔۔۔۔نے ہماری زیرتعمیر سڑک پر بندوقیں چڑھا رکھی ہیں جس سے سڑک اور ندی
کا پل دونوں خطرہ میں ہیں۔

میجر یونگ کو اس نوجوان انگریز کے سمجھنے کا یہاں خوب موقع ملا۔وہ اول ہی سے انہیں اپنا
گرویدہ بنا چکا تھا۔۔انہیں وہ عجیب ''مجموعہ اضداد'' نظر آتا تھا۔

وہ سارا وقت ہتی کے قدیم کتبوں کی عبارتیں سلجھانے میں صرف کرتا تفصیلات کو نقل کرنے کا
بڑا اہتمام کرتا اور بڑی احتیاط برتتا۔

فرصت کے اوقات میں وہ کیمپ سے بہت دور نکل جاتا۔کوئی پرانا بوتل یا ٹن نصب کر کے
ماسر کے بڑے پستول سے چاند ماری کرتا۔میجر یونگ سے بھی دو ایک دفعہ نشانہ بازی کا مقابلہ ہوا۔مگر

لارنس نے اس پیشہ ور سپاہی کو ہر دفعہ شکست دی۔

میجر یونگ نے لکھا ہے کہ "لارنس بہترین نشانہ باز تھا۔"

جب وہ ہر کام سے فارغ ہوتا اور نشانہ بازی کی مشق بھی نہ کرتا ہوتا تو عموماً پڑھتا رہتا اور اگر وہ پڑھتا ہوا بھی نہ ملے تو اس کا کہیں بھی ملنا ممکن نہیں۔ وہ صحرا میں اپنے کسی پراسرار سفر پر روانہ ہو گیا ہوتا جس کے متعلق وہ کہتا تو بہت کم، لیکن سوچتا بہت زیادہ۔

امریکی یونیورسٹیوں کے طالب علم تعطیلوں میں ان کھنڈروں کو دیکھنے آتے۔ لیکن Carchermish پہنچتے ہی اچنبے میں رہ جاتے ان طالب علموں میں سے ایک نے تو بڑی راست گوئی سے کام لیا۔ اس نے اپنے گھر کو لکھا کہ "مجھے توقع تھی کہ یہاں سفید بالوں والے خمیدہ قامت بڈھے عالم نظر آئیں گے۔" لیکن اسے یہاں بالکل نوعمر دوجوان نظر آئے۔

لارنس ہمیشہ ٹینس کی قمیض نکر اور آکسفورڈ کا رنگین کوٹ پہنا رہتا جس کی جیب پر Magdelen کا تمغہ آویزاں ہوتا یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ زندگی بھر دھوپ کی تمازت کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا وہ ہمیشہ مطمئن اور پرسکون ہی نظر آیا۔

چھوٹے چھوٹے بستر جن پر ملاقاتی طالب علم سویا کرتے تھے ان نایاب کمبلوں سے ڈھکے ہوئے تھے جنہیں لارنس بعض دور افتادہ دیہاتوں سے لے آیا تھا وہ عجیب طور پر بعض کونوں میں لٹکا دیئے گئے تھے۔ لارنس خوب جانتا تھا کہ یہ صدیوں کی رنگین تاریخ کے خاموش گواہ ہیں۔

وہ شام کے وقت اپنے کیمپ سے نکل جاتا۔ دوسرے دن یا دو تین دن کی آوارہ گردی کے بعد بعض قدیم یادگار چیزیں لے کر واپس آ جاتا۔

ان دور افتادہ پہاڑوں اور وادیوں کے دیہاتی اس خاموش نیلی آنکھوں والے "بے دین" کے متعلق حیرت سے سرگوشیاں کرنے لگتے جو بلا خوف وخطر ان کے درمیان گھوما کرتا تھا۔ جو اپنے دور دراز ملک کے قصے بیان کرتا اور اس کے معاوضہ میں ان کی گپ شپ سنتا۔

ان لوگوں کے پاس نہ تو اخبار تھے اور نہ ہی کتابیں۔ ان میں سے معدودے چند ہی لکھ پڑھ

سکتے تھے۔ لیکن مشرق کا قصہ گو زندہ اخبار کا کام دیتا تھا وہ گاؤں گاؤں اور قصبہ قصبہ خبریں پھیلاتا پھرتا تھا۔ قصہ گو آتا اور گاؤں کی چادڑی یا کسی جھاڑی کے ٹھنڈے سایہ میں بیٹھ جاتا اور جب چھوٹے بڑے سب اس کے گرد جمع ہو جاتے تو اپنے ہموار لہجہ میں اس عظیم الشان دنیا کے حالات سنتا جہاں سے وہ چلا آ رہا ہے۔ بعض قصے صحیح ہوتے بعض وہ ہوتے جنہیں وہ راستہ چلتے وقت گھڑ لیتا۔

اور اگر وہ کہانیاں سننا چاہتے تو اس میں بھی وہ طاق تھا۔

دوپہر کی دھوپ میں جب مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز میں، یہ اور اسی سے ملتے جلتے قصے بیان ہوتے جن میں ماضی، حال اور مستقبل کے حالات پر گفتگو ہوتی تو لارنس انہیں سنا کرتا اور بعض اوقات جب کہ آگ کا الاؤ لگا ہوتا وہ تاروں بھرے آسمان کے نیچے بیٹھا اپنے نئے دوستوں کو یہ بتانے کی کوشش کرتا کہ انگلستان کیسا ملک ہے۔

وہ ان جہازوں کا حال بتاتا جو سمندر میں سفر کرتے ہیں۔ اس مقام کی بابت بھی کہتا جس کا نام ''لنڈرا'' ہے وہ اس عظیم الشان شہر کا حال سننے سے کبھی نہ اکتاتے جہاں کے باشندوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انہوں نے نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔ حتیٰ کہ عظیم الشان عرب بادشاہوں کے عہد میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔

وہ کہتے کہ لارنس کو سچ مانیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ''لنڈرا'' میں لوگ زمین سے بہت اوپر رہتے ہیں ''سطح زمین پر رہتے ہیں اور زمین کے نیچے رہتے ہیں''۔

وہ جانتے تھے کہ مغرب کی سمت میں، بہت دور ایک لوہے کی سڑک ہے جس پر لوہے کے بھوت لکڑی کے ڈبوں کو کھینچتے ہوئے بھاگتے رہتے ہیں لیکن یہ ''انگلسی'' تو کہتا ہے کہ یہ لوہے کی سڑکیں زمین کے پیٹ میں بھی جا پہنچی ہیں جہاں سے لوگوں کو سورج کے دیکھنے کے لیے کئی قدم آگے بڑھ آنا پڑتا ہے۔۔ اللہ! اللہ۔۔۔۔ وہ حیرت زدہ ہو کر سرگوشی کرنے لگتے۔

لارنس کہتا۔ ''اور وہاں کی گلیاں اتنی لمبی لمبی ہیں کہ تم ایک سرے سے دوسرا سرا نہیں دیکھ سکتے۔ اس پر سننے والوں کا حلقہ حیرت زدہ ہو کر بھنبھنا اٹھتا۔

ابتدائی ایام میں لارنس کی زندگی کا یہ نقشہ تھا۔ وہ اگر کھدائیوں میں نہ مصروف ہوتا تو عموماً دیہاتی علاقوں کی گشت لگایا کرتا ہر دفعہ اس سرزمین کے متعلق اس کی معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا جس کا وجود خود ایک معمہ تھا۔

وہ کبھی کبھی چٹانوں والی وادی کے اندر یا باہر کے تنگ اور ٹیڑھے میڑھے راستہ پر چل پڑتا۔ کبھی اس راستہ پر جا نکلتا جس پر پہاڑی دامن میں بنے ہوئے رومیوں کے قلعہ یا کسی زمانہ میں مسیحی مجاہدوں کے بڑے قلعے کی دیواروں کی تلاش میں برسوں آمدورفت رہی ہوگی۔

صحرا میں طویل طویل سفر دہ ساربانوں کے ساتھ طے کرتا۔ یا خود اس کے دماغ میں ایک متحرک کاروان پیدا ہو جاتا جب وہ عالم تخیل میں بخور اور لوبان والے قدیم زمانوں کو دیکھنے لگتا۔ وہ دن جب کہ دمشق اور حلب کے بازاروں میں خوشبودار لباس اور قیمتی جواہرات کے کاروان کیتھے Cathay کے دور دراز ملک اور ہندوستان کے مندروں اور محلات سے آ آ کر بکا کرتے ہوں گے۔

سینکڑوں سال قبل ایک عظیم الشان قوم اس ملک میں آباد رہ چکی ہے۔ اب اس کی یادگار صرف قصے کہانیاں رہ گئی ہیں یا چند چٹانیں۔ وحشیوں نے روم کی تھکی ہوئی حکومت کا صفایا کر دیا تھا اور چند صدیوں تک فرقے اور قبیلے شہر بشہر آوارہ گردی کرتے رہے۔ وہ ان کھنڈروں کی جو روم کی گذشتہ عظمت کی یادگار تھے تعمیر کر رہے تھے کہ ان سے طاقتور قبیلوں نے انہیں بھی مار بھگایا۔

پھر ایک یتیم نے جس کا نام محمدؐ تھا ایک نئے دین کی تلقین کی۔ نویں صدی عیسوی تک اس کے پیروکار قرآن (عربی بائبل) کے اثر سے اس وقت کی معلوم سرزمین یعنی کیتھے (Cathay) کی دور دراز پھیلی ہوئی فوجی چوکیوں سے لے کر اسپین تک پھیل گئے۔ عربوں نے سلطنتیں قائم کیں۔ ہیئت۔ طب اور ریاضی میں وہ یکتائے روزگار تھے۔ مقناطیسی سوئی سینکڑوں سال قبل انہیں نے ایجاد کی۔ وہ بہترین جہازراں تھے۔ اس وقت کے عرب کئی چیزوں سے واقف تھے جن کو دنیا بعد میں صدیوں تک بھولی رہی۔ اب بھی اس زمانہ میں ان کے مدفون شہروں کی کھدائی میں کوئی ایسی بیش بہا چیز ہاتھ لگ جاتی ہے جس کے رنگ کی خوبصورتی اور وضع کی درستی ہماری فہم سے بالاتر ہوتی ہے۔

سکتے تھے۔لیکن مشرق کا قصہ گو زندہ اخبار کا کام دیتا تھا وہ گاؤں گاؤں اور قصبہ قصبہ خبریں پھیلاتا پھرتا تھا۔قصہ گو آتا اور گاؤں کی چادڑی یا کسی جھاڑی کے ٹھنڈے سایہ میں بیٹھ جاتا اور جب چھوٹے بڑے سب اس کے گرد جمع ہو جاتے تو اپنے ہموار لہجہ میں اس عظیم الشان دنیا کے حالات سناتا جہاں سے وہ چلا آ رہا ہے۔بعض قصے صحیح ہوتے بعض وہ ہوتے جنہیں وہ راستہ چلتے وقت گھڑ لیتا۔

اور اگر وہ کہانیاں سننا چاہتے تو اس میں بھی وہ طاق تھا۔

دوپہر کی دھوپ میں جب مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز میں' یہ اور اسی سے ملتے جلتے قصے بیان ہوتے جن میں ماضی' حال اور مستقبل کے حالات پر گفتگو ہوتی تو لارنس انہیں سنا کرتا اور بعض اوقات جب کہ آگ کا الاؤ لگا ہوتا وہ تاروں بھرے آسمان کے نیچے بیٹھا اپنے نئے دوستوں کو یہ بتانے کی کوشش کرتا کہ انگلستان کیسا ملک ہے۔

وہ ان جہازوں کا حال بتاتا جو سمندر میں سفر کرتے ہیں۔اس مقام کی بابت بھی کہتا جس کا نام ''لنڈرا'' ہے وہ اس عظیم الشان شہر کا حال سننے سے کبھی نہ اکتاتے جہاں کے باشندوں کی تعداد اتنی زیادہ ہے کہ انہوں نے نہ کبھی دیکھا نہ سنا۔حتیٰ کہ عظیم الشان عرب بادشاہوں کے عہد میں بھی اس کی مثال نہیں ملتی۔

وہ کہتے کہ لارنس کو سچ مانیں تو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ ''لنڈرا'' میں لوگ زمین سے بہت اوپر رہتے ہیں'' سطح زمین پر رہتے ہیں اور زمین کے نیچے رہتے ہیں''۔

وہ جانتے تھے کہ مغرب کی سمت میں' بہت دور ایک لوہے کی سڑک ہے جس پر لوہے کے بھوت لکڑی کے ڈبوں کو کھینچتے ہوئے بھاگتے رہتے ہیں لیکن یہ ''انگلسی'' تو کہتا ہے کہ یہ لوہے کی سڑکیں زمین کے پیٹ میں بھی جا پہنچی ہیں جہاں سے لوگوں کو سورج کے دیکھنے کے لیے کئی قدم آگے بڑھ آنا پڑتا ہے۔۔اللہ! اللہ۔۔۔۔۔۔وہ حیرت زدہ ہو کر سرگوشی کرنے لگتے۔

لارنس کہتا۔''اور وہاں کی گلیاں اتنی لمبی لمبی ہیں کہ تم ایک سرے سے دوسرا سرا انہیں دیکھ سکتے۔اس پر سننے والوں کا حلقہ حیرت زدہ ہو کر بھنبھنا اٹھتا۔

ابتدائی ایام میں لارنس کی زندگی کا یہ نقشہ تھا۔ وہ اگر کھدائیوں میں نہ مصروف ہوتا تو عموماً دیہاتی علاقوں کی گشت لگایا کرتا ہر دفعہ اس سرزمین کے متعلق اس کی معلومات میں کچھ نہ کچھ اضافہ ہوتا جس کا وجود خود ایک معمہ تھا۔

وہ کبھی کبھی چٹانوں والی وادی کے اندر یا باہر کے تنگ اور ٹیڑھے میڑھے راستہ پر چل پڑتا۔ کبھی اس راستہ پر جا نکلتا جس پر پہاڑی دامن میں بنے ہوئے رومیوں کے قلعہ یا کسی زمانہ میں مسیحی مجاہدوں کے بڑے قلعے کی دیواروں کی تلاش میں برسوں آمدورفت رہی ہوگی۔

صحرا میں طویل طویل سفر دہ ساربانوں کے ساتھ طے کرتا۔ یا خود اس کے دماغ میں ایک متحرک کاروان پیدا ہو جاتا جب وہ عالم تخئیل میں بخور اور لوبان والے قدیم زمانوں کو دیکھنے لگتا۔ وہ دن جب کہ دمشق اور حلب کے بازاروں میں خوشبودار لباس اور قیمتی جواہرات کے کاروان کیتھے Cathay کے دور دراز ملک اور ہندوستان کے مندروں اور محلات سے آ آ کر بکا کرتے ہوں گے۔

سینکڑوں سال قبل ایک عظیم الشان قوم اس ملک میں آباد رہ چکی ہے۔ اب اس کی یادگار صرف قصے کہانیاں رہ گئی ہیں یا چند چٹانیں۔ وحشیوں نے روم کی تھکی ہوئی حکومت کا صفایا کر دیا تھا اور چند صدیوں تک فرقے اور قبیلے شہر بشہر آوارہ گردی کرتے رہے۔ وہ ان کھنڈروں کی جو روم کی گذشتہ عظمت کی یادگار تھے تعمیر کر رہی رہے تھے کہ ان سے طاقتور قبیلوں نے انہیں بھی مار بھگایا۔

پھر ایک یتیم نے جس کا نام محمدؐ تھا ایک نئے دین کی تلقین کی۔ نویں صدی عیسوی تک اس کے پیرو کار قرآن (عربی بائبل) کے اثر سے اس وقت کی معلوم سرزمین یعنی کیتھے (Cathay) کی دور دراز پھیلی ہوئی فوجی چوکیوں سے لے کر اسپین تک پھیل گئے۔ عربوں نے سلطنتیں قائم کیں۔ ہئیت ۔ طب اور ریاضی میں وہ یکتائے روزگار تھے۔ مقناطیسی سوئی سینکڑوں سال قبل انہیں نے ایجاد کی۔ وہ بہترین جہازراں تھے۔ اس وقت کے عرب کئی چیزوں سے واقف تھے جن کو دنیا بعد میں صدیوں تک بھولی رہی۔ اب بھی اس زمانہ میں ان کے مدفون شہروں کی کھدائی میں کوئی ایسی بیش بہا چیز ہاتھ لگ جاتی ہے۔ جس کے رنگ کی خوبصورتی اور وضع کی درستی ہماری فہم سے بالاتر ہوتی ہے۔

جنگ عظیم کے پیشتر کے چار برسوں میں لارنس نے ان قدیم سلطنتوں کے طول وعرض کا دورہ نہیں کیا یا نہ کر سکا۔لیکن وہ وہاں ضرور ر گیا جس کو اس سرزمین کے تمدن کا گہوارہ کہنا چاہیے یہاں کے کھنڈروں اور مقبروں میں مدفون نوادر اور چٹانوں کے کتبوں میں ۔۔۔۔جس کو عہد قدیم کی مشقی تختیاں کہنا چاہیے۔۔۔۔اس نے حیرت انگیز ماضی کی کہانی پڑھی۔

مسیحی مجاہدوں کے قلعوں میں اس نے عیسائیت کی پرقوت پیش قدمی اور اسلام کے مقابلہ میں طویل معرکوں کے بعد اس کی پسپائی مشاہدہ کی ۔وہ فلسطین سے شام گیا اور اس ملک میں سے گزرتا ہوا اس مقام پر جا پہنچا جہاں انگلستان اور یورپ کے سردار اور دیہاتی اپنے مقدس شہر یروشلم کے لیے کئی دفعہ لڑ چکے تھے۔اس نے ان سڑکوں پر سفر کیا جن پر موٹریں حال میں چلنے لگی تھیں اور ان راستوں پر بھی جو سینا اور شام کے ریگستانوں کو قطع کرتے ہوئے گزرتے ہیں اور جن پر اونٹوں کے بے شمار کاروانوں کی آمدورفت نے ہمیشہ بدلتے ہوئے صحرا میں بھی ایک مستقل راستہ بنا دیا تھا۔ان پگڈنڈیوں پر بھی اس کے قدم پہنچے جن کو صرف عرب کا قصہ گو ہی جان سکتا تھا۔اس ملک کے ان سوکھے ساکھے بے آب وگیاہ' جان لیوا اور بظاہر نا قابل گزر معلوم ہونے والے علاقوں میں جو آڑے ترچھے آتش فشانوں سے مشابہ تھے یہ پگڈنڈیاں صرف قریب کے راستوں کا کام دیتیں اور وہ بھی صرف اسی شخص کے لیے جس میں ہمت شجاعت اور قوت ہو۔

لوگوں کی زبان پر ترکوں کے ظلم وتعدی کے قصے تھے۔پانچ سو سال تک ترکوں کی حکومت نے عربوں کا برا حال کر دیا تھا وہ چپکے چپکے بیان کرتے اس لیے کہ کوئی سن پاتا تو شکایت کرنے والے کو قید اور بعض دفعہ جسمانی تعذیب حتیٰ کہ موت تک کی سزا ملتی۔

عربوں کی عظیم الشان سلطنت بری طرح منتشر ہو چکی تھی۔

ہر قبیلہ کی وفا شعاری کا مرکز جداگانہ تھا۔ایک ہی قوم کے افراد ہونے کے باوجود وہ ایک دوسرے سے نفرت کرتے تھے۔ وہ علانیہ رائفل اور چھرے سے لڑتے اور ایک دوسرے کے کاروانوں پر چھاپے مار کر اونٹوں اور غلاموں کو لے جاتے۔ پہاڑ پر رہنے والے رات کے وقت

میدانوں میں اتر آتے اور جب سورج نکلتا تو تباہی اور لوٹ اور حملہ آوروں کے گزر جانے کا منظر پیش نظر ہوتا۔

وہ ایک دوسرے کے جانی دشمن تھے۔ان میں ہر ایک اپنے دشمن کو مار ڈالنے کا حلف اٹھا چکا تھا۔البتہ شمال سے جنوب اور مشرق سے مغرب تک دوارادے یا تصور کا فرما نظر آتے تھے وہ اپنی گزشتہ سلطنت کے خواب دیکھنے لگے تھے اور خود کو ترکوں کی قابل نفرت غلامی سے آزاد کرالینا چاہتے تھے۔

لارنس کوئی متمول آدمی تو نہ تھا۔اس نے اپنی ابتدائی زندگی کے کئی سال مشرق قریب میں غریب لیکن خوددار عربوں کے درمیان گزارے وہ ان کی آزادی کی خواہش سے بہت متاثر ہوا اور جب ان کو اچھی طرح پہچان گیا تو ان پر اعتماد کرنے لگا۔

کئی سیاح گزرے ہیں جنہوں نے عربوں کا بھیس بدل کر ریگستانوں کو طے کر ڈالا ہے حتیٰ کہ مقدس شہر مکہ میں بھی جا داخل ہوئے۔

لارنس پستہ قد تھا داڑھی مونچھ دونوں صاف کرتا اس کے بال سنہری تھے اور آنکھیں نیلی اس کا جسم دھوپ سے گندمی ہونے کے بجائے اینٹ کی طرح سرخ ہو جاتا۔اس طرح وہ عربوں کی بالکل ضد تھا جہاں کہیں اجنبی کی حیثیت سے جاتا فوراً پہچان لیا جاتا وہ ایسا تھا جس کو دیکھ کر عموماً عربوں کے دل میں نفرت ہی نہیں بلکہ اس پر حملہ کرنے لوٹ لینے حتیٰ کہ مار ڈالنے کا خیال پیدا ہو سکتا تھا لیکن وہ ان کی مصیبتوں میں اعلانیہ طور پر ان سے ہمدردی کا اظہار کرتا وہ ان کے ارادوں اور خواہشوں سے اتنا قریب تھا اور ان کے خوابوں پر ایسا یقین واثق رکھتا تھا کہ انہوں نے اس کو اپنے دل میں جگہ دی اور اس کو اپنا مخلص سمجھا۔

یہ تو اس کی سیرت کا ظاہری پہلو تھا لیکن اس کا ایک خاص پہلو اور بھی تھا وہ عسکریت کی تاریخ سے واقف تھا اور فوجی معرکوں اور صلیبی لڑائیوں کا گہرا مطالعہ کر چکا تھا اس علم اور واقفیت نے اس کی فطرت کے جاں بازانہ حوصلہ سے ہم آہنگ ہو کر جو سیاحوں اور سپاہیوں سے سلسلہ بسلسلہ اس کو ورثہ میں ملا تھا اس میں یہ صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ صدیوں پہلے کی زندگی کا تصور کر سکتا تھا۔

گزشتہ کی عظمتوں اور حال کی تباہیوں نے اس عجیب اور محیر العقول ملک سے مزید واقف ہونے کی آرزو اس میں پیدا کر دی تھی۔

اس کے تمام تصورات محض خواب ہی خواب نہ ہوتے۔ انگلستان واپس آ کر اس نے مبسوط کتابیں لکھیں جن میں اپنے دیکھے ہوئے مقاموں اور چٹانوں اور ریت میں دبے ہوئے قدیم شہروں کی تفصیل نہایت خوبی سے بیان کی۔

پرانے ماہروں اور برسوں کا تجربہ رکھنے والوں نے ان روداددوں میں ایک عجیب وغریب دل ودماغ کی شہادت پائی اور وہ ذہن جو اس ملک اور اس کی تاریخ سے واقف تھے لارنس کو غیر معمولی ذہین شخص سمجھنے لگے۔ ایک بڑے آدمی نے دوسرے سے کہا۔" ایک غیر معمولی لڑکا۔۔۔۔۔عربوں کے درمیان بھٹکتے رہنے کے لیے وقف ہو چکا ہے"۔

1913ء میں لارنس نے دو عرب فورمین اپنے ساتھ لے لئے جس کے سبب آکسفورڈ میں گپ بازی کا خوب بازار گرم رہا۔

عرب اس کے باغ پائین والی جھونپڑی میں رہتے تھے۔ یہ جھونپڑی اس نے اپنے مطالعہ کے کمرہ کے طور پر بنائی تھی۔ نیز اس لیے بھی کہ اپنے چھوٹے بھائیوں کی پرشور مداخلت سے یہاں سکون مل سکے۔ ان عربوں کے مختصر زمانہ قیام میں لارنس نے انہیں سائیکل کی سواری سکھلائی۔ لیکن عربوں کی تمام تر توجہ اس امر پر رہتی کہ انتہائی تیز رفتاری کے اصول سمجھ میں آ جائیں۔

جنگ عظیم سے پہلے ٹریفک کوئی زیادہ نہ تھی۔ پھر بھی یہ نسبتاً نئی سواری عام رہروں کے لیے کچھ پریشان کن ہی تھی۔ لارنس عربوں کو لے کر بہت کم باہر نکلتا۔ عرب اپنی لمبی چوڑی عباء میں ملبوس ہوتے جس پر لوگوں کو ان کے عورت ہونے کا گمان گزرتا۔ ان میں ایک عرب کے چہرہ پر داڑھی تھی جس کے متعلق لوگ اس کے سوا کچھ نہ سمجھتے ہوں گے یہ بھی سرکس کی مشہور داڑھی والی عورتوں میں سے ایک ہے۔

عرب ایک دفعہ چڑیا گھر بھی گئے۔ بعض جانوروں کو تو وہ جانتے تھے۔ خود عربستان میں

چھوٹے چھوٹے سانپ بکثرت پائے جاتے ہیں لیکن اجگر کو دیکھ کر وہ بہت خوش ہوئے ان سے جب پوچھا گیا ہوگا کہ تم نے چڑیا گھر میں کیا دیکھا تو انہوں نے یقیناً یہی جواب دیا ہوگا کہ ہم نے ''مکانوں کے برابر لمبے سانپ دیکھے۔'' اور چونکہ تمام عرب قصہ گوئی میں بڑے استاد ہوتے ہیں۔ اس لیے اغلب ہے کہ اپنے ملک پہنچتے پہنچتے ان سانپوں کی لمبائی گلی کے برابر ہوگئی ہوگی۔

باب نمبر 3

1913'14ء کے جاڑوں میں حکومت مصر سینا کا فوجی نقشہ حاصل کرنے کے لیے بے چین تھی۔ کرنل نیوکامب اس کام پر مامور ہوئے۔ حکومت ترکیہ سے درخواست کی گئی کہ ملک کی پیمائش کی اجازت دے لیکن حکومت ترکیہ اپنے انکار پر جمی رہی۔

متعلقہ عہدہ دار سر جوڑ کر بیٹھے۔ انہوں نے ترکوں سے دوبارہ استمالیت کی کہ کیا وہ ملک کے آثار قدیمہ کی حد تک پیمائش کی اجازت دے سکتے ہیں؟

یہ اور بات ہے۔ ترک راضی ہو گئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں دولی اور لارنس نے سینا کے تقریباً چپہ چپہ زمین کی پیماش کر ڈالی۔ وہ ساتھ ہی قدیم کاروانوں کی گزرگاہوں اور کھنڈروں کو بھی دیکھتے جاتے تھے۔ کرنل نیوکامب ان کے ہمراہ تھے۔ تھوڑے ہی عرصہ میں تینوں نے اپنا کام ختم کر دیا اور ایک اثری نقشہ Archaeological Map لئے واپس لوٹے جو ماہرین کے نزدیک باضابطہ پیمائشی نقشہ کے عین مطابق تھا۔

ایک دفعہ تو عیار ترک دھوکہ کھا ہی گئے اور کرنل نیوکامب کو نقشہ تیار کرنے کے لیے وہ تمام مسالہ مل گیا جس کی حکومت مصر کو شدید ضرورت تھی۔

1914ء کی گرمیوں میں لارنس آکسفورڈ واپس آ گیا وہ شہر ہی میں تھا کہ جنگ کا اعلان ہو گیا۔ کچھ عرصہ کے لیے دفتر جنگ کے شعبہ نقشہ کشی میں اس کی خدمات مستقل طور پر حاصل کی جاتی رہیں کرنل نیوکامب کا نقشہ مصری فوج کے استعمال کے لیے تیار ہو رہا تھا لیکن کرنل فرانس میں خدمت پر مامور تھے۔ اس لیے دفتر جنگ میں تفصیلات کی وضاحت کے لیے لارنس کی طلبی ہر وقت ہوتی رہتی تھی۔

لارنس غیر فوجی لباس پہنا رہتا۔ کچھ ہی عرصہ بعد بعض عہدہ دار تعجب کرنے لگے کہ جب ہر ایک اپنی وردی میں ملبوس رہتا ہے تو آخر کیا وجہ ہے کہ یہ نوجوان دفتر جنگ میں کام کرنے کے باوجود شہریوں کے لباس میں ملبوس رہے۔ اس پوچھ گچھ کی بھنک شعبہ نقشہ کشی کے افسروں تک بھی جا پہنچی۔ انہوں نے خوش سلیقگی سے لارنس کو سمجھا دیا کہ وہ کم از کم کسی مانگے تانگے کے یونیفارم میں نقشہ خانہ آیا جایا کرے تا کہ یہ پوچھ گچھ بڑی حد تک ختم ہو جائے۔ لارنس نے یہی کیا اور آئندہ سیکنڈ لفٹینٹ کی حیثیت سے نظر آنے لگا۔

فوجی خدمت کے لیے اس کی موزونیت کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ان ہی ایام میں اس نے اپنے کسی بھائی کو لکھا ہے کہ اس کی جسمانی حالت کبھی اتنی اچھی نہیں رہی کہ وہ فوجی خدمت انجام دے سکے۔ بہر حال یہ امر مشتبہ ہی رہا جاتا ہے کہ اس نے کبھی اپنی رضا کارانہ خدمات پیش کی ہوں گی "ٹاپسی Topsy کی طرح وہ محض "اگ آیا تھا"

فوجی عہدہ داروں نے بہت جلد بھانپ لیا کہ کوئی عجوبہ روزگار ان پر مسلط کر دیا گیا ہے۔ وہ ان سپاہیوں سے بھی واقف تھے جو دفتروں میں کام کرتے ہیں لیکن یہ! یہ طالب علم تو سپاہی سے کوئی مشابہت ہی نہیں رکھتا حد ہوگئی کہ وردی پہن کر بھی وہ سپاہی نہ معلوم ہو سکا اگر وہ فوجی کوٹ پہنتا تو گلا ہمیشہ کھلا رہتا جیکٹ کی کسی نہ کسی جیب کی بندھن ڈھیلی رہتی۔ وہ سکنڈ لیفٹنٹ ہونے کی حیثیت سے مجاز تھا کہ ہر شانہ پر اکہرا تمغہ لگائے رہے۔ لیکن اس کو کبھی خیال بھی نہ آیا کہ وہ دونوں اپنی جگہ پر ہیں یا نہیں۔

بسا اوقات وہ سیم برآون کا بلٹ نہ لگاتا جس کا لگانا ہر افسر کے لیے ضروری ہے کئی چیزیں تھیں جو عہدہ داروں کو کرنی پڑتی تھیں لیکن لارنس کسی نہ کسی طرح ان کو ٹال جاتا تھا۔

اس کے بالا دست عہدہ دار اس سے بحث کرتے۔ حکم دیتے کہ یہ کرو اور وہ کرو۔ حتیٰ کہ افسروں کو اس کی غفلت کی خبر تک دیتے لیکن ان کا کوئی فعل اس کو بدل نہ سکا اپنے شعبہ میں اس کو اپنا کام کرنا ہوتا اور وہ اس کو پورا کرتا رہتا اور جہاں تک فوجی وردی کے پہننے کا تعلق تھا۔ وہ اس کو ایک دفعہ

پہن ہی تو چکا تھا۔اب اس سے کیا بحث کہ وہ اس کے جسم پر ہے یا نہیں۔

پیشہ ور فوجیوں کی نظر میں وہ یقیناً ان کے پیشہ کے لیے باعث توہین تھا۔ یہ بات بلا تامل وہ اس سے کہہ دیتے لیکن وہ بھی بلا تامل کہہ دیتا کہ ''میں فوج کو ناپسند کرتا ہوں۔''

دسمبر تک یوں ہی کام چلتا رہا۔ جوں جوں وقت گزرتا گیا لارنس سے ناپسندیدگی بڑھتی گئی وہ خود بھی فوج کی روح رواں یعنی ڈسپلن سے نفرت کرنے لگا۔ لیکن اس کے لیے صورت حال بدلتی رہی تھی۔ دفتر جنگ کی طرف سے کرنل نیوکامب فرانس سے انگلستان واپس بلائے گئے۔ مصر میں کمک درکار تھی ان عہدہ داروں کی بھی ضرورت تھی جو اس سے واقف ہوں اور وہاں کی زبان بول سکیں۔

کرنل کامب سے پوچھا گیا کہ وہ کن لوگوں کو اپنے ساتھ رکھیں گے۔ کرنل نے نام سوچ رکھے تھے جن میں قبل جنگ کے دو دوست یعنی دولی اور لارنس بھی شامل تھے۔

سال کے شروع ہوتے ہی لارنس قاہرہ پہنچ کر Intelligence Service کے شعبہ فوجی نقشہ کشی میں شریک ہو گیا۔ اب بھی جب کہ باضابطہ طور پر وہ کام پر مامور تھا اس نے اپنے طور طریقے نہیں بدلے ان لوگوں کے ماسوا جو اس کو اچھی طرح جانتے تھے محکمہ کے دوسرے عہدہ دار اس کو شبہ اور ناپسندیدگی کی نظر سے دیکھنے لگے اور ایک حیثیت سے تو اسے اپنی برادری سے خارج کر چکے تھے۔

لیکن لارنس بہت خوش تھا وہ نہ صرف اپنے جانے بوجھے ملک میں تھا بلکہ ان نقشوں پر کام کر رہا تھا جن کے خاکے خود اس نے ملک میں سفر کر کے تیار کئے تھے۔

آپ کو ان لوگوں سے کتنی ہمدردی ہی کیوں نہ ہو جو فوج کے کڑے طریقوں اور احکام کو ناپسند کرتے ہیں پھر بھی یہ ماننا ہی پڑے گا کہ فوجی کل صرف اسی وقت چل سکتی ہے جب تک کہ ڈسپلن قائم ہو اور جب تک ہر کام باضبطگی سے انجام پاتا رہے اکثر مواقع ایسے آتے ہیں کہ اس فوجی ضابطہ پرستی سے انحراف کیا جا سکتا ہے۔ (سخت اور جکڑے ہوئے آئین وقواعد کو ریڈ ٹیپ Red Tape کا نام دیا گیا ہے۔ اس لیے کہ تمام احکام، ہدایتیں اور اطلاعات لال رنگ کی ڈوری سے باندھ کر طبلق میں رکھے

جاتے ہیں۔)

لیکن فوجی دستورالعمل سے انحراف کی صورت میں کام میں تھوڑی بہت سہولت ممکن ہے پیدا ہو جائے لیکن اس سے سارا فوجی نظام درہم برہم ہو جائے گا۔

لارنس یہ تو سمجھ گیا۔ لیکن پھر بھی کسی ایسے کام میں وہ تاخیر نہیں کرنا چاہتا تھا جس کے متعلق اسے یقین ہو کہ وہ صحیح راستہ پر ہے مشکل یہ تھی کہ اس کی قابلیت اور اس کی نوعمری فوج کے دیرینہ نظام کے قلب ماہیت کے لیے ناکافی تھی۔

اگر نقشہ میں کوئی غلطی ہوتی تو اس کی رپورٹ لکھنی پڑتی اور غلطی کی نشاندہی کرتے ہوئے رپورٹ جانچ کے لیے بھجوا دی جاتی۔

یہ تحریر جب زینہ بزینہ عہدہ داروں کے پاس سے گزرتی تو اس میں ان کی لکھی ہوئی تحریریں بھی شامل ہو جاتیں تا آنکہ وہ افسر مجاز تک جا پہنچتی اور اسی راستہ سے پھر واپس ہوتی۔ ممکن ہے یہ عمل کسی نام میں ایک آدھ حرف کی کمی یا زیادتی کے لیے ہی ہو لیکن یہ طریق عمل فوجی آئین کا ایک اصول تھا جس سے انحراف ناممکن تھا برسوں سے یہی عمل درآمد چلا آ رہا تھا اور اب اس کو بدلنے کی کوئی وجہ نہ تھی ضابطہ آخر ضابطہ ہے۔

لیکن سکنڈ لفٹنٹ ٹامس ایڈورڈ لارنس کا خیال کچھ اور تھا۔ بعض نقشوں کے متعلق وہ جانتا تھا کہ وہ سرتاسر غلط ہیں اس لیے انہیں پرزے پرزے کر دیتا۔ دوسروں میں من مانی تبدیلیاں کرتا۔ نقشہ پر جن چیزوں کو مہمل سمجھتا وہاں حیران کر دینے والی یادداشتیں لکھ دیتا۔

اس سے کہا بھی گیا کہ وہ اس طریق عمل کا مجاز نہیں ہے لیکن وہ برابر یہی کرتا رہا۔ اس کے بالا دست جانتے تھے کہ یہ اس کا غلط طریق کار ہے لیکن بہت جلد وہ یہ بھی سمجھ گئے کہ لارنس محض دلگی کے طور پر یہ حرکتیں نہیں کر رہا ہے۔

اس کو اپنے ہر فعل پر اعتماد ہوتا وہ جانتا اور کہہ دیتا (مخاطب چاہے اسکے مساوی درجہ کا عہدہ دارہ ہو یا اونچے درجہ کا) کہ نقشہ کی ایک غلطی بھی لڑائی کے ہارے جانے کا موجب بن سکتی ہے اور

بالخصوص اس ملک میں جس کی ''تحقیقات'' وہ کرر ہے ہیں کسی غلطی کا ہرگز روادار نہ ہونا چاہئے اس لیے کہ ریگستانی ملک غلطیوں اور فروگزاشتوں کے باب میں بہت سخت گیر واقع ہوئے ہیں مثلاً کسی چشمہ کی جگہ کے تعین میں دس میل کا فرق زندگی اور موت کا فرق ہے ملک میں ادھر ادھر پھیلی ہوئی بیسیوں چھوٹی چھوٹی وادیوں میں سے کسی ایک کے نام کی غلطی بھی راہ بھٹک جانے کا موجب بن سکتی ہے۔

کسی متمدن ملک میں اس طرح راہ بھٹکنے میں کوئی مضائقہ نہیں کیونکہ بہت جلد کوئی نشان راہ ایسا مل جائے گا جو سیدھے راستہ پر لا ڈالے گا لیکن ریگستان میں راہ بھٹکنے سے تمہارا انجام بھی تم سے پیشتر لاکھوں ہلاک ہونے والوں کے ساتھ ہوگا اور سالہا سال بعد تمہاری سفید ہڈیاں کسی بھولے بھٹکے مسافر کو پڑی نظر آئیں گی۔

جی ہاں! لارنس جانتا تھا کہ اس ملک میں نقشہ پر غلط نشانات کے کیا معنی ہوتے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ لڑائیاں کس طرح جیتی اور ہاری جاتی ہیں۔ وہ نوعمر، بے سلیقہ اور انتہائی غیر فوجی قسم کا انسان تھا لیکن اس کا قلب دنیا کے بعض عظیم ترین جرنیلوں سے ٹکر کھاتا تھا۔

کپتان ہو یا جرنیل لارنس نہ سلام کرتا اور نہ اس کی طرف متوجہ ہونے میں پہل کرتا۔ نہ مخاطب کئے جانے کا منتظر ہوتا نہ خود اس قسم کی گفتگو کرتا۔ مثلاً۔ '' معاف فرمایئے حضور! میں آپ کی توجہ نہایت ادب سے اس حقیقت کی طرف مبذول کرانا چاہتا ہوں کہ اس نقشہ میں ایک غلطی ہے۔''

برخلاف اس کے وہ اپنی انگلی غلطی پر ٹیک دیتا اور مختصر الفاظ میں کہتا ''یہ غلط ہے'' یا ''یہ ٹھیک نہیں ہے۔'' یا ''یہ لغو ہے۔'' ''اس کو بدل دینا چاہیے۔''

اور ساتھ ہی وہ لفظ ''جناب'' کو بھی نظر انداز کر جاتا۔

بلاشبہ وہ جنگ جاری رکھنے والوں کی نظر میں سرے سے سپاہی ہی نہ تھا۔

لیکن مشرق قریب کے معاملات میں اس کی قابلیت اور حیثیت مستند مانی جانے لگی تھی اس لیے کہ وہ اس ملک کے متعلق ہر دوسرے شخص سے کچھ نہ کچھ زیادہ واقفیت کا ثبوت دیتا رہا تھا۔ اسٹاف

آرائی پر متوجہ ہونے لگے تھے۔ اب مثل سابق ملک کے کسی قطعہ سے متعلق اس کی توضیحی اطلاعیں پس پشت نہیں ڈال دی جاتی تھیں۔ وہ اتنا جلد اپنا سکہ بٹھا چکا تھا کہ خاص قابلیت کے اور بالخصوص ترکوں کے طور طریقوں سے خوب واقف کار عہدہ داروں کو کٹ کی صورت حال کی اطلاع دینے کے لیے میسو پوٹومیا بھیجنا طے پایا تو منتخب افراد میں لارنس بھی شامل تھا۔

بالآخر لارنس بصرے جا پہنچا اور وہاں مس گرٹروڈ بل سے مل کر بہت مسرور و متعجب ہوا یہ خاتون ممتاز زندگی گزار چکی تھیں اور جنگ سے قبل شام اور عربستان کے بعض نامعلوم یا کم معلوم علاقوں کی چھان بین میں سختیاں اور خطرے برداشت کرتی۔ صحرا کے بعض اندرونی حصوں تک جا پہنچی تھیں خاتون موصوف اس ملک اور یہاں کے قبیلوں سے واقفیت کی بناء پر مشہور رہیں۔ انہوں نے اپنے علم اور واقفیت کے ذریعہ نہ صرف امن کے زمانہ میں بلکہ دوران جنگ میں بھی انگلستان کی بڑی خدمت کی ہے۔

وہ ملے اور پرانی ریگستانی مہموں اور بالخصوص Carchermish کے کھنڈروں کے متعلق گفتگو کرتے رہے۔ وہ ان پرانے موضوعوں پر گفتگو کر ہی رہے تھے کہ ندی کے پرے بندوقوں کی درشت آواز سنائی دی جس نے جنگ کی دائمی یاد کو تازہ کر دیا۔

لارنس نے بڑے تپاک سے اس جاں باز خاتون کو الوداع کہا۔

دریا پر پہنچتے ہی لارنس کو معلوم ہوا کہ یہاں قریب ہی میں اسے ایک بڑی مہم سر کرنی ہے۔ برطانوی فوجی افسروں کی جماعت کٹ کی مجوزہ فوجی دست برداری کے متعلق ابتدائی بات چیت شروع کر چکی تھی۔ محافظ فوج کی انتہائی جاں بازی اور قربانیوں کے باوجود یہ ظاہر ہو چکا تھا کہ کٹ کو چھوڑ دینا ہی پڑے گا باقی صرف یہ رہ گیا تھا کہ ترکوں سے ممکنہ بہتر شرائط منوالی جائیں۔

لارنس کے ذمہ یہ کام تھا کہ ممکنہ تعداد میں انگریز زخمیوں کو منتقل کرتا رہے لارنس کو مدد کے لیے یہاں بھیجا ہی اس لیے گیا تھا کہ وہ اس ملک سے خوب واقف تھا۔ اس نے خندقوں میں چند دن گزارے جہاں وہ فوجی افسروں سے مسلسل گفتگو کرتا رہا۔ مردہ لاشوں کی سخت بد بودار اور مہلک ہوا میں

سانس لینے اور ایسی غذا کھانے سے جس کو مکھیوں اور کیڑوں کے نرغہ سے محفوظ نہیں رکھا جا سکتا تھا۔ لارنس کو ہلکا سا بخار چڑھ آیا لیکن چند ہی روز کے آرام کے بعد وہ پھر اٹھ کھڑا ہوا اگرچہ اب بھی وہ کمزور تھا لیکن اپنے فرائض انجام دیتا رہا۔ انگریز عہدہ داروں کے لیے بشمول لارنس اب وہ وقت آ گیا تھا کہ ترکی افواج کے سفید جھنڈے کے آگے سپر ڈال دیں۔ یہ لارنس کے لیے ایک انوکھی بات تھی۔ وہ بڑھاپے اور علالت کی پرسکون موت سے آشنا تھا۔ نہر سوئز پر لڑائی کے بعد اس نے بعض مردہ ترکوں کے فوٹو بھی لئے تھے۔ لیکن یہ اس سے بھی زیادہ المناک اور وحشت ناک چیز تھی۔ وہ دو سو گز ہی گئے ہوں گے کہ اس نوجوان طالب علم (لارنس) نے خود کو جنگ کی تمام ہولناکیوں میں گھرا پایا۔ جہاں تہاں خود اس کے ہم وطنوں اور ترکوں کی لاشوں کے انبار لگے تھے جو بے دھڑک فتح کے داؤ پر لگا دیئے گئے تھے۔ اس المناک منظر نے ان کی فطرت کے سارے ستھرے پن اور بلاوجہ اذیت رسانی سے اس کے عادتی گریز اور تنفر میں ایک ہیجان سا پیدا کر دیا۔ لڑائی تو بہر حال لڑنی تھی۔ لیکن اس نے کچھ ایسا محسوس کیا کہ لڑائی جیتنا ہی ہے تو اس کو اتلاف جان کے کم سے کم نقصان کے ساتھ محض ہوشیاری سے جیتنا چاہیے جس کو فوجی ماہرین کی اصطلاح میں فن حرب Straegy کہا جاتا ہے خوں ریز جنگ جوئی میں وہ خود کو دلیر نہیں پاتا تھا۔ لیکن فتح و شکست کا انحصار اسی پر تھا۔ یہ لڑائی ترک جیت ہی چکے تھے اور لارنس بظاہر اگرچہ جری نظر آتا تھا لیکن اسکو اپنے احساسات کے چھپانے میں بڑی جد و جہد کرنی پڑتی تھی۔

اس قسم کی لڑائی میں کوئی عظمت و برتری نہ تھی۔ اس لیے کہ یہی قتل و خون ریزی کا دوسرا نام تھا اور ترک اپنے ابتدائی اقدام پر فتح پا چکے تھے۔

یہ بھی ممکن ہے کہ جنگ آزادی کا نصب العین ہیولیٰ کی شکل میں ان دنوں اس کے خیالات پر مستولی ہو ظفر یابی کا یہ طریقہ تباہ کن حد تک سست رفتار تھا۔ جنگ ایسی چیز ہے جس کو جلد ختم ہونا یا کر دینا چاہیے کیونکہ سوائے تباہی کے اس کا نتیجہ کچھ اور نہیں ہوتا۔

فوجی صدر مقام سے اب اس کے تفویض یہ کام کیا گیا کہ ہوائی فوٹو گرافی کے ذریعہ نقشے بنانے کے امکانات پر رپورٹ روانہ کرے اور تحقیقات شروع کرنے کے لیے اس کو بصرے بھیج دیا

گیا۔ اس سے مقصود ممکن ہے لارنس کو آزمانا ہو یا ان ہی کی جدید گھڑی ہوئی اصطلاح ''شرارت''
Mischief سے اس کو کہیں دور مشغول رکھنا ہو۔

اس نے اس خاص معاملہ میں اپنی رپورٹ بھجوائی لیکن نقشوں اور تصویر کشی کے علاوہ بھی اس نے کچھ اور کیا۔

جب وہ کہہ چکا کہ ان کی تمام کارروائی غلط یا کم از کم لاعلاج حد تک بے وقت کی چیز ہے تو اس نے ان عہدہ داروں کے روبرو ان کے طریق جنگ کے متعلق اپنے نقطۂ نظر کی وضاحت بھی کی۔

مثلاً کشتیوں کو ساحل پر لانے لے جانے کے جو طریقے فوجی عہدہداروں نے اختیار کر رکھے تھے وہ ناقص تھے۔ کشتیوں پر سے سامان اتارنے کے طریقے بھی ناقص تھے جن میں وقت بہت زیادہ ضائع ہوتا تھا۔ ریلوے کی حد تک بھی کوئی اصول نہ تھا۔ اسباب پڑا پڑا ضائع ہو رہا تھا۔ صرف اس وجہ سے کہ وہ جانتے ہی نہ تھے کہ اس کے متعلق کرنا کیا چاہیے طبی عہدیدار اپنے فرائض سے ناواقف تھے ۔وغیرہ وغیرہ۔

واپسی پر یہ جانتے ہوئے بھی کہ اسے قبول عام حاصل نہ ہو سکے گا اس نے اپنی رپورٹ پیش کردی اور اپنی ایک اسکیم کو بروئے کار لانا شروع کردیا۔ مشرق کے نقشہ جنگ کا وہ گہرا مطالعہ کر چکا تھا۔ وہ سمجھ چکا تھا کہ ترک اتحادیوں کو کہاں روکے ہوئے ہیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ فلسطین کی لڑائیوں میں انگریزی افواج کو کن مزاحمتوں کا سامنا کرنا پڑا تھا اور ساتھ ہی اس کو ایک ایسا ملک نظر آیا جس کی آزادی کا خواب وہ برسوں سے دیکھ رہا تھا۔ یعنی عربستان۔

وہ جانتا تھا۔۔ نہ معلوم کیونکر۔۔۔ کہ لارڈ کچنر شریف مکہ حسین کو ترکوں کے خلاف آمادہ بغاوت کرنے کے لیے کیا کیا تدبیریں اختیار کر چکے ہیں اور یہ لفظ ''بغاوت'' ایسا تھا جو بار بار اس کے دل میں خطرہ پیدا کرتا تھا۔

اس کو یاد آ گیا کہ ملک کے اس سرے سے اس سرے تک لوگ ترکوں کی قابل نفرت حکومت کو سخت گالیاں دینے لگے ہیں۔ وہ یہ بھی سمجھ گیا کہ ظالم ترکوں کے خلاف ان چھوٹے چھوٹے قبیلوں

سے ایک بہت بڑی فوج تیار ہو سکتی ہے۔

یہاں اس کے لیے ایک موقع تھا!۔

لارنس کا ایک گہرا دوست تھا جو فوجی اقدامات کے خفیہ امور میں مدد کر رہا تھا۔ مشرق کے مشہور سیاح کمانڈر ڈی۔ ایچ ہوگارٹ کو خود عرب کے مسئلہ میں دلچسپی تھی۔ وہ دوسروں کے ساتھ مل کر خفیہ طور پر اس امر پر غور کر چکا تھا کہ ترکوں کے خلاف اس لڑائی میں اتحادیوں اور بالخصوص انگلستان کی مدد کس طور پر کی جا سکتی ہے۔

حالات پر جمود طاری تھا۔ وہ فلسطین میں اقدام کرنا چاہتے تھے اور جنگ کے اس محاذ پر مزید کمک کی ضرورت تھی۔ لیکن کمک نہیں پہنچائی جا سکتی تھی۔ مغربی محاذ پر صورت حال اتنی اندیشہ ناک ہو چکی تھی کہ مشرق کی طرف کمک نہ بھیجنے میں کوئی ہرج نہ معلوم ہوتا تھا۔

یہ اطلاعیں پا کر اور یہ سمجھ کر کہ جو کچھ کرنا ہو خود ان ہی کو کرنا پڑے گا افسروں کی یہ چھوٹی سی جماعت حزم واحتیاط اور تندہی سے ترکوں اور برطانوی افواج کی صورت حال کا مطالعہ کرنے لگی۔

لارنس اپنے دوست سے ملا اور اس سے اپنے ''خواب'' کا کچھ حصہ بیان کیا۔ سن کر یہ مرد مسن بھی چکرا گیا اور نقشہ کے مطالعہ کے لیے اس کے ساتھ ہو لیا۔

اسی اثناء میں انہیں کوئی خبر سنائی پڑی جس نے انہیں چونکا دیا اور تیز کاروائی پر مجبور کر دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ عربستان کے متعلق ترکوں کے بھی بعض نقاط نظر تھے۔ یاد رکھنا چاہیے کہ تمام عالم اسلام کی نظریں مذہبی ہدایت اور مدد کے لیے مکہ پر لگی رہتی ہیں۔ شرع محمدیؐ کے پیرو خواہ وہ ہندوستان کے ہوں یا افریقہ کے' ایسٹ انڈیز کے ہوں یا ایشیائے کوچک کے ان سب کے دلوں میں ایک خیال چھپا ہوتا ہے اور وہ جہاد یا مقدس لڑائی کا خیال ہے۔ ان کا مذہب انہیں مجبور کرتا ہے کہ بے دینوں کے خلاف جو علم اٹھے اس کی پیروی کریں اور اگر مکہ میں جہاد کا اعلان ہو جاتا تو دنیا کی متمدن اقوام میں لڑائی کا نقشہ ہی بدل جاتا۔

یہ ہلال اور صلیب کا پرانا جھگڑا تھا جس سے ڈر تھا کہ مبادا سلطنت برطانیہ کی مسلمان رعایا

اس مجنونانہ صدائے جہاد کو سن کر حکومت برطانیہ کے سپاہیوں ہی پر پل پڑے۔ اس کے معنی یہی ہو سکتے تھے کہ تمام ہندوستان اور افریقہ سفید نسل کے مقابل میں صف آراء ہو جائے گا چونکہ ان میں سے بیشتر ممالک پر خود برطانیہ کا قبضہ تھا اس لیے یہ چیز اتحادیوں کے مقصد کے لیے سخت اندیشہ ناک تھی۔

یہ سمجھ کر ترک اور جرمن سر جوڑ کر بیٹھے اور جہاد کے اعلان کا منصوبہ باندھا وہ باور کرانا چاہتے تھے کہ وہ ان کی مدد کریں گے جو عظیم الشان مسلم ایمپائر کے قیام کے لیے لڑائی میں ان کے ساتھ شریک ہوں۔

لیکن اس کے علاوہ بھی انہوں نے بہت کچھ کیا حجاز ریلوے کے ذریعہ وہ مدینہ کو فوجیں بھجوانے لگے جو اس ریلوے لائن کا آخری اسٹیشن ہے۔ یہ فوجیں جہاں پہنچتیں۔ مقدس لڑائی (جہاد) کا اعلان کر دیتیں اور اسی کے ساتھ جرمنوں نے خفیہ کارگزار ایجنٹوں کی ایک جماعت کے ذریعہ "لاسلکی" پر ملک کے دوسرے حصہ سے اس کی تبلیغ شروع کر دی۔ اس کا اصلی مقصد تو ظاہر نہیں کیا گیا لیکن عام طور پر برطانوی فوجی مرکزوں میں خیال کیا جانے لگا کہ اس کا منشاء اس بات کی تشہیر ہے کہ ترک اور جرمن ان تمام کی مدد کے لیے آمادہ ہیں جو ان کے ساتھ جہاد میں شریک ہوں۔

جنہوں نے صلیبی لڑائیوں کے حال میں پڑھا ہے کہ مسلمانوں نے یکا یک کس طرح مغربی دنیا کو روندڈالا تھا وہ اس کا بھی اندازہ لگا سکتے ہیں کہ جہاد کا یہ منصوبہ مشرق کی کسی دوائے بے ہوشی یا برگ حشیش کے زیر اثر دیکھا ہوا کوئی خواب نہ تھا بلکہ ایک اصلی دہشت ناک خطرہ تھا۔

لارنس یہ سب جانتا تھا اب وہ وقت آیا کہ اس کی خاص قابلیت انگلستان اور اتحادیوں کے لیے انتہا درجہ کارآمد ثابت ہو۔

مکہ کے مقدس شہر جہاں ہر سال مسلمان زائرین سفر کر کے پہنچتے ہیں شریف مکہ کی محافظت میں تھا۔ شریف کو لارڈ کچنر نے اس بغاوت کے امکانات سمجھائے تھے جو وہ اپنی فوجوں سے اتحادیوں کی امداد میں برپا کر سکتا تھا اور شریف کو یہ بات نہیں بھولی تھی۔ استعارہ کی زبان میں کہا جا سکتا ہے کہ وہ باڑ پر بیٹھا ہوا بے چینی سے جنگ کے اتار چڑھاؤ کا مشاہدہ کر رہا تھا۔ وہ اول تو اتحادیوں کی تائید میں تھا

پھر جرمنی اور اس کے معاونوں کا حلیف ہو گیا۔ دشمن کی بڑھی ہوئی فوجی طاقت کے مقابلہ میں خود اس کی اپنی فوجی طاقت اسے بہت حقیر نظر آنے لگی۔

ترکوں کے نئے اقدام نے اس کو خوف زدہ کر دیا۔ اب اس کو کچھ نہ کچھ کرنا تھا۔ اس کے لیے ضروری ہو گیا تھا کہ ترکوں کو اس عیارانہ خیال سے باز رکھے چاہے اس میں اس کو اپنی سلطنت سے ہاتھ دھونا ہی کیوں نہ پڑے اگر چہ وہ دنیائے اسلام کا امام تھا پھر بھی جانتا تھا کہ مسلمانوں اور عیسائیوں میں مقدس جنگ کا صرف ایک ہی انجام ہو سکتا ہے۔ انگریزوں کے فوجی مرکز پر اس نے پیغام بھیجے کہ اب وہ بغاوت کرنے والا ہے۔ ابھی یا پھر کبھی بھی نہیں۔

یہاں یہ امر ضروری ہے کہ اس صورت حال کو اس وقت کی روشنی میں دیکھا جائے کہ لارنس نے قاہرہ میں ایک مختصر ماہرین کی جماعت کے سامنے اپنے منصوبے بیان کئے تھے۔ اس خیال کو دل میں لئے کمانڈر 'ہوگارٹ' بحر قلزم کی طرف یہ معلوم کرنے کے لیے روانہ ہو گئے کہ آخر شریف مکہ کا منشاء کیا ہے لیکن یہ روانگی بہت بعد از وقت تھی بغاوت شروع ہو چکی تھی۔ اس کا انجام جو کچھ بھی ہو شریف مکہ نے تو اعلانیہ طور پر اتحادیوں کی رفاقت اختیار کر لی تھی۔

یہ صورت حال تھی۔ کہ پردہ اٹھا لارنس ڈرامائی طور پر بغاوت عرب میں داخل ہو چکا تھا بعض دلچسپ قصے یوں بھی مشہور ہیں کہ اس نے پندرہ روز کی رخصت چاہی اور چونکہ اس کے ہمیشہ کے ساتھی اس سے اکتا گئے تھے اس لیے رخصت فوراً منظور کر لی گئی۔ اس قصہ کے سلسلہ میں بیان کیا جاتا ہے کہ وہ اپنی رخصت سے واپس ہی نہ ہوا بلکہ ٹھہرا رہا اور اس طرح اپنی مہم شروع کی یہ قصہ دلچسپ تو ضرور ہے لیکن بیشتر قصوں کی طرح حقیقت اس سے بھی عجیب تر ہے۔ جو باتیں ممکن الوقوع تھیں ان کا ذکر اس نے اپنے بعض دوستوں سے کیا تھا چند مہینوں تک وہ باضابطگی اور احتیاط کے ساتھ پردہ کے پیچھے کام کرتا رہا جس کا منشاء فوجی کارروائیوں کے ذمہ دار بڑے بڑے جرنیلوں کو یہ یقین دلانا تھا کہ اگر وہ اس کو عربستان بھیج دیں تو مقصد فتح کے حصول میں وہ تھوڑی بہت مدد کر سکتا ہے ان عہدہ داروں کے یقین میں کچھ نہ کچھ وزن ہوگا تب ہی تو انہوں نے اس فولاد جیسی نیلی آنکھوں والے ضدی نوجوان کی

طرف سے فکر مند ہونے کے بجائے اس کو اپنے مشن پر روانہ ہونے کی اجازت دے دی۔ عمر رسیدہ ماہروں کی اس ''شوقین سپاہی'' کے منصوبے میں کوئی بات نظر آئی ہوگی۔ ارباب اقتدار نے خاص فوجی خدمت سے اس کی تبدیلی اس طرف کر دی جس کو ایک طرح خفیہ خدمت کا محکمہ کہا جا سکتا ہے۔

اگر چہ وہ عربوں میں توقیر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے لیکن اب وہ اس مقدس ملک کو جا رہا ہے جس کے دروازے تمام بے دینوں پر بند ہیں۔ یہ بے دین' اپنے تصور میں یقین رکھتا تھا کہ یہاں اسے دو امور انجام دینے ہیں۔ پہلا کام ایک لیڈر کی تلاش تھا پھر اس کو یہ یقین دلانا کہ عرب کے آپس کے لڑنے مرنے والے قبیلے اپنی برسوں کی خوں ریز لڑائیوں کو بھول کر آپس میں متحد ہو سکتے ہیں اور ترکوں کو ملک سے نکال باہر کر سکتے ہیں جنہوں نے اس ملک کو اتنے عرصہ تک لوٹا ہے ملک پر ترکوں کی گرفت مضبوط تھی۔ ملک کی واحد ریلوے لائن پر انہیں کا قبضہ تھا اور رائفل کی مار سے بھی کم کم فاصلہ پر ان کی مستحکم چوکیاں بنی ہوئی تھیں۔ ان کے پاس جدید بندوقیں اور رائفلیں بھی تھیں۔

عربوں کے پاس چند ہی بندوقیں تھیں اور وہ بھی اتنی پرانی کہ پہلی ہی بار کے چھوٹنے میں ان کے پھوٹ جانے کا اندیشہ تھا۔ ان کے ہتھیاروں میں پرانی وضع کی بھرمار بندوقیں اور ایسی بندوقیں بھی شامل تھیں جن کو چقماق سے اڑایا جاتا تھا۔ نیزے تھے اور خنجر۔ عرب پیدائشی قزاق تھے۔ لڑائی لڑائی کی خاطر لڑنے کی بجائے لوٹنا چرانا اور آگ لگانا ان کا محبوب مشغلہ تھا۔ وہ جب لڑنے سے تھک جاتے تو عموماً گھر لوٹ جاتے۔ لارنس یہ سب جانتا تھا اس پر بھی اکتوبر 1916ء میں اپنے خوابوں اور ناقابل تسخیر ارادہ سے لیس ہو کر وہ عرب کے ساحل کی طرف چل پڑا۔ مدد کا کوئی وعدہ اس سے نہیں کیا گیا تھا سوائے اپنے منصوبہ کے اس کے پاس کچھ بھی نہ تھا۔

باب نمبر 4

عربستان کی مہم شروع ہو چکی تھی۔ لارنس سوئیز سے روانہ ہوا' کشتی ست رفتاری سے خلیج میں چلنے لگی۔ لارنس پرفکر انداز میں ان پتھریلے ساحلوں کی طرف دیکھنے لگا جن میں اس کی ابتدائی دنوں کی آوارہ گردی کے مناظر پوشیدہ تھے۔

دو سال قبل وہ عقبہ سے ریگستان سینا کے وسط تک زائرین کے راستہ پر چلتا ہوا پہنچا تھا اسی وقت سے اس ریگستان نے اس کا دل موہ لیا تھا اب وہ پہلی بار مسلمانوں کے مقدس ملک کو جا رہا ہے اس سفر کی ایک غایت سلطنت عرب کا قیام بھی ہے۔

کشتی کے ملاح ان عجیب مسافروں کو دیکھ کر حیرت زدہ تھے۔ خصوصاً اس شخص کو دیکھ کر جو فوجی وردی پہن کر بھی سپاہی نہ معلوم ہوتا تھا۔ انہوں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ اپنے ساتھی سے بہت کم گفتگو کرتا ہے۔ اور اکثر اوقات اپنے خیال میں محو رہتا ہے۔

ملاحوں نے پوچھا کہاں جا رہے ہو؟۔

کسی نے جواب دیا۔ ''جدے''۔

کس لیے؟

اس کا جواب نہیں دیا جا سکتا تھا۔ اختتام سفر پر بھی وہ نہ سمجھ سکے کہ اس کے سفر کی غایت کیا تھی ۔ بحر قلزم کا یہ سفر نمایاں واقعات سے خالی ہے۔ مسٹر استورز کو حیرت تھی کہ لارنس آخر کرنا کیا چاہتا ہے۔ ان کے لیے یہ بھی مشکل تھا کہ اس کو گفتگو پر آمادہ کر سکیں۔

گرمی بہت شدید تھی اتنی شدید کہ سانس لینا تک دوبھر ہو گیا۔ جب رات آئی تو کچھ سکون ملا اور ممکن ہوا کہ کشتی کے چھوٹے عرشہ پر قدرے سکون کے ساتھ چند قدم چل پھر سکیں ہر روز یہی نقشہ

رہتا۔

کشتی اس سمندر کے چکی تال پر جو طویل طویل لیکن سست رفتار اتار چڑھاؤ کے ساتھ جلتے ہوئے سورج کے نیچے لہریں لے رہا تھا آہستہ لیکن ہموار رفتار سے دھواں اڑاتی چلی جا رہی تھی۔ اس وقت عرشہ پر کھڑے ہونے یا کسی سلاخ کے باہر جھکنے کی کوشش کرنا محض حماقت تھی اس لیے کہ گرمی کی حدت سے جسم کا گوشت جل اٹھتا۔ دن کے وقت وہ عرشہ گھر کے سایہ کے آگے دو یا تین کمبلوں کی موٹائی کا پردہ ڈال لیا کرتا تو وقت کے گزرنے کے ساتھ یہ سایہ بھی ہٹتا جاتا تو وہ خود بھی اس کے ساتھ ہٹنے لگتا۔ اس سے بھی عجیب بات یہ تھی کہ انگریزی نام اور انگریزی یونیفارم کے باوجود لارنس کسی عرب کی طرح پاؤں سمیٹ کر بیٹھنے میں آرام محسوس کرتا۔

ان کے جدے پہنچنے سے ایک دن قبل موسم میں کچھ تغیر رونما ہوا۔ آسمان یکا یک سیاہ اور تیرہ تار حد تک نیلگوں ہو گیا۔ جو طوفان کی آمد کا پیش خیمہ ہے۔

ایک دن تکلیف میں گزرا۔ بدشگون جھلائی ہوئی ہوا جہاز کے ماتھے پر پانی اڑاتی رہی سمندر میں تموّج عظیم تھا جس سے کبھی کبھی پانی کے تھپیڑے کشتی کے عرشہ پر بھی پڑنے لگتے تھے۔

ایک گونج کے ساتھ ہوا کا جھکڑ خلیج پر سے گزر گیا۔ موجیں بلند ہوئیں اور ان کے ساتھ کشتی بھی ابھری۔ کشتی جب موجوں کے اتار کے ساتھ سطح پر آتی تو اس کا پنکھا لہروں کو دھکیل کر آگے بڑھتا ہوا نظر آتا۔ اس ہولناک سمندر میں کشتی پانی کو چیرتی دشواری کے ساتھ راستہ پیدا کرتی چلی جا رہی تھی سطح آب پر وہ ایسی معلوم ہوتی گویا کتا تیرتا ہوا پانی سے باہر آ رہا ہے۔

طوفان جس تیزی سے آیا تھا اسی تیزی سے گزر گیا اب وہ پھر خاموش سمندر میں بڑھے جا رہے تھے۔

صبح میں لارنس سلاخوں کے اوپر سے سمندر کو دیکھا کرتا جس پر تیزی سے بلند ہونے والے سورج کی شعاعیں ابھی ابھی پڑنے لگتی تھیں۔ اس پر ایک چوڑی چکلی قوس قزح کا دھوکہ ہوتا جس میں تیل کے چھتے آڑے ترچھے نقش و نگار بنے ہوتے۔

کہیں کہیں گشت لگاتی ہوئی شارک مچھلی کا پر یا سوسماروں کی ٹکڑیاں خاموش سطح آب میں لرزش پیدا کر دیتیں۔ سمندر سے روشنی کی زندہ لکیریں نمودار ہوتیں اور آنکھ جھپکنے میں نظر سے غائب ہو جاتیں قلانچیں مارتی ہوئی مچھلیاں نیچے چھپتے ہوئے خطرہ کے ڈر سے بھاگ جاتی تھیں۔

کسی ایسی ہی صبح میں یہ سیدھی سادی کشتی عہد قدیم کے نارزمنوں Norsemen کے اس بادبانی جہاز سے مشابہ معلوم ہوتی جو نامعلوم مہموں پر کسی خیالی سمندر میں سفر کرتے تھے۔

جب معلوم ہوا کہ جدہ قریب ہے تو مسٹر اسٹورز آگے کی طرف دیکھنے لگے یہ بات انہوں نے لارنس سے بھی کہی لیکن اس اطلاع نے لارنس میں کوئی ہیجان پیدا نہیں کیا۔ اس کے چہرہ کی متانت علی حالہ قائم رہی البتہ اس کی تیز نیلگوں آنکھوں میں چمک تھی پھر وہ بھی بند ہو گئیں۔

دوسرے دن صبح میں جدہ نظر آنے لگا۔ سفید موجیں ان چٹانوں اور ریت کے تودوں پر سر ٹپکتی نظر آتی تھیں جو خاص اسی بندرگاہ کے لیے مخصوص ہیں۔ مسافر کشتی کے کپتان کی طرف غور سے دیکھ رہے تھے جو کشتی کو سمندر کے آڑے ترچھے دھاروں سے بچاتا ہوا اس چھوٹے سے بندرگارہ پر لنگر انداز کرنے لے آیا تھا۔

لارنس اور اس کا دوست جب ڈونگے میں بیٹھ کر ساحل کی طرف روانہ ہوئے تو خلیج کو پار کرتے وقت ڈونگے کی تیز رفتاری سے جو ہوا پیدا ہوتی تھی وہی آسمان سے برستی ہوئی آگ سے تسکین پانے کا ایک ذریعہ تھی۔ لارنس جانتا تھا کہ شمالی عربستان کی گرمی کیسی ہوتی ہے۔ بہتوں کے مقابلہ میں وہ اس سے متاثر بھی بہت کم ہوتا لیکن آج کی کیفیت جداگانہ تھی۔ اسی کے ذکر میں اس نے بعد میں لکھا ہے کہ ''اس گرمی سے ہماری زبان بند ہو گئی۔'' اس کا یہ قول عربستان کی مہم کے پہلے دن پر بالکل راست آتا ہے۔ شہر کی گلیوں سے گزرتے ہوئے جب وہ انگریز قونصل کے مکان کو چلے تو بھنی ہوئی ہوا کے ساتھ دیسی بازار سے ملی جلی بو آ رہی تھی۔ جدہ عجیب مقام ہے تقریباً تمام گلیاں اس قدر تنگ کہ ایک سرے سے دوسرے سرے تک ان کی چھتوں پر لکڑی کے پل بنا دیئے گئے ہیں۔ یہ اس لرزتے ہوئے شہر کی مانند ہے جس کو مقوے سے تراش کر بنایا گیا ہو اور پاؤں کے نیچے ریت اور گرد کی اتنی موٹی تہیں

بجھی ہیں کہ چلتے وقت آواز بہت کم پیدا ہوتی ہے۔

زیادہ وقت ضائع نہیں ہوا۔ ایک دوسرا انگریز عہدہ دار کرنل ناس جو مشرق سے اپنی واقفیت کی بناء پر ممتاز تھا' لارنس کی پذیرائی کے لئے جدے میں موجود تھا۔ مختصر تعارف کے بعد لارنس انجان طور پر حالات کے نشو ونما کا منتظر ہو گیا۔

لارنس بادشاہ کے دوسرے لڑکے عبداللہ سے ملا لیکن عبداللہ اسے پسند نہ آیا اس نے خیال کیا کہ چونکہ یہ بہت ہنسوڑ ہے اس لیے ایسا قائد نہیں بن سکتا جس کی اسے تلاش تھی لیکن جب اس نے لارنس سے کہنا شروع کیا کہ لڑائی میں عربوں پر کیا گزر رہی ہے تو ہنسی اس کے چہرے سے رخصت ہوگئی۔ ترک برابر امداد حاصل کر رہے تھے اور اندیشہ تھا کہ بہت جلد حملہ کر کے انہیں سمندر میں دھکیل دیں گے۔ عرب اپنا تقریباً سارا گولہ بارود پھونک چکے تھے ان کی بندوقیں بیکار تھیں اور غذا بھی ان کے پاس اتنی کافی مقدار میں نہ تھی کہ ایک موزوں فوج کو ملک کی حفاظت کے لیے متحد رکھ سکے۔

کیا انگریز کچھ مدد پہنچا سکتے ہیں؟

لارنس کی اصلی دقت یہی تھی وہ عیسائی افواج سے کیسے کہہ سکتا تھا کہ ایک مسلمان ملک کو بچائیں جس پر ترک مسلط تھے اور جو خود بھی مسلمان تھے۔ یہ ایک اچھا خاصہ معمہ تھا۔

لارنس فیصل کی بابت سن چکا تھا فیصل بادشاہ کا بیٹا تھا اور افواج کی کمان کر رہا تھا عیارانہ ترغیب و تحریص کے بعد لارنس نے بادشاہ سے فیصل کے نام ایک خط حاصل کر لیا جو فیصل سے اس کو متعارف کراتا تھا۔

خط سے لیس ہو کر انگریز عہدہ دار ستا ہی رہے تھے کہ شام میں ایک گل کھلا۔ ٹیلیفون کی گھنٹی بجی۔ (شاہ حجاز کے پاس ایک ٹیلیفون بھی تھا جو جدے سے مکے کو ملاتا تھا)۔

کیا ہز اکسلنسی انگریز عہدہ دار بینڈ سننا پسند کریں گے؟۔

بینڈ! آپ کس چیز کے متعلق گفتگو کر رہے ہیں۔ 'بینڈ کیا!

اس کے ادھیڑ بن کا کیا اندازہ ہو سکتا تھا۔ ریگستان میں بینڈ کو کس نے سنا ہوگا۔

حقیقت حال اسی وقت بیان کی گئی۔ ترکوں کے گورنر جرنل کے پاس ایک بینڈ تھا۔ عربوں نے دشمن کی سپاہ کے ساتھ بینڈ نوازوں کی ایک جماعت کو بھی گرفتار کر لیا تھا۔ لڑنے والے سپاہی تو قید خانہ بھیج دیے گئے اور بادشاہ سلامت نے خود کی دل بہلائی کے لیے بینڈ نوازوں کو اپنے پاس رکھ لیا۔

بادشاہ نے گفتگو ختم کرتے ہوئے کہا جی ہاں! بات یہی ہے تو پھر کیا آپ سننا گوارا کریں گے۔

وہ حیران تھے کہ بادشاہ کے محل سے جو پچاس میل کے فاصلہ پر تھا بینڈ سنا کس طرح جا سکتا ہے۔

بہر حال بادشاہ محض سوالات نہیں پوچھتے۔ وہ تو حکم دیتے ہیں۔

بادشاہ بڑا ہوشیار تھا۔ اس نے ریسور کو میز پر رکھا اور جب لارنس اور دوسرے لوگ یکے بعد دیگرے کان لگا کر سننے لگے تو انہیں بادشاہ کے بینڈ کی ''موسیقی'' سنائی دی۔

کسی نے یہ نہیں سمجھا کہ سر کیا تھا لیکن بینڈ بج رہا تھا۔ بادشاہ سلامت بھی اس سے خوش تھے اور جلیل القدر ممتاز عہدہ داروں کو بھی محفوظ فرما رہے تھے۔

مزید برآں مزید ضیافت طبع کے خیال سے بینڈ پچاس میل کے فاصلہ پر جدے بھجوا دیا گیا تا کہ جدے میں عہدہ دار اس کو سن سکیں اور خود بادشاہ سلامت اس عجیب و غریب ٹیلیفون پر اس کی موسیقی کو سن کر محفوظ ہوں بادشاہ کے لیے یہ ایک نیا کھلونا تھا۔ کوئی یہ نہ سمجھا کہ آخر بینڈ پر بج کیا رہا ہے۔ موسیقی کے عنوانات مقرر تھے ایک تو جرمنوں کا قومی ترانہ تھا اور دوسرا ترکوں کا قومی ترانہ۔ اس کے علاوہ کچھ اور جرمن موسیقی تھی دقت یہ تھی کہ بیشتر موسیقی آدھے سروں میں تھی۔ مثلاً اگر آپ بادشاہ زندہ باد کے ترانے کو پورے سروں میں بجانے کی بجائے نصف سروں میں بجائیں تو آپ کو اس مخلوطہ کا کچھ ہی اندازہ ہو سکتا ہے۔ ہر ایک بینڈ نواز ''نگران'' پر مطلق توجہ نہ کرتا سبھوں کی بساط بھر یہی کوشش ہوتی کہ ایک دوسرے کو مات کر دیں۔

بینڈ نوازوں کی جماعت کو واپس بھجوا دیا گیا۔

دوسرے دن لارنس جو امیر فیصل کے موسومہ خط سے لیس تھا رابغ کی چھوٹی سی بندرگاہ سے کشتی کے ذریعہ روانہ ہو گیا۔ رابغ جدہ سے اسی میل پر واقع ہے یہاں اس کی ملاقات بادشاہ کے دوسرے لڑکے شریف علی سے ہوئی۔ اس وقت لارنس بالکل اکیلا تھا اور چونکہ شریف علی لارنس سے بالکل ناواقف تھا اس لیے بوڑھے بادشاہ کے احکام پا کر اس کی حیرت کا کوئی ٹھکانہ نہ رہا۔

انگریز عہدہ دار (لارنس) کو اس نے غور سے دیکھا جس کا سر اس کے شانے کو لگتا تھا۔ بادشاہ نے خط میں لکھا تھا کہ اس جلیل القدر "انگلسی" کے ساتھ محافظ سپاہ کا ایک دستہ کر دیا جائے جو اس کو امیر فیصل تک فی الفور پہنچا دے۔ یہ پڑھ کر اسے دھچکا سا لگا۔ زمانہ جنگ کا تھا اور سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بادشاہ اس عجیب ہیئت کے نوجوان کو اس کے بھائی کے پاس کیوں بھجوا رہا ہے۔

لارنس سفر پر روانہ ہونے سے قبل ایک رات کے لیے ٹھہرا رہا۔ شریف علی نے اس کے پہننے کو عربوں کا سر پیچ دیا اور اس کے نامانوس یونیفارم کو پوشیدہ رکھنے کے لیے ایک عبا دی۔ خاص اپنے اونٹ پر سوار کرا کے خاص آدمیوں میں سے دو کو رہبر اور محافظ کی حیثیت سے ساتھ کر دیا۔

لارنس نے سکون اور دلجمعی سے یہ سب چیزیں قبول کیں اور تن بہ تقدیر اندرون ملک تین دن کے سفر پر روانہ ہو گیا۔ دوران سفر میں اس کو صرف اس بات کا خیال آتا رہا کہ وہ انگریز ہونے کے باوجود اس قدیم راستہ پر سفر کر رہا ہے جس پر سفر کر کے مسلمان حاجی مکے پہنچتے ہیں۔ یہ ایک انوکھا خیال تھا۔

ریگستان کے کنارے کنارے پہلے دن کا سفر اکتا دینے اور تھکا دینے والا تھا نیچے صرف ریت ہی ریت تھی۔ لارنس نے اپنے اونٹ کے بازو کی ایک کھوہ میں سکڑ سکڑ کر رات بسر کر دی۔

دوسرے دن کے سخت سفر میں گرم سورج اس کا چہرہ جھلسا ڈالتا تھا اور گرمی سے اس کی آنکھوں میں درد ہونے لگا تھا۔ اس کو خیال آیا کہ صحرا میں داخل ہونے کے بعد سے یہ وقت اس پر بہت طویل ہے۔ دو سال کی مدت کا بیشتر حصہ اس نے آرام دہ کمروں اور آرام دہ بستروں پر گزارا تھا۔ اور اس اچانک تغیر نے اس کو آئندہ پیش آنے والی مشکلات پر سنجیدگی سے غور کرنے پر مجبور کر دیا۔

فیصل کے کیمپ کو پہنچنے سے پہلے وہ اونٹ کی پیٹھ پر نیند کے مارے اونگھتا رہا۔ لیکن جوں ہی آخری منزل شروع ہوئی ایک اجنبی نمودار ہوا وہ لارنس کے برابر سفر کرتا اور دونوں باتیں کرتے جاتے۔ بے مقصد اناب شناپ گفتگو ہوتی جس کی کوئی غایت نہ تھی۔ یہ گفتگو محض تضیع اوقات کا دوسرا نام تھا۔

نو وارد اس بات کی امکانی کوشش کرتا رہا کہ اس عجیب وغریب ذرا سے آدمی سے جو عربی لباس میں لپٹا ہوا تھا کچھ معلوم کرے۔

اس نے خیال کیا ہوگا کہ اس طرح کا سفر کرنے والا کوئی معمولی شخص نہیں ہو سکتا اس کا اونٹ اونچا، موٹا تازہ خوش نما اور اس نسل کا تھا جس پر صرف شہزادے سوار ہوتے ہیں کجاوہ زرق برق چرمی کام کے گدوں سے آراستہ تھا اور اس پر قیمتی پر تکلف کمبل بچھے ہوئے تھے جن کے کناروں پر بھڑک دار رنگوں کے جھالر لٹکتے تھے۔

نو وارد اتنا قریب آ گا کہ مسافر کے چہرے کی جھلک اسے نظر آ سکتی تھی لیکن لارنس کا سر پوش اس کے چہرہ پر کس کر بندھا ہوا تھا۔ جس میں سے صرف آنکھیں نظر آ سکتی تھیں یہ بھی اس طرح ڈھکی ہوئی تھیں جس طرح شکرے کی آنکھوں پر چمڑے کی ٹوپی چڑھا دی جاتی ہے۔

لیکن اس کے استفسارات! وہ لارنس سے مصری عربی میں گفتگو کر رہا تھا اور لارنس بھی اسی زبان میں جواب دیتا جاتا تھا۔ یکا یک اس نے شمالی شام کے لہجہ میں گفتگو شروع کر دی۔ لارنس نے بھی ہلکی سے ستایش کے ساتھ اسی لہجہ میں جواب دینے شروع کئے۔ یہ گفتگو دو شخصوں کی لڑائی میں ایک کے وار اور دوسرے کے بچاؤ سے مشابہ تھی۔ فرق صرف اتنا تھا کہ نو وارد اپنے سوالات اس طرح کرتا گویا وہ فوج میں استعمال ہونے والی بڑی تلوار سے حملہ کر رہا ہے۔ لیکن لارنس کے جوابات تیزی اور ہوشیاری میں پیوست ہو جانے والے خنجر کا حکم رکھتے تھے۔

متجس نے جن کا نام خلال تھا گفتگو ختم کر دی۔ اس نے خوش آئند الفاظ میں لارنس کو خدا حافظ کہا اور جب لارنس اور اس کے ساتھی فیصل کے فرودگاہ پر پہنچے تو معلوم ہوا کہ متنفسر ترکوں کا تنخواہ یاب جاسوس تھا۔ اس لیے لارنس کی احتیاط ہر طرح بجا اور درست ثابت ہوئی۔

ہمیشہ بھنبھناتے ہوئے کیڑوں اور خصوصاً مچھروں سے محفوظ رہنے کے لیے چہرہ پر ململ کا نقاب اوڑھ کر رات بھر کے لیے لارنس ستا لیتا اور صبح کی ابتدائی ٹھنڈی گھڑیوں میں راس وادی حمرا کی طرف معہ اپنے ساتھیوں کے چل پڑا۔ (عربی لفظ وادی Vally کا مترادف ہے۔)

جب وہ ٹیلہ کی چوٹی پر پہنچا تو اسے پہلی بار لڑنے والے عربوں کا ایک بہت بڑا مجمع نظر آیا۔

عرب ایک نخلستان میں اتر پڑے تھے۔ اس لیے کہ درختوں اور تازہ چمکدار دھوپ میں ان آنکھوں کے لیے تسکین تھی جو تین دن تک حرا کے سفر میں تابش اور چمک سے بچنے کی ناکام کوشش کرتی رہی تھیں۔ درختوں کے نیچے ادھر ادھر سفید بھورے اور کالے رنگ کے خیمے کھڑے تھے۔ ان خیموں سے دھویں کے پتلے بل کھاتے ستون ہوا میں بلند ہو رہے تھے۔ آگ کے آگے عرب اکڑوں بیٹھے تھے اور جب یہ تینوں وہاں سے گزرے تو وہ سروقد اٹھ کھڑے ہوئے اور سلام کیا۔ دونوں رہبروں سے تو وہ مانوس تھے لیکن ان کے درمیان ایک پراسرار شکل کو انہوں نے بڑے تعجب سے دیکھا اس کی عبا اور قیمتی کجاوہ والے اونٹ سے یقین ہوتا تھا کہ وہ ملک کا کوئی بڑا آدمی ہوگا۔

بالآخر لارنس کو اپنے سفر میں ایک مقصد نظر آنے لگا۔ اس خوشنما منظر نے جو اپنی ہل چل اور وحشیانہ شان وشکوہ کے اعتبار سے دل آویز تھا اس میں ہیجان سا پیدا کر دیا اور وہ بادشاہ کے بڑے لڑکے فیصل سے ملنے کا منتظر ہو گیا۔

ایک طویل پست اور پھیلی ہوئی چھت والے مکان کے آگے جب وہ اترا تو اسے ایک محافظ نظر آیا جس کے کندھے پر چاندی کے قبضے والی تلوار لٹک رہی تھی۔ ایک اور محافظ نے اس سے سرگوشی کی اور لارنس کو آگے بڑھنے کی اجازت مل گئی۔

قصر شاہی کے اندرونی حصہ میں عربی شہزادہ کھڑا تھا جس سے لارنس ملنا چاہتا تھا اور جس کے متعلق اس نے بعد میں لکھا ہے۔

’’پہلی ہی نظر میں میں بھانپ گیا کہ یہ وہ لیڈر ہے جو بغاوت عرب میں چار چاند لگا دے گا۔ فیصل بہت اونچا، ستون نما، اور چھریرے بدن کا تھا۔ سفید رنگ کی لمبی ریشمی خلعت جسم پر تھی اور سر

پر بھورے رنگ کا سر پیچ شوخ نارنجی اور سنہری ڈوریوں سے بندھا ہوا تھا اس کی سیاہ داڑھی اور بے رنگ چہرہ مثل نقاب کے تھے اس کے ہاتھ خنجر کے اوپر آ کر ایک دوسرے سے ملتے تھے۔

(دانائی کے سات ستون)

شہزادہ اور باہمت نوجوان انگریز نے نہایت مہذب پیرائے میں ایک دوسرے کو مبارک سلامت کہا جس کے بعد فیصل لارنس کو اپنے اندرونی کمرہ میں لے گیا۔ کمرہ کی دیواروں کے اطراف کئی آدمی چپ چاپ پاؤں سمیٹے بیٹھے تھے ان سبھوں نے تیز تیز نظروں سے اس شخص کو دیکھنا شروع کیا جوان کے شہزادے سے ملنے کو بھجوایا گیا تھا اور جس کی سفارش خود بادشاہ سلامت نے کی تھی۔

فیصل نے نیچی اور دھیمی آواز میں کہا۔'' خدا کی عنایت تمہارے شامل حال رہے۔ ابا سے سفر تو نہایت آسانی سے طے ہوا ہوگا۔

''سفر میں گرمی بہت تھی جناب شہزادہ صاحب! اور خصوصاً اس شخص کے لیے جو اس زمین پر بالکل نو وارد ہو۔

فیصل نے بڑے ستائشی لہجہ میں جواب دیا۔'' اجنبی ہوتے ہوئے بھی تم نے بہت تیزی سے سفر طے کر ڈالا۔''

ایک لمحہ تک خاموشی رہی جس کے بعد فیصل نے پوچھا۔'' کیا تم یہیں رہنا چاہتے ہو؟''۔

لارنس نظر جما کر شہزادہ کو دیکھتا رہا اور پھر نرم پر احتیاط لہجہ میں جواب دیا۔

''بہت مناسب۔ لیکن دمشق تو یہاں سے بہت فاصلہ پر ہے۔''

یہ کہنا بہت جرات کا کام تھا اسے کمرہ میں بے چینی کی حالت نظر آنے لگی۔

وہ سمجھ گیا کہ اس کا یہ کہنا گویا بجلی کا کڑکا تھا ممکن ہے اس کو وہ اپنی جنگجویانہ قوت کی توہین پر محمول کریں یا یہ بھی ہوسکتا ہے کہ اس کے اس کہے کا حسب دلخواہ اثر پیدا ہو۔ یعنی وہ اپنی منزل مقصود کو دیکھنے لگیں جس کے ساتھ ان کی ساری توقعات اور مساعی وابستہ ہونی چاہئیں۔

یہ ایک منٹ بھی لارنس پر بہت طویل گزرا۔ وہ ان کے درمیان بالکل اجنبی تھا یعنی صرف

ایک ''بے دین'' انگریز۔

ایک ایسے ملک میں جہاں موت وحیات بہت تیزی سے وقوع پذیر ہوتے ہوں کوئی سفاک اس کے قلب میں خنجر جھونک کر اس کی تمام خیال آرائیوں کا خاتمہ کرسکتا تھا۔

لارنس نے اپنی نظریں فیصل پر جمائیں اور بالآخر شہزادہ نے سر اٹھایا اور لارنس کے متین اور مسکراہٹ سے خالی چہرہ کو دیکھتے ہوئے آہستگی سے جواب دیا۔

جی ہاں دمشق بہت دور تو ہے لیکن بحمد اللہ ترک اس سے بہت زیادہ قریب ہیں۔ یہ پر خطر لمحہ گزر گیا۔ اور لارنس کی سانس صفائی سے چلنے لگی وہ اپنی پہلی دلیل پیش کر چکا تھا۔ اپنا وار چلا چکا تھا۔ اگر چہ سلطنت کے خواب کے اعتبار سے یہ صرف لفظی وار تھا۔

ایک آدھ دن تک فیصل اور اس کے دو یا تین اکابر شیوخ لارنس کو سمجھاتے رہے کہ ان کی بغاوت کا کیا انجام ہوا تھا اور رفتہ رفتہ لارنس کے دل میں اس کا نقشہ پوری طرح بیٹھ گیا کہ آگے کیا پیش آنے والا ہے۔

ایک بات بہت ہی نمایاں تھی۔ ترکوں کے جدید اسلحہ کے مقابلہ میں عرب اپنے بہادروں کی جانیں ضائع کررہے تھے بغیر کسی تیاری کے بغاوت شروع ہوچکی تھی۔ عرب اپنے قدیم اسلحہ سے لڑ رہے تھے ان کی بہت ساری بندوقیں پرانی اور بھرمار وضع کی تھیں ان کی مار کا فاصلہ بہت ہی محدود تھا۔

مزید برآں وہ گویا خالی پیٹ لڑ رہے تھے اور اس سے بھی زیادہ خرابی یہ تھی کہ انہیں اس کا خیال ہی نہ تھا کہ وہ آخر کیوں لڑ رہے ہیں۔

ایک مصری توپ خانہ انہیں دے دیا گیا تھا جس کی بندوقیں بیس سال پرانی تھیں۔ ان بندوقوں کی مار ایک میل سے کچھ ہی زائد فاصلہ تک مئوثر ہوسکتی تھی۔ ترکوں کے پاس جدید جنگی بندوقیں اور دور انداز توپیں تھیں جو مصری توپ خانہ کی ساری آگ کو بجھا دے سکتی تھیں۔

آدمی تھک گئے تھے اور نہ جانتے تھے کہ آئندہ کیا ہوگا آرام کی خاطر وہ وادی حمرا میں فرو کش تھے اور مشیت ایزدی کے دیکھنے کے منتظر تھے۔

لارنس نے جب یہ ساری باتیں سنیں تو اس کا آدھا خیال مستقبل کی طرف لگا ہوا تھا وہ ان عربوں کی لڑنے کی تمنا اور ترکوں کے زبردست توپ خانہ سے ان کے واقعی خوف میں موازنہ کر رہا تھا۔ بندوقیں ایسی اچھی ہونی چاہیں جیسی کہ ترکوں کے پاس ہیں یہ کم از کم انہیں جرات میں ترکوں کے مساوی کر سکتی ہیں۔ آدمیوں کو متحد کرنا بھی ضروری تھا۔

عربوں کے لڑنے کا یہ طریقہ تھا کہ وہ خاندان کے خاندان مل کر لڑا کرتے تھے باپ اور بیٹے باری باری سے ایک ہی بندوق سے کام لیتے۔ اس کے بعد جب وہ کچھ تھک جاتے تو چند روز کے لیے اپنے گھروں کو چلے جاتے۔ اس طرح فیصل کی فوج مسلسل بدلتی رہتی تھی۔

ان سے کہا گیا کہ بادشاہ ہر قبیلہ سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے پرانے جھگڑے بھول جائے اور متحد ہو کر ایک دشمن یعنی ترکوں کے خلاف لڑے۔

جب تک سونا اور غذا باقی رہے لڑنے اور لوٹنے کی یہ اپیل ان میں سے بہت سوں کو فیصل کی فوج میں جمائے رکھی لیکن اب سونا اور غذا دونوں بہت تیزی سے ختم ہوتے جا رہے تھے۔

اگر یہ ممکن ہوتا کہ ترکوں کی کسی فوجی چوکی پر یکا یک ہلہ کر کے ان کا خاتمہ کر دیں اور پھر پہاڑوں میں روپوش ہو جائیں جانوں کا نقصان کم ہو اور خرچ کے لیے کچھ مالی منفعت حاصل ہو تو عرب ان شرائط پر لڑنے کے لیے ہمیشہ آمادہ ہو سکتے تھے۔

لیکن ترک عموماً ہتھیار بند قلعوں اور شہروں میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ ان کے زبردست گولے عربوں کو بدحواس کئے دیتے تھے۔ عرب سمجھتے تھے کہ جس بندوق سے جتنی زیادہ آواز پیدا ہو اتنا ہی زیادہ نقصان وہ پہنچا سکتی ہے۔ اگر ان کے پاس ترکوں جیسی گونجنے والی دیواروں میں بھمبھا کے پیدا کرنے اور آدمیوں کی صفیں توڑ دینے والی بندوقیں ہوتیں تو وہ حملہ کر کے دشمن کو سطح زمین سے مٹا دیتے۔ لیکن اس وقت تک جب تک کہ بندوقیں نہ فراہم ہو جائیں وہ صرف توقف کرتے رہیں گے۔

توپیں اچھے رائفل غذا اور سونا ان سب کی فوری ضرورت تھی اور لارنس جانتا تھا کہ اس انبوہ کو ــــــ یہ دراصل انبوہ ہی تھا ــــــ ایسی فوجی قوت بنانے کی جو سخت پیہم مقابلہ کر سکے موہوم

توقع اسی وقت ہو سکتی ہے جب کہ ان کے لیے یہ چیزیں فراہم کر دی جائیں۔

اس کے سامنے دنیا کا سب سے مشکل ترین کام تھا یعنی لوگوں کو کھلاڑیوں کی جماعت کی طرح کھیلنے پر مائل کرنا۔ فٹ بال کے کھیل کے متعلق یہ بات بہت مشہور ہے کہ اچھی تربیت یافتہ ٹیم ان کھلاڑیوں کے مقابلہ میں ضرور کامیاب ہوتی ہے کھیل اپنے طور پر کھیلنا چاہتے ہوں اور دوسروں کی مدد کے بغیر اور دوسروں کی مدد کو ٹھکرا کر خود ہی بازی جیتنے کی کوشش کرتے ہوں۔

اس معاملہ میں ترک کھلاڑیوں کی تربیت یافتہ ٹیم کے مانند تھے اور جنگ کی اس منزل پر ان کا کام صرف یہ تھا کہ اپنی مقررہ جگہ پر کھڑے رہیں اور حریف کو بازی جیتنے سے روکے رہیں۔ اس وقت ان کا یہ کام بہت آسان تھا۔

لارنس اس مہم کا نقشہ ہی بدل دینا چاہتا تھا۔ یہ کھیل کے وقفہ کا وقت تھا اور کھلاڑیوں کی دونوں جماعتیں دم لے رہی تھیں وہ اگر عربوں سے تبادلہ خیال کرتا اور تربیت دے کر انہیں ''ٹیم'' بنالیتا تو ان کے جیت جانے کا ہر ممکنہ موقع تھا۔

ارادہ کر لینے کے بعد لارنس اپنے اقدام میں توقف نہیں کرتا تھا۔ جب وہ ساحل کی طرف لوٹا تر و Yanob بھی گیا جو انتہائی شمال میں واقعہ ہے۔ وہ وہاں اس وقت تک ٹھہرا رہا جب تک کہ جدے پہنچنے کے لیے کشتی کا انتظام نہ ہو گیا۔ وہ مصر واپس ہونا چاہتا تھا تا کہ فوجی عہدہ داروں سے تبادلہ خیال کر سکے اور بغاوت عرب کے امکانات سمجھانے کے لیے انہیں اپنے ساتھ لا سکے۔

جدے میں اس کو بخت و اتفاق کا پہلا کرشمہ نظر آیا۔ امیر البحر ویمزے اپنی کشتی Euralyus لئے اس بندرگاہ میں ٹھہرے ہوئے تھے۔ امیر البحر بغاوت میں عملی حصہ لے چکے تھے۔ انہوں نے ترکوں پر بمباری کی تھی اور جہاں تک ممکن ہو سکا عربوں کو ان کو ہتھیائے ہوئے علاقوں پر مسلط رہنے میں مدد دینے کے لیے ساحل پر فوجیں اتاری تھیں۔

لارنس کو ایک ہمدرد سننے والا جو ملا تو اس نے اپنے سارے انکشافات اور منصوبے امیر البحر سے بیان کئے اور گفتگو کے بعد اپنے عزم میں تقویت محسوس کی۔

بحیرۂ قلزم میں سوڈان کا رخ قطع کرتا ہوا لارنس ریجنالڈ وینگیٹ گورنر سوڈان سے ملنے کے لیے سیدھے خرطوم جا پہنچا اور اپنے امکانات کی طرف گورنر کو رغبت دلائی اور جب وہ دریائے نیل کے جنوب میں قاہرہ کے سفر پر روانہ ہوا تو اس نے کچھ ایسا محسوس کیا کہ ابتداء تو خوب ہوئی وہ سمجھا ہوا تھا کہ کس چیز کی کمی ہے اور بالکل قریب کے واقعی دقیع جرنیل سے کہہ چکا تھا کہ مدد کس طرح پہنچائی جا سکتی ہے فٹ بال کی تمثیل کو جاری رکھتے ہوئے کہا جائے گا کہ اس نے اپنی حیثیت اس تربیت دینے والے کی سی محسوس کی جو یہ معلوم کرنا چاہتا ہو کہ اس کے لوگ فرنخ کے پائین میں کیوں ہیں۔

اب جب کہ اس کمزور پہلو کو وہ سمجھ چکا تو اس نے منتظمین (یعنی متعلقہ اشخاص) سے کہہ دیا کہ کس طرح ٹیم کو اس قابل بنایا جا سکتا ہے کہ وہ بازی جیت جائے۔ اس کے بعد اسے محسوس ہوا کہ وہ اپنا نقطۂ نظر ثابت کر چکا ہے اسی پر اس کے کام کا اختتام تھا۔

لیکن مصر میں جنرل اسٹاف کا خیال کچھ اور تھا۔ انہوں نے یہ خیال کیا ہو گا کہ لارنس اپنے پہلے مشکل اقدام میں اس خوبی سے عہدہ برآ ہو چکا ہے۔ کہ کاروبار کو چالو رکھنے کی غرض سے واپس بھیجنے کے لیے بہترین شخص ثابت ہو گا اس نے اپنے جرنیل کے آگے ہر طرح کی معذرتیں پیش کیں جس کا ایک ہی جواب تھا کہ وہ سپاہی نہیں ہے اور سپہ گری کے فن کو پسند نہیں کرتا یہ تو اس کے طالب علمی کے دور کا پرانا اعتراف تھا مدرسہ میں بھی کام کرنے ہوتے اور وہ ان کو پورا کر دیتا اس پر بھی وہ مدرسہ کو ناپسند ہی کرتا رہا۔ اب وہ فوج میں تھا۔ اب بھی بعض امور اس کو انجام دینے ہوتے۔ اگر انہیں صرف کرنا ہی ہوتا تو اس حد تک تو ٹھیک تھا لیکن وہ نہایت واضح طور پر ان کے ذہن نشین کرا دینا چاہتا تھا کہ وہ فوج کو ناپسند کرتا ہے۔

جرنیل کلے ٹن Clayton نے سب باتیں سنیں لیکن سب کو مسترد کر دیا۔ حکم ملا فیصل کے پاس جاؤ اور اپنا کام جاری رکھو۔ وہیں تمہاری ضرورت ہے جب لارنس Yenob نیوب واپس ہوا تو ہر چیز انتشار اور پراگندگی کا شکار تھی۔ ترک چھاؤنی پر حملہ کرنے ہی والے تھے اور فیصل معہ اپنے عربوں کے اس کی محافظت کے لیے روانہ ہو چکا تھا۔

شہزادہ اور طالب علم پھر سے ملے اور اس دفعہ لارنس کا خوب خیر مقدم ہوا۔ فیصل نے اس سے ترکوں کی تخویف کا حال بیان کیا اور جب اس نے یہ بیان کیا کہ کس طرح جنگ بوئر کے زمانہ کی صرف دو پرانی بندوقوں کی مدد سے (جو مصر سے، استعمال سے زیادہ نمائش کے لیے بھجوائی گئی تھیں) سڑک پر قبضہ باقی رکھا گیا تو لارنس ہنس پڑا۔

بعض عرب دہشت زدہ ہو گئے تھے اور پسپا ہونے لگے تھے اور جب فیصل نے ان عربوں کے قائد سے پوچھا کہ وہ کیوں واپس چلے آئے تو اس نے بڑی متانت سے جواب دیا۔

''ہم لڑائی سے تھک گئے تھے اور پیاسے تھے اس لیے قہوہ کی ایک پیالی پینے کے لیے ٹھہر گئے۔

ترکوں کی تخویف و تہدید ختم ہو چکی تھی اور 1916ء کے باقی دن لارنس نے بندرگاہ ینبوع Yenob میں کشتی Suba کے عرشہ پر سونے میں گزار دیئے۔

بحری بیڑے نے اس اندیشہ ناک ساحل پر چند کشتیاں بھجوائی تھیں جس کے ساتھ پانچ جنگی جہازوں کی ''کھوج روشنی'' Search Light بھی تھی جس نے ترکوں کے اقدام کو ناممکن بنا دیا۔ وہ خوف زدہ ہو گئے اور رک گئے۔

باب نمبر 5

لارنس جواب فوجی کارروائیوں کا مرکز بن چکا تھا تن دہی سے اپنے کام میں مشغول ہوگیا۔ اس نے فیصل سے کہا تھا۔ ''دمشق تو بہت فاصلہ پر ہے۔'' اسی مقولہ کو اس نے اپنا ہادی بنایا اور اپنے اصلی خاکے تیار کرنے لگا۔

مدینہ' اندرون ملک' ینبوع سے جانب مشرق ایک سو میل کے فاصلہ پر تھا جہاں سے شروع ہو کر سیدھے دمشق تک ریل جانے والی تھی۔ ترکوں کو خاموش رکھنے کے لیے فیصل کے بھائی کی فوجی چھاؤنی مدینہ سے بالکل قریب تھی۔ ساحل کے دو سو میل جانب شمال ینبوع اور خلیج عقبہ کے درمیان وجھ کی آخری بندرگاہ واقع تھی اور مدینہ اور وجھ میں ترکوں کے موجود ہونے سے عرب دو طرف سے زد میں تھے اگر لارنس مدینہ میں سکون قائم رکھ کر وجھ کی طرف متوجہ ہو سکتا تو اس کا یہ عمل ایک بڑے اقدام کا مترادف ہو سکتا تھا۔

لارنس ان دنوں پر تکلف عربی لباس میں ملبوس رہتا وہ پاجامہ نما خاکی پتلون پہنتا جس پر بہت ہی لمبی قمیض پڑی رہتی۔ یہ دونوں خالص ریشمی ہوتے اس کی عبا کے کناروں پر خوبصورت زردوزی کا کام ہوتا۔ اس کا کمر بند سنہری رنگ کا ہوتا۔ کمر بند میں ایک سنہری نیام میں رکھا ہوا ایک خمیدہ پیش قبض ہوتا یہ پیش قبض بادشاہ حسین کی طرف سے اس کو بطور تحفہ کے ملا تھا اور جو اس کو شہزادہ کا مرتبہ عطا کرتا تھا۔

اس کا حیفہ یا سر پیچ ریشمی چوکور وضع کا ہوتا جس کو پیشانی پر سے پیچھے موڑ دیا جاتا اور رسی کی مدد سے اپنی جگہ پر قائم رکھا جاتا۔ رسی بھی خالص ریشمی دھاگے سے بٹی ہوتی جس پر خالص سونے کے تار لپیٹ دیئے جاتے ان سب کی مجموعی قیمت بہت زیادہ ہوتی۔ سر پر باندھنے کی اچھی ڈوریاں بازار

میں انگریزی سکہ کے دس شلنگ یا ایک پونڈ میں مل سکتی تھیں۔ لیکن ان ڈوریوں کی قیمت کم از کم پچاس پونڈ تک پہنچتی تھی۔ ان تمام لوازمات کی تکمیل ایک خوبصورت چپل سے ہوتی تھی۔ اپنی ساری ظاہری وضع قطع میں وہ عین مین شہزادہ دکھائی دیتا تھا اور ریگستان کے سیدھے سادے شیوخ سے اس کا شاندار برتاؤ گویا نصف جنگ کے جیتنے کے مساوی تھا۔

ابتداء ہی سے وہ سمجھ گیا تھا کہ بغاوت کے متعلق عربوں کے پراسرار تصور سے پورا پورا فائدہ اٹھانا اس پر لازم ہے۔

اس کے عرب تسلیم کئے جانے میں ایک دشواری یہ تھی کہ وہ بہت پستہ قد تھا اور اس کی رنگت بہت صاف تھی۔ لیکن اس کی نیلی آنکھیں تو بہرصورت اس کا پردہ فاش کر دیتیں۔ اس کی ہر چیز سے فوراً شبہ پیدا ہوتا۔ جس کے سبب وہ اور بھی پراسرار ہو گیا۔

تمام ملک عرب میں یہ بات مشہور ہو چکی تھی کہ ایک عجیب وغریب پراسرار شخص عربوں کو فتح و نصرت کی منزل تک پہنچائے گا اور جو شہزادہ فیصل کا بھائی ہے یہ شخص عربوں میں واجب التعظیم مانا جانے لگا اور ہمیشہ اپنی سفید عبا اور سنہری سر پیچ سے شناخت کیا جاتا تھا۔

لیکن لارنس اس سے بھی ایک قدم آگے بڑھ آیا۔ شجاعت کو عرب ہمیشہ اہمیت دیتے آئے ہیں لارنس نے بھی اپنی شجاعت کا نقش بٹھا دیا اور ان پر ثابت کر دیا کہ اونٹ کی سواری میں وہ ان کا ہمسر ہے۔ گرمی یا کسی اور آزمائش کی سختی برداشت کرنے میں ان کے اچھوں سے ہمسری کر سکتا ہے۔ ضرورت پیش آنے پر ان ہی کی طرح جان بازی سے لڑنے میں بھی دریغ نہیں کرے گا۔ ان کے ہتھیار انہیں کی طرح پھرتی سے استعمال کر سکتا ہے۔ بعض صورتوں میں تو اس نے خود کو عربوں سے برتر ثابت کر دکھایا اور عرب اپنی سادہ دلی سے ان سب باتوں کو جادو کا کرشمہ سمجھنے لگے۔

جسمانی ساخت میں عربوں کے معیار کے لحاظ سے وہ گویا کسی انسان کا اختصار تھا جو لڑنے اور سواری کرنے کا مجسم جذبہ تھا۔ وہ ان کی زبان میں گفتگو کرتا اور ان کے طور طریق سے واقف تھا وہ ان ہی میں مل جل کر یا انہیں کی طرح زندگی بسر کرتا لیکن ان کے درمیان اس کا ناگہانی ورود ایک ایسا راز

سر بستہ تھا کہ جب سے لارنس نے تبدیل وضع کر کے ان کا لباس پہن لیا وہ ان میں بت بن بیٹھا اور پوجنے پیروی کرنے اور اپنی جان نثار کر دینے کے قابل شخص سمجھا جانے لگا۔

لارنس نے ان کی قیادت اپنے ہاتھ میں لے لی۔ ''وجھ'' کی طرف کوچ کرنے پر اتفاق ہو گیا اور جنوری 1917ء کے ابتدائی چند دن اس اداس اور نا مطبوع ریگستانی ساحل کی طرف حمل ونقل کی تیاری میں صرف ہو گئے۔ شمال کی جانب اس پہلے کوچ میں لارنس کو بعض واقعات کی طرف اشارہ ملتا تھا۔ فیصل کے ساتھ عربوں کے پیش پیش چلتے وقت اس نے پیچھے پلٹ کر جو ایک نگاہ ڈالی تو یہ منظر اس کو Arbian Nights کے عین مشابہ نظر آیا۔ وہ رنگ برنگ کے جتھوں کی شکل میں تھے۔ تمام اونٹ زرق برق کجاووں سے سجے شیخی سے اکڑتے بڑھے چلے جا رہے تھے اور اس ہنگامۂ رنگ سے جو مسلسل آواز پیدا ہو رہی تھی وہ موجوں کے چٹانوں سے ٹکرانے کے مشابہ تھی۔ نقاروں کی آواز گویا کوچ کی رفتار کا تعین کر رہی تھی۔

ٹ ٹ ٹ ٹم ٹم ٹم ٹ ٹ ٹم ٹم ٹم کی آوازیں آنے لگیں۔ گرد و غبار میں سواروں کے سر ناچتے دکھائی دینے لگے جو اتنے رنگین تھے کہ لالہ کا ایک گڈمڈ کھیت معلوم ہوتے تھے۔

نغمہ و سرود کی لہریں بار بار فوج کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک اور درمیانی حصہ میں نیچے اوپر سبک خرامی سے چلنے لگیں۔ اونٹوں نے اپنی رفتار تیز کر دی اور جب عربوں نے اپنے قرمزی جھنڈے ہوا میں بلند کر دیے تو یہی نغمے بڑھ کر فتح کا ہمہمہ بن گئے۔

کوچ کی ابتداء تو بہت مطمئن طریقہ پر ہوئی تھی۔ لیکن اس نے آگے کی طرف غور سے دیکھا تو دو سوار آتے نظر آئے اس پر اسے حیرت ہوئی ایک عرب تھا لیکن دوسرا اجنبی معلوم ہوتا تھا لیکن وہ قریب تر آیا تو لارنس اس کو پہچان کر بہت خوش ہوا کہ وہ اس کا پرانے وقتوں کا افسر کرنل نیوکامب تھا۔

کرنل نیوکامب گھوڑے سے اتر کر اونٹ پر آ گئے۔ دونوں انگریز ایک دوسرے کی صحبت میں خوش خوش آگے بڑھے چلے جاتے تھے۔ یہ ملاقات بہت برمحل تھی اس لیے کہ راستہ دشوار گزار ہو چلا تھا سڑک سے عرب ناواقف تھے اور بادلیوں اور غذا کا بھی کوئی تعین نہ تھا۔

دوسرے دن صبح میں موسم کی پہلی بارش خوش آئند تسکین کا باعث بنی۔ اور فوج نے بھی (جو مقامی قبیلوں کی شرکت سے بہت بڑھ گئی تھی) تازگی محسوس کی۔ اونٹ سوار پیادوں سے آملے اور ادھر ادھر گھوڑے سواروں کی بھی چھوٹی چھوٹی ٹولیاں بنی ہوئی تھیں۔ اکثر لوگ عربی عبا اور قمیض پہنے ہوئے تھے البتہ جن کا باترتیب فوج سے تعلق تھا وہ چست کوٹ اور سواری کی برجس میں ملبوس تھے۔ صرف سر کا لباس ایسا تھا جو سب میں مشترک تھا۔

اس عجیب وغریب فوج کے دستہ میں جو بیس سال کی نمائشی بندوقوں کا علمبردار تھا ایک شخص ایسا بھی تھا جو سمور کے کوٹ میں لپٹا ہوا تھا یہ کوٹ اس نے ایک جرمن عہدہ دار سے لیا تھا۔ اس کو پہننے کی ''عزت'' کے بدلے میں اسے اپنے آرام کی بہت بڑی قیمت ادا کرنی پڑی ہوگی۔ اس لیے کہ چھانو میں بھی اوسط درجہ حرارت 110 درجہ تھی۔

پوری فوج ایک ساتھ متحد ہو کر ہموار رفتار سے بڑھی چلی جاتی تھی۔ البتہ اطراف میں بعض وحشی، چھپکلیوں اور چڑیوں کے تعاقب میں ادھر ادھر دوڑ رہے تھے اور ان کو لکڑیوں سے مارنے کی کوشش کرتے جاتے تھے۔ کرنل نیوکامب لارنس سے علیحدہ ہو کر اپنی دوسری مہم پر روانہ ہو گئے۔

شام میں جب پڑاؤ ڈالا گیا تو تقریباً ساری فوج نے اونٹوں کے ساتھ مل کر غسل کیا۔ یہ ایک خوش وخرم پرشور مجمع تھا جو کسی اور چیز کی بہ نسبت مدرسہ کے لڑکوں کے تفریحی سفر سے زیادہ مشابہ معلوم ہوتا تھا۔

ساحل کی طرف کوچ کا نتیجہ لارنس کے حسب دل خواہ پیدا ہو رہا تھا اس سے پہلے ملک نے کبھی ایسی فوج نہیں دیکھی تھی۔

اکثر یہی سوال کیا جاتا کہ ''یہ کیسا مجمع ہے۔''

بڑے فخر سے اسی وقت جواب دیا جاتا کہ یہ فیصل اور اس کے آدمی ہیں اور ''وجہ'' پر دھاوا کرنے جا رہے ہیں۔

اس طرح خبریں پھیلتی گئیں اور آدمیوں کے جوش وخروش نے سفر کی ضمنی مصیبتوں کو بھلا دیا

پانی ضرور موجود تھا۔ لیکن ہزاروں اونٹوں اور انسانوں کے لیے ناکافی تھا غذا بھی موجود تھی لیکن اتنی کافی مقدار میں نہیں کہ سب شکم سیر ہو کر کھا پی سکیں۔ جہاں تہاں آدمی اور جانور سفر کی صعوبت سے عاجز آ کر رہ جاتے۔ کسی اور چیز کی بہ نسبت اکثر اموات پیاس کی شدت سے واقع ہونے لگیں۔

لیکن اس طاقتور مجمع میں ایک مقصد پیدا ہو چکا تھا۔

ریگستان کے سیدھے سادے عربوں کو کچھ ایسا محسوس ہوا کہ ساری دنیا حرکت کر رہی ہے اور ترکوں کے خلاف حرکت کر رہی ہے۔

ہر منزل پر ادھر ادھر بھٹکے ہوئے عربی فوج میں آ ملتے۔ ہر شیخ اپنے پیروؤں کو ساتھ لاتا اور لارنس اور فیصل سے وفاداری کا حلف اٹھاتا۔ کوچ کی رفتار میں کثرت تعداد کے سبب سستی آ گئی اور شمال کی سرد ہوا کے ذریعہ جاسوسوں نے بندوقوں کی آواز سنی۔

کوچ کی رفتار بہر صورت تیز نہیں کی جا سکتی تھی اور بالآخر جب ''دجھ'' نظر آنے لگا تو بارڈنگ نامی جہاز نے اشارہ کیا کہ ملاحوں اور عربوں کی متحد جماعت نے اس کو فتح کر لیا ہے۔

جنگی جہازوں کے بیڑے کے اس نمایاں کام پر حیرت تھی لارنس جہاز پر گیا اور کپتان نے اسے بتایا کہ ''دجھ'' کس طرح فتح کیا گیا۔

کپتن بائل نے خندہ دنداں نما کے ساتھ سارا قصہ کہہ سنایا۔ نظام الاوقات کی پوری پابندی کی گئی تھی اس لیے کہ شہر میں وہ ترکوں کو گرفتار کرنا چاہتے تھے ملاحوں اور جہاز رانوں، کشتی رانوں کی جماعت کے علاوہ کپتان بائل نے ''دجھ'' پر بندوقوں سے شدید آگ برسانی شروع کی ساحل پر اترنے والی جماعت شہر میں گھس پڑی اور اس کو دشمن سے صاف کر دیا۔ لڑائی دست بدست اور خشم ناک تھی۔ صرف ایک افسوس ناک حادثہ وقوع پذیر ہوا۔ شاہی بحری و ہوائی سروس کا ایک لفٹنٹ بحری بیڑے کے لیے ٹھیک جگہ تلاش کر رہا تھا کہ ایک پھٹنے والی گولی اس کے لگی اور مشین کو ساحل پر اتارنے سے پہلے ہی وہ ختم ہو گیا۔

ترکوں کے محافظ دستے جان توڑ کر لڑے اس لیے لارنس کو بعد میں پتہ چلا ان کا گورنر ان کا

ساتھ چھوڑ چکا تھا اس نے محافظ دستوں کو احکام دے دیئے تھے جو یہ تھے۔

''اس وقت تک لڑو جب تک کہ تم میں آخری قطرۂ خون بھی باقی ہے ''وجھ'' کو فتح نہیں ہونے دینا چاہیے۔'' یہ کہہ کر وہ اندھیرا ہونے تک ٹھہرا اور پھر محافظ فوج کو اس کی قسمت پر چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا اس کا مطلب یہ تھا کہ خود اس کے آخری قطرۂ خون کی حفاظت کی جائے۔

بہر حال ''وجھ'' فتح ہو گیا۔ فیصل کی فوج میں جو عرب تھے انہوں نے یہ سمجھا کہ خدا کی مشیت ہی یہ تھی کہ انہیں لڑنا نہ پڑا۔ اب اس مقام کا صرف لوٹنا باقی تھا چند ہی گھنٹوں میں عربوں کا چیختا چلاتا مجمع نیم جنون کی حالت میں، جوش سے بے خود ہو کر ہر گھر کو اس کے مال و اسباب سے خالی کر دیا اور خود کو کمبلوں اور قیمتی اشیاء سے اتنا لاد لیا کہ اس کو لے جانے کی وہ توقع بھی نہ کر سکتے تھے۔

اس قسم کی لڑائی انہیں پسند تھی جس میں لڑنا تو بہت کم پڑے اور معاوضہ خوب ملے۔ فالحمد اللہ۔

لارنس جانتا تھا کہ عرب ''وجھ'' میں ٹھہرے رہیں گے اس کو وہ آئندہ کچھ عرصہ کے لیے مورچہ کے استعمال کرنا چاہتا تھا یہ ضروری تھا کہ آخری صورت حال کی اطلاع قاہرہ کے فوجی عہدہ داروں کو دی جائے۔ اس غرض سے وہ سمندر کے راستے سوئز اور وہاں سے سیدھا جرنیل کلیٹن کے پاس جا پہنچا۔

بہت سارے ماہروں نے متفقہ طور پر اس بغاوت سے دلچسپی ظاہر کی اور لارنس نے اپنی آخری کامیابی سے تقویت پا کر مختصر الفاظ میں ان سے یہ کہا کہ اگر وہ ہتھیاروں (خصوصاً دور مارنے والی توپوں) غذا، اور روپیہ سے مدد کریں تو وہ سارے ملک کو ترکوں کے خلاف ابھار کر انہیں مکہ سے لے کر دمشق تک سارے ملک عرب سے نکال باہر کر سکتا ہے۔

فوجی صدر مقام والے فلسطین میں اپنی مشکلات سے اتنے الجھے ہوئے تھے کہ بقول ان ہی کے یہ ''ضمنی معاملہ'' انہیں گرما نہ سکا۔

عرب بیورو Arab Bureau (اس زمانے میں اسے یہی نام دیا گیا تھا) کو خاموش

رکھنے کے لیے انہوں نے رائفلوں، بندوقوں اور روپیوں کے لمبے چوڑے وعدے ضرور کئے لیکن ان کو ایفاء نہ کر سکے اور لارنس مختلف جرنیلوں کو یہ سمجھانے کی کوشش کرتا پھرتا رہا کہ بغاوت عرب سے بہت کچھ ہو سکتا ہے۔

ایک کھلی ہوئی حقیقت البتہ ان عہدہ داروں کی سمجھ میں آ گئی یعنی یہ کہ ترک لارنس کے اقدامات سے بہت بدحواس ہو چکے تھے۔جس کو وہ ابتداء میں ایک معمولی بغاوت سمجھ بیٹھے تھے وہ ساحلی علاقوں پر چھا گئی تھی اور کئی بندرگاہیں فتح کر لی گئی تھیں اس سے حجاز ریلوے لائن کو سخت خطرہ پیدا ہو گیا تھا۔ترکوں کے لیے کمک رسانی میں سہولت کی خاطر اس ریلوے لائن کا چالو رکھنا ضروری تھا۔

لارنس کو کوئی زیادہ کامیابی نہیں ہوئی۔اور اس نے Veth واپس ہو کر اپنی فوج سے جا ملنے کا تہیہ کر لیا تا کہ اس کا اندازہ لگا سکے کہ ان لوگوں کے ذریعے کیا کیا جا سکتا ہے۔

اس نے خیال کیا کہ اگر وہ لڑائی کو ان کے لیے زیادہ جاذب نظر بنا دے تو وہ یقیناً اس کی پیروی کریں گے۔

یہ چھوٹی بستی بدل سی گئی تھی۔اس کے دونوں بازوؤں پر ساحل سے شروع ہوتا ہوا جو ایک معمولی چڑھاؤ تھا جہاں فیصل کی فوج پڑاؤ ڈالے تھی۔شریف علی کی منظم فوج کی صفوں کے پیچھے عرب کے ہزاروں خیمے کھڑے تھے جو ندیا کھوہ میں گڈمڈ پھیلے ہوئے تھے۔

اور اس کے پرے اونٹوں کے کاروان کے کاروان مسلسل آنے جانے لگے تھے جن کے ساتھ اندرون ملک کے وہ پرجوش قبیلے والے ہوتے جو ان خبروں کو سن کر جو ملک کے اس سرے سے اس سرے تک پھیل چکی تھیں، کھنچے چلے آتے تھے۔

بستی کے شمال میں انگریزی اور مصری افواج کی چھوٹی صفوں کے کیمپ تھے جہاں لارنس خود اپنے لوگوں سے بات چیت کرتا گھوما کرتا۔

رسد کی فراہمی اور رائفلوں کی مرمت کے لیے لارنس نے دو ایک انگریز عہدہ دار اور سپاہی مانگ لئے تھے جنگ ہو یا نہ ہو عرب خوشی کے مظاہرہ کے طور پر ہوا میں رائفل اور روالور چھوڑنے سے

باز نہ آتے تھے اور گولیوں کے زمین پر گرنے سے ان میں کافی جوش پیدا ہو جاتا تھا۔ ایک گروہ کو بحری ہوائی طیارے کا بم مل گیا جس سے وہ بہت دیر تک کھیلتے رہے اور جب وہ پھٹا تو کئی ہلاک ہو گئے۔

وقتاً فوقتاً دوسرے قبیلوں کے لوگوں کو دیکھ کر جن سے وہ اکثر لڑا کرتے تھے ان کا نسلی تنفر ان پر غالب آ جاتا تھا۔

پڑاؤ کی زندگی کے ان مسلسل بدلتے ہوئے مناظر میں لارنس ہر جگہ جا نکلتا اور ہر خیمہ کے الاؤ پر اس کا خیر مقدم کیا جاتا۔ وہ ہمیشہ استفسارات کرتا رہتا خصوصاً ان لوگوں کے متعلق جو شمال کی پہاڑیوں سے آ رہے تھے۔

بتدریج لیکن یقینی طور پر وہ اپنے پرانے خوابوں کو حقیقت کا جامہ پہنا رہا تھا۔

''وجہ'' کی فتح سے جوش و خروش پیدا ہو چکا تھا کہ کئی عرب پورے ملک پر ہلہ بولنے پر آمادہ نظر آنے لگے جہاں پہنچیں آگ لگائیں اور لوٹ مچائیں۔ عربوں کی ان ترنگوں کو دبانا لارنس کے لیے کوئی آسان کام نہ تھا اس لیے کہ یہ عربوں کی فطری جنگجویانہ زندگی تھی۔ وہ فیصل سے مسلسل کئی کئی گھنٹوں تک گفتگو کرتا رہتا اور اس کو سکھاتا پڑھاتا کہ مہم کے لیے کیا کیا مواقع ہیں وہ اس سے اس وقت تک ٹھہرے رہنے کی التجا کرتا جب تک وسطی علاقوں اور شمال کے بڑے بڑے قبیلے اس کے مقصد کے لیے اپنی پوری امداد اور وفاداری پیش نہ کر دیں۔

صحرا کے شیوخ کے پاس ان پیغامات کے ساتھ قاصد دوڑائے گئے کہ وہ قابل نفرت ترکوں کو ملک سے نکال باہر کرنے کے لیے حجاز کے طاقتور بادشاہ اور اس کے بیٹوں کی مدد کریں۔ بیشتر قاصدوں نے ہر کیمپ پر اس عجیب شخص کا کچھ نہ کچھ حال بتا کر جو فیصل کے سیدھے جانب سوار ہو کر نکلتا تھا ان پیاموں میں بہت کچھ اضافہ کر دیا وہ کہتے کہ وہ ایسا شخص ہے جو جب چاہتا ہے چلا آتا ہے اور جب چاہتا ہے چلا جاتا ہے۔ جس کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ عظیم الشان انگلسی قوم کے بڑے آدمیوں میں سے ایک ہے اور جو خود بڑا صاحب اقتدار ہے وہ یہ بھی کہتے۔

''وہ ہم میں سے نہیں ہے لیکن وہ ہم کو جانتا ہے ہماری زبان میں گفتگو کرتا ہے اور ہمارے

جیسی زندگی بسر کرتا ہے۔

پھر وہ ہے کون؟

ممکن ہے کوئی شہزادہ ہو۔ہم پوری طرح تو نہیں جانتے۔ ہاں اتنا جانتے ہیں کہ اس کی آنکھیں نیلی ہیں۔،، کسی عرب کی آنکھیں نیلی نہیں ہوتیں اس وجہ سے بھی لارنس کی فسوں گری کی تصدیق ہوتی گئی۔

تمام ملک عرب میں افسانوی طاقت وشجاعت اس سے منسوب کی جانے لگی حتیٰ کہ ترک بھی جواس کو محض فضول بکواس سمجھے ہوئے تھے اس طرف متوجہ ہونے لگے۔

انہوں نے اس پراسرار قائد کے قصوں کے پیچھے چھپی ہوئی حقیقت معلوم کرنے کے لیے جاسوس دوڑائے۔لیکن انہیں کامیابی بہت کم ہوئی وہ اس پراسرار شخص کے متعلق بہت کچھ سن لے سکتے تھے لیکن اس کو دیکھنا انہیں نصیب نہ ہوسکا۔

اس درمیان میں لارنس کے مشورہ کے بموجب فیصل، شیوخ کا خیرمقدم کرتا رہا جواس کے کیمپ پر اپنی خدمات پیش کرنے کے لیے آنے لگے تھے۔انہیں قرآن پر حلف اٹھانا پڑتا کہ وہ اپنے جھگڑے بھول جائیں گے۔اور سارے عربی زبان کے بولنے والوں سے متحد ہوکر عرب قوم کی آزادی کے لیے لڑیں گے۔لارنس نے فیصل کو اس کام میں قائد بنایا تھا۔اس کا یہ انتخاب غلط نہ تھا۔فیصل بھی پہلے پہل Ynuob بینوب میں لارنس کو دیکھ کر بہت خوش ہوا تھا اور لوگوں کے ساتھ اس کے غیرطبعی بلکہ عجیب وغریب برتاؤ کو دیکھ کر اس کی عزت کرنے لگا تھا۔وہ جانتا تھا کہ کچھ اور نہ سہی صرف اس کی بہادری کے سبب اسکے ملک والے اس کی پیروی کریں گے۔ایک تبسم کے ساتھ اس کو وہ بات یاد آ گئی جواس نے جدے پر پیغام پہنچنے کے وقت کہی تھی جس وقت کہ اس نے ایک شخص مسمی لارنس کے دیکھنے کا ذکر کیا تھا۔

انگریز سپاہی بہت مصروف رکھے گئے تھے وہ عربوں کے ہتھیاروں کی مرمت کے لیے بھجوائے گئے تھے اور رائفل اور روالور کی مرمت پر سے ان کی صناعی کی تصدیق ہوتی تھی۔ان میں سے

بعض رائفل تو اتنے پرانے تھے کہ ان کو یکجا رکھنے کے لیے نال پر ٹین کے پتر مڑ دیئے گئے تھے بیشتر تو اس حد تک بوسیدہ ہو چکے تھے کہ ان کا چھوٹنا ہی ایک عجوبہ تھا۔ آرڈیننس کے مرمت کرنے والے لوگ یہ سمجھے کہ وہ ایک دیوانی دنیا میں پہنچ گئے ہیں اور عجائب گھر کے ہتھیار موجودہ جنگ میں قابل استعمال بنانے کے لیے انہیں دیئے جارہے ہیں۔ بعض ہتھیار تو آزمائش کے وقت ہی پھوٹ گئے۔ دوسرے ٹکڑے ٹکڑے ہو گئے۔ بعض میں لبلبی کو تار کے کئی ٹکڑوں سے باندھ کر اپنی جگہ پر قائم رکھا گیا تھا۔ بعض کے نال کچھ جھکے ہوئے تھے زیادہ نہیں لیکن اتنے ضرور کہ صحیح نشانہ ناممکن ہو جائے۔

یہ جلوس بڑھتا رہا۔ وقتاً فوقتاً بعض باوقار شیخ ٹہلتے ٹہلتے پہنچ جاتے اور اپنا ہتھیار مرمت کے لیے دے آتے۔ ان لوگوں کے ہتھیار کندھوں میں بھری ہوئی چاندی سے پہچانے جاتے۔

بعض دفعہ بعض ایسی کم یاب تلواریں بھی صیقل کے لیے لائی گئیں جو خوبصورت بجتے ہوئے فولاد کا سینکڑوں سال پرانا ٹکڑا ہوتیں۔ ان کا ہر ذرہ بعض خزانوں کی طرح قیمتی ہوتا اور ان کی حفاظت بھی اس طرح کی جاتی۔ اس کے خمیدہ' نامبارک پھل کا مصرف موت کے گھاٹ اتارنا ہوتا۔ جس کو مشرقی قومیں بہت پسند کرتی ہیں جب وہ لارنس کو بتایا جاتا تو وہ فوراً پہچان جاتا۔ اس کو الٹ پلٹ کر دیکھ کر بتا دیتا کہ یہ قرون وسطیٰ کے زمانہ کی محفوظ شاندار یادگار ہے۔

اس پر اسے از سر نو اس جم غفیر کے متعلق سوچنا پڑا جو خود کو فوج کہتا تھا رائفل 20 سال سے لے کر سو سال کے پرانے تھے۔ روالوروں کا بھی یہی حال تھا اس کے علاوہ دوسرے ہتھیاروں میں خنجر، تلواریں اور بھالے شامل تھے۔ یہ فوج تھی جس کے ساتھ وہ ترکوں کی طاقت سے جرات آزما ہونا چاہتا تھا۔ عرب جب چاہتے گھروں کو چلے جاتے اور جب چاہتے لڑنے پر بھی آمادہ ہو جاتے وہ ایک قہوہ کی پیالی پینے کی خاطر لڑائی روک دینے تک کی پروانہ کرتے اور ساتھ ہی اگر وہ خود لارنس سے بیزار ہو جاتے تو اس کا گلا کاٹ دینے میں بھی دریغ نہ کرتے اس موقع پر لڑائی کی کمی کے سبب وہ ملول اور دلگیر تھے اور زود حس ہو گئے تھے۔ وہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہتے تھے۔ اور لارنس پر یہ لازم تھا کہ انہیں کسی نہ کسی دھاوے پر لے جائے جو ان کے تھکے ہوئے جذبات کو تازہ کر دے۔

''حرکت''! بس یہی ایک بنیادی لفظ تھا۔ لارنس کو اس صورت حال کا قریب سے مطالعہ کرنے کا موقع ملا تھا۔ اس لیے ایک معاملہ میں جس کو دوسرے مشیر کار آگے بڑھانا چاہتے تھے لارنس سے اختلاف آراء ہو گیا مشیروں کا خیال تھا کہ راست مدینہ پر حملہ کر دینا چاہیے جو ایک ریلوے جنکشن بھی ہے۔

لیکن لارنس اس کو تضیع اوقات سمجھتا تھا اس کا خیال تھا کہ وہ کسی صورت میں بھی اتنے طاقتور نہیں مانے جا سکتے کہ مدینہ کو فتح کر لیں جس کے استحکامات اتنے مضبوط تھے اور جس کے متعلق ترکوں نے حکم دے رکھا تھا کہ کسی قیمت پر بھی اس پر قبضہ برقرار رکھا جائے۔

اس نے خیال کیا کہ مدینہ کے قریب ایک کافی بڑی فوج کا رکھنا آسان ہے ترک اس پر حملہ آور ہونے سے تو رہے کیونکہ ان کے پاس اتنے آدمی نہیں ہیں اور جب تک کہ ترک محصور ہیں اس وقت تک عربوں کو ان پر حملہ کرنے کی ضرورت بھی نہیں لڑائی لڑنے کا یہ آسان طریقہ تھا جو لارنس کے اصول کے بالکل موافق تھا۔

وہ کچھ خوش تھا اس لئے کہ انگریز عہدہ داروں نے اپنے بعض وعدے ایفاء کئے تھے۔ انہوں نے ہتھیار بند موٹریں بھجوائی تھیں اور مصری فوجیں بھی اتاری تھیں۔ کرنل جوائس کو بھی انہوں نے بھیجا تھا وہ لارنس کی بالکل ضد تھا۔ یعنی 6 فٹ 4 انچ کا دیو نما انسان تھا لارنس اور جوائس کو باہم دیکھ کر عرب ہنس پڑے۔

عرب کے کیمپ کے عقب میں لارنس اور فیصل کچھ باتیں کر رہے تھے کہ ایک عرب دوڑتا ہوا آیا اور شہزادہ فیصل سے سرگوشی کرنے لگا۔

فیصل نے مڑ کر لارنس کی طرف دیکھا اور کہا اعدا آ گیا۔ وہ اپنی ہمیشہ کی متانت کو بھول گیا تھا امداد کے لیے عرب کے ایک زبردست جنگجو کی آمد ان کے لیے صحیح معنی میں باعث فخر و مباہات تھی۔

لارنس اس نام سے واقف تھا اور اس کو دہرانے لگا۔ خیمہ کا پردہ ہٹا۔ ایک قد آور ستوان ناک کا خوبصورت شخص جس کے چہرہ پر داڑھی اور خشم ناک موچھیں تھیں انہیں کھڑا دیکھ رہا تھا۔ جب وہ

آگے بڑھا تو گہری آواز میں یوں گویا ہوا۔

حضور! مومنوں کے سردار۔ یہ کہہ کر فیصل کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کو بوسہ دیا۔ اعدا کے پیچھے اس کا گیارہ سالہ لڑکا تھا وہ بھی مسلح تھا اور رائفل ساتھ رکھتا تھا بعضوں نے یہ بھی کہا ہے کہ اس عمر میں بھی وہ قبیلہ کے دشمنوں کو مار چکا تھا۔

لارنس کے نزدیک اعدا کی آمد بہت بڑی بات تھی۔ دوسرے اقدام کا خیال جو بہتوں کو نادرست معلوم ہوا ہوگا اس کے دل میں جاگزیں تھا۔ لیکن خود لارنس کو اس کا علم نہ تھا کہ اس کو بروئے کار کس طرح لانا چاہیے۔

تمام عربستان میں بہترین فوجی مرکز عقبہ ہی ہوسکتا تھا جو رومیوں کے عہد کی قدیم بندرگاہ ہے رومیوں سے پہلے شاہ سلیمان کے عہد میں بھی اس کو شہرت حاصل تھی یہاں سے کاروان تمام اقطاع ملک کو جاتے اور جاسکتے تھے لہذا اس کو فتح کرنے کے یہ معنی تھے کہ ترکوں کو ریلوے کی طرف لوٹ جانا اور اگر اپنی سلامتی چاہیں تو وہیں ٹھہرے رہنا پڑے گا۔

لیکن عقبہ کی فتح بہت دشوار تھی۔ یہ خلیج عقبہ کے آخری کونے پر واقع ہے اور ترک اس کی اہمیت کو پوری طرح سمجھے ہوئے تھے۔ مٹی کے دھسوں اور خندقوں سے اس کو مستحکم کیا گیا تھا اگر سمندر کے راسے بحری بیڑے کے ذریعہ حملہ کیا جاتا تو بندرگاہ کا سر کرنا بہت دشوار تھا اور اگر زیادہ نشیب میں فوجیں اتار کر ساحل پر حملہ کیا جاتا تو اس کے لیے کافی فوج کی ضرورت تھی اور اس طرح کی کارروائیاں تربیت یافتہ افواج کا کام تھیں۔ غیر تربیت یافتہ عربوں کے بس کی نہ تھیں۔ نتیجتہ سمندر کی راہ سے حملہ کرنے کا خیال خارج از بحث ہو گیا۔

اس کے بجائے لارنس کو ایک دوسرا منصوبہ سوجھا۔ عقبہ اور اس کے مضافات سے لارنس خوب واقف تھا جنگ سے پہلے اس نے اس دیار کی جو چھان بین کی تھی وہ اسے بھولی نہ تھی اور لوگ جس کو ناقابل گزر پہاڑی سلسلے سمجھتے تھے ان میں بھی وہ ان پگڈنڈیوں کا پتہ چلا چکا تھا جو پہاڑ کی چوٹی تک پہنچتی تھیں۔ وہاں خفیہ ایک شخص کے گزرنے کے راستہ سے بھی واقف تھا جو صدہا سال پہلے استعمال

ہوتا تھا اور اب بھلا دیا گیا تھا۔

ان باتوں کو دھیان میں رکھ کر اس نے ایک طویل اقدام کا منصوبہ سوچا یعنی دشمن کی فوج سے بچ کر اس مورچہ کے پیچھے سینکڑوں میل جایا جائے اور اندرون ملک سے ہوتے ہوئے عقبہ تک پہنچا جائے۔اس میں 500 میل کا پھیر تھا۔صرف منتخب اور طاقتور لوگ ہی اس اقدام میں شریک ہو سکتے تھے۔

اس میں کئی ہفتے لگ جاتے تھے۔اس کی مثال ایسی تھی جیسے لندن سے اسکاٹ لینڈ ہوتے ہوئے ویلز پہنچنا۔جس چیز نے لارنس کو اس منصوبہ پر آمادۂ عمل کیا وہ اس کا اصول حرب تھا جو دشمن کو بھونچکا دینے سے عبارت تھا۔دشمن کی آنکھیں سمندر کی طرف لگی ہوں گی۔ایسی صورت میں سمندر کے راستہ حملہ کرنے میں ہزاروں آدمیوں کی جانیں تلف ہوں گی۔اس لئے وہ ان پر پیچھے سے حملہ کرے گا جس کا انہیں وہم وگمان بھی نہ ہوگا۔وہ جتنا زیادہ غور کرتا گیا اسی قدر اس پر اس کا وثوق بڑھتا گیا اور چونکہ عرب سردار اعدا ابو طے مدد دینے ہی کے لیے آیا تھا اس لیے لارنس اس کام میں اس سے ضرور مدد لینا چاہتا تھا۔اعدا ابو طے شاید تمام عربوں میں سب سے زیادہ مشہور لڑنے والا تھا۔

لارنس اور دوسرے عرب سردار جب شام کے کھانے پر بیٹھے تو یہ اور اسی سے ملتے جلتے خیالات اس کے دماغ میں گزر رہے تھے اور جب لارنس نے ان سے کہا کہ ڈائنامیٹ کے ذریعہ ریلوے کو کس طرح اڑایا جا سکتا ہے تو وہ بہت مسرور ہوئے۔

اتنے میں اعداء کی ایک چیخ سنائی دی۔

''خدا نہ کرے! اس نے گرج کر اپنی انتہائی بلند آواز میں کہا اور خیمہ سے نکل بھاگا۔

باہر سے کسی چیز کے کوٹنے کی آواز آ رہی تھی۔لارنس بھی اس عجیب وغریب حرکت کی وجہ معلوم کرنے کے لیے باہر نکل آیا۔

اعدا نے اپنے مصنوعی دانت منہ سے باہر نکال لیے تھے اور چٹان پر رکھ کر بڑے پتھر سے اس کو چکنا چور کیے ڈالتا تھا اور غضب ناک ہو ہو کر قسمیں کھاتا جاتا تھا۔

لارنس نے پوچھا'' تجھے کیا تکلیف ہے۔''

خدا مجھے معاف کرے میں صرف بھول گیا تھا۔

لارنس نے پوچھا۔

بھول کیا گیا تھا!

بھول یہ گیا تھا کہ میں اپنے آقا کی غذا ان دانتوں سے چبا رہا ہوں جو مجھ کو ایک ترک جرنیل نے دیئے تھے جب یہ کہہ چکا تو زمین پر تھوک دیا۔

یہ مثال تھی ترکوں سے اس کی نفرت اور فیصل سے وفاداری میں اس کے غلو کی۔ اس کے اصل دانت شاید ہی ہوں گے اور دانتوں کے نئے چوکے کے لیے اس کو کئی ہفتہ ٹھہرنا پڑا ہو گا۔

دوران طعام میں لارنس نے پتہ لگا لیا کہ اعدا کس قماش کا آدمی ہے وہ اس کو قبیلہ Howeitat کے سردار کی حیثیت سے تو جانتا تھا لیکن اس کی زندگی کی بیشتر تفصیلات سے ناواقف تھا۔

خود اپنے خیمہ میں وہ بڑا مہمان نواز تھا۔ غریب اسکے ہاں سے کبھی بھوکا نہ جاتا۔ مہمانوں کی خوب خاطر تواضع کرتا اس کی 28 بیویاں تھیں۔ وہ 60 سال کے لگ بھگ تھا اور ہمیشہ دشمن قبیلوں سے لڑتا بھڑتا رہا تھا۔ خود اکیلا 75 لوگوں کو موت کے گھاٹ اتار چکا تھا۔ جو سب کے سب عرب تھے اور یلیکی Dual مقابلوں میں مارے گئے تھے۔ اس نے جتنے ترک قتل کئے تھے ان کو اپنے حساب سے خارج سمجھتا تھا۔ وہ ان کو آدمی ہی نہ سمجھتا تھا۔ اس لیے ان کی تعداد کو فراموش کر گیا تھا۔ وہ چوروں کا واقعی سردار تھا اور اپنے سارے ہمسایوں کا جانی دشمن تھا اس لیے جب جی میں آتا ان پر حملہ کر بیٹھتا اس کی سب سے بڑی کمزوری اس کا غصہ تھی۔ جس کو کوئی شخص روک نہ سکتا تھا وہ بڑا ضدی تھا اور اپنے ہر ارادے کو پورا کر کے رہتا۔ اگر چہ اس میں وہ غلطی ہی پر کیوں نہ ہو بحیثیت مجموعی وہ قسی القلب انسان تھا۔ لیکن باین ہمہ سب اس کو چاہتے تھے اس لیے کہ اس کے دل اور روح اور عادات واطوار میں بچوں کی سی سادگی تھی۔ اپنے زبردست دھاوے میں لارنس کو اسی قسم کے رفیق کار کی ضرورت تھی۔ اور عین اس

کی منصوبہ آرائیوں کے درمیان اعدا کی آمد نے لارنس میں اپنے ارادہ کو عملی جامہ پہنانے کے خیال کو مستحکم کردیا۔

باب 6

اس منصوبہ کی تکمیل میں کچھ وقت لگ گیا۔ سب سے اول اس کو مدینہ پر حملہ کرنے کے خیال پر پوری طرح پانی پھیر دینا تھا اور خود اپنے دوسرے منصوبہ کی توثیق اس کو فوجی صدر مقام سے حاصل کرنی تھی۔ اس کا خیال تھا کہ اگر منظوری نہ بھی ملے تو بھی وہ اس کو پورا کر کے رہے گا۔ اس نے اپنی رپورٹ لکھی لیکن دوسرے مشیر کار نے علیحدہ رپورٹ اس کے خلاف میں لکھی لیکن اس سے پست ہمت نہ ہو کر لارنس اپنی رپورٹ لے کر روانہ ہو گیا تا کہ بذات خود اس معاملہ میں بحث کر سکے۔

اپریل 1917ء کے آخری دن تھے کہ لارنس مصر پہنچا اور آغاز مئی پر وجہWaji واپس آ گیا۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ اس کو اپنا راستہ ہی اختیار کرنا پڑے گا اس لیے کہ مدینہ کے حملہ کا پروان چڑھنا ناممکن تھا اور کچھ عرصہ کے لیے اس کو دور دراز کا سفر بھی درپیش تھا۔

اعدا اس سے کئی دفعہ تبادلہ خیال کر چکا تھا اور مئی کی نویں تاریخ پر ہر چیز تیار تھی۔ دوپہر کا وقت تھا کہ وہ سفر پر روانہ ہوئے اور یہ جانتے ہوئے بھی کہ سفر بہت طویل ہے لارنس اور اس کا نیا دوست اعدا بہت خوش تھے۔ اعدا گول مول باتیں کبھی نہیں کرتا تھا اور نہ وہ کھسیانی ہنسی ہنستا تھا اس لیے جب وہ پہلی منزل پر بڑھنے لگے تو مسرت سے اس کی آواز گرجنے لگی۔ اونٹ کی سواری ایسی چیز ہے جس کو یورپ والے آسانی سے نہیں سیکھ سکتے۔ اس کے ہلکے ہلکے دوڑنے میں حرکت تیز اور جھٹکا دینے والی ہوتی ہے اور اس کی تیز رفتاری میں یہی حرکت جھلانے والی ہو جاتی ہے۔ عموماً راستہ چھڑی کے ذریعہ دکھایا جاتا ہے وہ اس طرح کہ اونٹ کو جس طرح موڑنا ہو اس کے مخالف سمت میں اس کی گردن پر چھڑی ماری جاتی ہے مثلاً اگر آپ کو بائیں سمت میں جانا ہو تو گردن پر دائیں طرف چھڑی سے اشارہ کرنا چاہیے اونٹ پر چڑھنا اترنا عموماً دو طریقہ پر ہوتا ہے یعنی یا تو تیزی سے چڑھنا اترنا یا پھر گر پڑنا۔

اگر آپ اپنے اونٹ کو قابو میں رکھنا چاہتے ہوں تو اس کی اگلی مڑی ہوئی کسی ایک ٹانگ کو

رسی سے باندھ دیں۔اس پر بھی اگر اونٹ چاہے تو اٹھ سکتا ہے لیکن وہ اپنی تین ٹانگوں سے محض کودتا پھرے گا۔اس لیے اس کا پکڑ لینا بہت آسان ہوگا۔

غیر آباد اور بنجر سرزمین کا یہ سفر ابتدا ہی سے بہت گرم تھا۔عرب صرف سروں کے اوپر ہی تپش نہیں محسوس کر رہے تھے بلکہ اس تنگ وادی کے دونوں بازوؤں سے جس میں سے وہ گزر رہے تھے حرارت عود کر آ رہی تھی۔یہ چیز ترکی کے کسی حمام میں بہت دیر تک غسل کرتے رہنے کے مشابہ تھی۔ بالآخر دوسرا دن جب ختم ہوا ال کر کے مقام پر کھجوروں کے درختوں کے سبب جان میں جان آئی یہاں ایک چھوٹا سا خیمہ کھڑا تھا اور اس کے چھوٹے سے ہرے بھرے باغ میں جو عین ریگستان کے وسط میں لگایا گیا تھا ایک بوڑھا اور اس کی بیٹیاں رہتی تھیں۔بوڑھے کے اسلاف اس زمین کو جوتتے آئے تھے اور صدیوں تک اسی کنوئیں کی نگہداشت کرتے رہے تھے۔بوڑھا بھی انہیں کی طرح ان ہی کے استعمال کئے ہوئے ہتھیاروں سے کام کرتا رہا تھا یہ ایک فرحت بخش مقام تھا اور چونکہ لارنس ایک مخصوص سردار سے دو روز تک نہیں مل سکتا تھا اس لیے سب کے سب دو راتوں تک ال کر میں ٹھہرے رہے۔

ہر رات نغمہ و سرود کے ہمہ اقسام کے جلسے رہتے۔دو سپاہی جو اسی کیمپ میں ٹھہر گئے تھے اپنے ساتھ چھتارے لے آئے تھے اور الاؤ کے آگے بیٹھے شام کے وقت ہر روز انہیں بجایا کرتے اور اپنے ملک شام کے گیت گاتے جاتے۔

دوسرے دن بلکہ کہنا یہ چاہیے کہ دن کے دو بجے سفر پھر شروع ہوا۔5 بجے کے قریب وہ اس ڈھلوان بلندی پر گھسٹ گھسٹ کر چڑھ رہے تھے جہاں راستہ اتنا تنگ تھا کہ صرف بکریوں کے لیے قابل گزر ہو سکتا تھا۔بالآخر اونٹوں سے اترنا پڑا اور انہیں اوپر کھینچنے اور دھکیلنے کی ضرورت پیش آئی۔ اونٹ گر پڑے اور ان کے پاؤں ٹوٹ گئے اس وقت انہیں ذبح کیا گیا اور اسی مقام پر ان کے ٹکڑے کئے گئے۔آئندہ ان کا گوشت استعمال کیا جا سکتا تھا۔جس ڈھلوان بلندی پر انہیں چڑھنا پڑا تھا اب ویسا ہی ڈھلوان اتار شروع ہوا۔ایک گہری سایہ دار وادی میں پڑاؤ ڈال دیئے گئے۔یہاں انہیں آرام

پانے کا دوسرا موقع ملا۔ لارنس کو یہ مقام اتنا پسند آیا کہ وہ ایک چٹان کے چھجے پر چڑھ کر تصورات میں ڈوبا پڑا رہا۔

انگلستان دور بہت دور نظر آتا تھا۔ اس خیال سے اسے اچنبھا سا ہوا کہ اس کا یہ مجنونانہ سفر آخر کب اور کہاں جا کر ختم ہوگا۔

شام کے وقت وادی کے نشیب میں لارنس اور اعدا اس قاصد کے منتظر بیٹھے تھے جو آ کر یہ کہنے والا تھا کہ آگے جا سکتے ہیں۔ دوسرے دن اعدا نے قافلہ کی قیادت کی۔ قیادت ہی صحیح لفظ ہوگا اس لیے کہ وہ ہر نشیب وفراز پر چڑھتے اترتے چکر کاٹتے بڑھے جا رہے تھے۔ ابھی چٹانوں کی دراز کے گہرے سایہ میں تھے اور ابھی چمکتی اور چبھتی ہوئی دھوپ میں نکل آئے۔ اس ملک میں جہاں ہر طرف یکسانی چھائی ہوئی تھی اور کسی راستہ کا نشان بھی نہ ملتا تھا۔ اعدا کا بغیر کسی پس وپیش کے راستہ معلوم کر لینا ایک امر محال معلوم ہوتا تھا بالآخر ایک بلندی پر چڑھنے کے بعد بہت دور آگے کی طرف انہیں ریل کی لمبی پٹڑی نظر آئی۔ ریلوے کے علاوہ ایک اور منظر بھی تھا جس کو دیکھ کر انہیں رک جانا پڑا۔ ریلوے کی طرف سے چند سوار چلے آتے تھے۔

لارنس اعداؔ کی طرف بڑھا۔

اس نے پوچھا۔ ''کیا وہ دوست ہیں؟''

اعدا نے کوئی جواب نہ دیا۔ اس کے ہاتھ رائفل پر تھے اور اونٹ کے کجاوے پر ایک دوسرے کو قطع کرتے ہوئے رکھے تھے۔ جو بھی ہوں وہ تو تیار تھا۔

لارنس کا دایاں ہاتھ اس کے روالور پر پڑا۔ جب یہ دونوں چھوٹے جتھے بڑھ کر آگے آئے تو معلوم ہوا کہ ان کے پیش پیش جو لوگ ہیں وہ عربی افواج سے تعلق رکھتے ہیں اور جب بہت قریب آن پہنچے تو پہلا سوار مضطرب صورت کے سرخ رنگ کی داڑھی والا۔ انگریز عہدہ دار ہارن بائے نکلا۔ لارنس سن چکا تھا کہ وہ ریلوے کے بعض حصوں کو اڑا دینے میں مدد کر رہا ہے وہ اس سے مل کر خوش ہوا۔

یہ ان کی پہلی ملاقات تھی۔ ایک دوسرے کے خیر مقدم کے بعد یہ دونوں تن تنہا انگریز جونت

نئے موانعات کے باوجود جنگ عظیم میں اپنا کام کیے جا رہے تھے اپنے اپنے راستہ پر چل پڑے۔

دوسرے دن یہ قافلہ ریلوے تک پہنچ گیا اور اس کے ایک حصہ کو اڑا دینے کی تیاریاں بعجلت کر لی گئیں۔ ڈائنا سمنٹ کو اعدا نے آج پہلی بار دیکھا جب سرنگ اڑتی اور اس کے ساتھ ریل کی پٹریاں بھی فضا میں بلند ہوتیں تو وہ خوش ہوتا اور قہقہے لگاتا تھا۔

لارنس اور اس کے ساتھیوں کے پاس اب پانی اتنا رہ گیا تھا کہ وہ صرف ایک بار پی سکتے تھے۔ اس لیے انہوں نے اپنی مشکیں بھر لیں اور صحرائے ال ہول میں سفر کا سب سے بدترین حصہ طے کرنے پر آمادہ ہو گئے۔

دو دن تک جس دوران انہیں سونے کو بہت کم موقع ملا تھا وہ اس ویرانے میں آگے بڑھتے رہے زمین سپاٹ تھی اور گرم وخشک ہوا برابر ان کے چہروں پر دھول اڑا رہی تھی۔

کاروان کی قطار دو میل لمبی ہو گئی تھی۔ جب وہ آگے بڑھتے جاتے تو انہیں وقتاً فوقتاً کوئی سراب نظر آتا انہیں الجھن ہونے لگتی اس لیے کہ سراب کی ان بڑی بڑی جھیلوں میں سے سواروں کی پرچھائیاں ان کی طرف تیرتی ہوئی نظر آتیں۔ لارنس کی آنکھیں اتنی اکتا گئی تھیں کہ سراب اور اصلی چیزوں میں امتیاز دشوار ہو گیا تھا۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ سب آدمی موجود ہیں یا نہیں وہ انہیں شمار کرنے کی کوشش کرتا رہا تھا دو تین دفعہ کے شمار میں معلوم ہوا کہ ایک کی کمی ہے۔

آخر کار شمار کرتا وہ کاروان کے سرے تک جا پہنچا اور یہ معلوم کر کے اسے بڑی مایوسی ہوئی کہ اس کی گنتی صحیح تھی ایک عرب خالی اونٹ لیے چلا آتا تھا۔

لارنس کو بہت غصہ آیا اس اونٹ کے سوار نے اس کو کوئی اطلاع نہیں دی تھی اور یہ بات لارنس کو سخت ناپسند تھی کہ اس طرح کوئی شخص کھو جائے اور سختیاں جھیلتا رہے۔

اونٹ والے نے کہا۔ یہ غاصم کا اونٹ ہے۔

وہ خود کہاں ہے۔

آدمی نے جواب دیا۔

حضور! مجھے اس کی کیا خبر۔

ایک ایک کے پاس سے لارنس غاصم کا پتہ پوچھتا ہوا گزرا۔ آخر کار سب کو ماننا پڑا کہ وہ کھو گیا۔ لارنس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ آخراب کیا کیا جائے۔

غاصم کئی میل پیچھے رہ گیا ہوگا اور سچ تو یہ ہے کہ پیاس کے مارے اب تک مر بھی چکا ہوگا اس کی تلاش میں کسی دوسرے کو بھیجنے کا مطلب یہ تھا کہ وہ بھی ختم ہو جائے گا۔ غذا اور پانی کی قلت کے سبب سب کے سب کمزور ہو گئے تھے اور اس دہشت ناک سفر نے ان کی ساری قوت بٹھا دی تھی۔ گمشدہ غاصم کو بچانے کی کوشش کو سب کے سب دراصل فضول سمجھتے تھے۔ انہوں نے کہا اس کے ہم پر کوئی حقوق نہیں ہیں اور وہ شخص اس قابل بھی نہ تھا کہ اس کے لیے تردد کیا جائے۔

لارنس اس پر غور کرنے لگا۔ وہ ان کا قائد تھا اس لیے خود پر لازم سمجھا کہ واپس جائے اور اس بے وقوف کا پتہ چلانے کی کوشش کرے۔

اگر وہ قائد تھا تو کیا اس پر یہ بھی لازم تھا کہ ایک فضول عرب کی تلاش میں جو ممکن ہے اس وقت تک مر چکا ہو۔ اپنی جان کو صحیح معنی میں جوکھوں میں ڈالے۔

دل ہی دل میں یہ سوچتے ہوئے اس نے اپنے اونٹ کی نکیل پیچھے کی طرف موڑ دی۔ تقریباً دو گھنٹوں بعد ایک انسانی پیکر تلملاتی دھوپ میں سامنے سے آتا دکھائی دیا۔

کیا یہ بھی کوئی دھوکہ دینے والا سراب تھا یا کوئی جھاڑی تھی یا کوئی شخص تھا؟

لارنس نے للکار کر پکارا۔ جواب میں ہاتھوں کی کمزور حرکت نظر آئی۔ یہ اسی کا آدمی تھا ۔لارنس اپنے اونٹ کو آگے بڑھا لے گیا اور نیم اندھے اور پیاس سے دیوانے غاصم کو اٹھا لیا۔ اور اس کو اونٹ پر ڈال کر پھر دوبارہ قافلہ کی طرف روانہ ہو گیا۔

دھند میں دوسرے پیکر بھی ناچتے نظر آئے۔ اعدا اور دو اور شخص لارنس کی تلاش میں لوٹ آئے تھے۔ اگر چہ وہ غاصم کے ملنے پر خوش تھے لیکن یکے بعد دیگرے وہ اس کو گالیاں دینے لگے جس نے ان کے قائد اعظم کی زندگی کو خطرہ میں ڈال دیا تھا ساتھ ہی انہوں نے لارنس کو بھی اتنا ہی برا بھلا کہا

کیونکہ اس نے اس ناکارہ بے وقوف کے لیے اپنی جان جوکھوں میں ڈالی تھی۔

اس سفر میں پندرہ دن گزر چکے تھے۔ سفر کی سخت ترین صعوبتوں سے قطع نظر اس سفر کا یہی سب سے زیادہ ہیجان انگیز واقعہ تھا۔

شام ختم ہوئی تو ایسا معلوم ہوا کہ گویا ریت کا ایک بہت بڑا طوفان بڑا چلا آ رہا ہے۔ ریت کپڑوں سے گزر کر ڈستی معلوم ہوتی اور جسم پر سینکڑوں سخت سنگریزوں کی طرح آ آ کر لگتی۔

ان مصائب پر طرفہ یہ کہ پانی بالکل ختم ہو چکا تھا۔ ایسی صورت میں کھانا کھانا حماقت تھی اس لیے کہ اس سے پیاس اور بڑھ جاتی۔

اس لیے انہوں نے کچھ نہ کھایا اور نہ کچھ پیا۔ لارنس کی طرح سب کا یہی خیال تھا کہ دوسرے دن نخلستان تک پہنچنے کی توقع پوری ہوگی وہ اب صحرا کی زندگی کے آلام و مصائب سے مانوس ہو چلا تھا اس کا جسم کوڑا بنانے کی مضبوط بٹی ہوئی رسی کی طرح سخت ہو گیا تھا۔ اور اس کے جسم پر قاہرہ کے زمانہ قیام میں جو ملائمت آ گئی تھی وہ دور ہو گئی تھی۔

رات کی خنکی میں مختصر سے آرام کے بعد سوار پھر اپنی سواریوں کو لیے تیزی سے لیکن پوری خبرداری کے ساتھ آگے بڑھے تا کہ اس زمین دوز کنوئیں تک پہنچ سکیں جو وادی سرہان کے شمال میں 50 میل آگے تھا۔

یکایک سفر کے معمولی سے سکون میں خلل پڑ گیا۔ ٹیلہ کی جانب سے ان کی طرف گولیوں کی ایک بوچھاڑ ہو گئی اور اس میں ان کا ایک آدمی ایک وحشت ناک چیخ کے ساتھ لڑکھڑا کر گر پڑا۔ گولی اس کے سر میں لگی تھی زمین تک پہنچنے سے پہلے ہی وہ مر چکا تھا لارنس نے اپنے لوگوں کو فوراً اونٹوں سے اترنے کا حکم دیا تا کہ گولیاں چلانے والوں سے بچنے کے لیے اونٹوں کی آڑ پکڑ سکیں۔

لیکن مرنے والے کے ساتھی توقف نہ کر سکے اور جس طرف سے بندوقوں کی آواز آئی تھی اس طرف ہلہ بول دیا نعرہ لگا کر انہوں نے ریتلے ٹیلے کا محاصرہ کر لیا اور جب دوسری طرف مڑے تو انہیں نظر سے اوجھل ہوتا ہوا غبار نظر آیا جو حملہ آور جماعت کے بھاگنے سے پیدا ہو گیا تھا۔

اس بات کو کوئی زیادہ اہمیت نہ دی گئی۔ عرب جب کبھی اس عجیب ملک میں سفر کرتے ہیں یا جہاں کہیں بھی سفر کرتے ہیں تو حملہ کی مقادمت کے لیے ہمیشہ تیار رہتے ہیں۔ انہوں نے سمجھا کہ یہ صرف خدائی مشیت تھی کہ ایک منحوس گولی ان کے ایک ساتھی کے آ لگی۔ اس کو پتھروں کے ڈھیر کے نیچے دفن کر دیا گیا تا کہ لاش مردہ خور جانوروں سے محفوظ رہ سکے۔ اس کے بعد یہ قافلہ آگے بڑھ گیا اس حادثہ نے لارنس کو فکر مند کر دیا تھا۔ ''وجھ'' سے روانگی کے بعد دشمن کی یہ پہلی ضرب تھی جو انہیں سہنی پڑی تھی۔

بہر حال کنوؤں تک وہ بہت جلد پہنچ گئے اور وہاں اتر پڑے قاصد جس کا عرصہ سے انتظار تھا یہاں یہ خبر لے آیا کہ اعدا ابو طے کے قبیلے آگے کی وادی میں اترے ہوئے ہیں۔

سفر کا پہلا حصہ تو ختم ہو گیا۔ دوسری چیز محاصرہ عقبہ کے منصوبہ کی تکمیل تھی۔ لارنس کو ابھی یقین نہ تھا کہ یہ ملک جس میں اس کو سفر کرنا ہے اس کا ہم نوا ہو چکا ہے سرہان کی لمبی چوڑی وادی پر جس شیخ کی حکومت تھی ابھی اسے ترغیب دینا باقی تھا۔ شیخ سے ملنے کے لئے اعدا کو بھیجا گیا۔ لارنس نے اس کے کجاوے کے بغچوں میں سونے کی چھ تھیلیاں بھر دیں تا کہ شیخ کو ترغیب دینے میں ان سے مدد ملے۔

ایک ہفتہ تک لارنس قبیلہ Howeitat کے کیمپ کا خاص مہمان رہا اور ابتدائی تین دن کھانے پینے بات چیت کرنے اور سوتے رہنے میں گزر گئے۔

تیسرے دن وہ سرہان کی طرف روانہ ہوئے۔ اگر چہ سابق میں دو ایک سانپوں کے سبب پریشانی کا سامنا کرنا پڑا تھا لیکن اب پاپیادہ لوگوں کا بہت سا وقت پست جھاڑیوں پر لکڑیاں مارنے میں صرف ہونے لگا۔ رات کے وقت سانپ نکل آتے اور لوگوں کے کمبلوں پر کنڈلی مار کر بیٹھ جاتے۔ اس لیے صبح کے وقت بستر سے اٹھنا بڑا نازک کام تھا۔ اس لیے کہ انہیں کبھی یقین نہ ہو سکتا تھا کہ کوئی سانپ ان کے بستر کا حصہ دار تو نہیں ہو گیا ہے۔ سانپوں سے قطع نظر یہ سفر بڑے واقعات سے خالی تھا جون کے آغاز ہی پر اعدا لارنس سے پھر آ ملا اور یہ خوشخبری لایا کہ ترکوں کے پڑاؤ کے مقاموں کو چھوڑ کر ملک کا باقی حصہ ان کے لیے کھلا ہوا ہے۔

مستقبل قریب کے متعلق لارنس گہری سوچ میں پڑ گیا۔ایک امر تو یہ تھا کہ عقبہ پر حملہ کیا جائے۔لیکن وہ اس کا تعین کر لینا چاہتا تھا کہ میسوپیٹیمیا کی سرحد تک سارا ملک ترکوں کو شکست دینے میں مدد کے لیے اٹھ کھڑا ہو گا یا نہیں ایک ایسے وقت میں جب کہ سونا بے دریغ صرف کیا جا رہا تھا اور اطلاعات کے لیے ترک بڑی بڑی رقمیں صرف کر رہے تھے دوسروں کو شمال کے شیخوں سے ملنے پر آمادہ کرنا خطرہ سے خالی نہ تھا۔

اس کے لیے دشمن سے پٹے ہوئے علاقوں میں 14 '15 روز کے طویل سفر کی ضرورت تھی اور معلومات حاصل کرنے کا واحد ذریعہ ترکوں کے منصوبہ کا معلوم کرنا تھا۔اس لیے یہ لازم آیا کہ خود لارنس کو جانا چاہیے۔مصیبت یہ تھی کہ عرب چاہتے تھے کہ وہ انہیں کے ساتھ ٹھہرا رہے اس لیے اس کو چوری چھپے سے کھسک جانا پڑا کسی کو معلوم بھی نہ ہوا کہ 3 سے 18 جون تک لارنس پر کیا کچھ گزر گئی ۔ عرب جب وادی سرہان کے شمالی سرے پر نیگ تل پہنچ گئے تو لارنس غائب ہو گیا اور واپس اس طرح ہوا گویا وہ شام کی چہل قدمی سے واپس ہو رہا ہے یعنی ایک لحہ کے لیے تو کیمپ کو اس کی کوئی خبر نہیں ملی لیکن دوسرے ہی لمحے وہ خیمہ میں بیٹھا ہوا تھا۔اس پر سوالات کی بوچھاڑ کر دی گئی لیکن وہ جواب دینے سے بچتا اور کترا جاتا تھا۔

صرف اتنا کہتا۔" کچھ بات نہیں۔بعلبک ہو آیا۔

لیکن اسی " بعلبک ہو آیا" والے فقرے سے 5 سو میل کے سفر کی داستان پوشیدہ تھی وہ ترکوں کے پڑاؤ اور ان کی افواج کے درمیان نیز جرمن افسروں کی مجلسوں میں گھومتا گھامتا پھرا۔ناقابل یقین خطروں سے اسے گزرنا پڑا ہو گا۔اس لیے کہ ترک گرفتار شدہ جاسوسوں سے راز معلوم کرنے کے لیے سخت ہونکا سزائیں دیتے تھے اور معاً انہیں پھانسی دے دی جاتی تھی یا قتل کر دیا جاتا تھا۔

لارنس نے فوجی صدر مقام کے جرمن عہدہ داروں سے ان کے آئندہ منصوبوں پر بحث کی اور معلومات کے ساتھ لوٹا جو آئندہ چل کر بہت کار آمد ثابت ہوئے وہ ترکوں میں بھی گھل مل گیا اور انکے گرم گرم بحث مباحثوں میں بھی شریک رہا جس میں اس پر غور کیا جاتا تھا کہ عربوں کے اس انبوہ کے

متعلق کیا کیا جائے جن کی طرف سے جنوب میں خطرہ لگا ہوا ہے اس نے بڑے ہی ٹھنڈے دل سے اس پر اتفاق کیا کہ "اس دیوانہ انگریز کو پکڑے جانے کے بعد (اور وہ بہت جلد ہی پکڑ لیا جائے گا) سخت سزا دینی چاہیے جو بے شمار مزاحمتوں کا سبب بنا ہوا ہے۔

چند گھنٹے اس نے دمشق میں بھی گزارے اور غلہ کا تاجر کے بھیس میں ان اشیاء کی خرید وفروخت کرتا پھرا جو اس کی ملکیت نہ تھے کچھ عرصہ کے لیے وہ درزیوں کے ملک میں گھومتا پھرا۔ ترکوں کے ایک کیمپ سے جب معلومات حاصل کرنے کا کوئی وسیلہ نظر نہ آیا تو اس نے عورت کا روپ دھارن کر لیا۔

یہ سولہ روز تمام کے تمام اس نے دشمن کے ملک میں ان لوگوں کے میل جول میں گزارے جو چند ہی سکوں کے بدلے اس کا راز افشاء کر سکتے تھے۔ عربوں کی محافظت سے خود کو علیحدہ ہونے کی ساعت سے لے کر واپسی تک وہ اپنی جان ہتھیلی میں لئے رہا اور اس کے متعلق کہا تو یہ کہا "کچھ بات نہیں۔بعلبک ہو آیا۔"

یہ ایسا جواب تھا جو بچہ اپنی ماں کو کچھ دیر تک غائب رہنے کے بعد دیا کرتا ہے۔تم قیاس کر سکتے ہو کہ ماں اپنے بچہ سے یہی پوچھے گی۔ "کہاں گئے ہوئے تھے بیٹا؟

مختلف عمروں اور تمام ملکوں کے بچے حسب عادت یہی جواب دیں گے اونھ! میں تو کھیل رہا تھا۔

کہنے سننے میں اور تیاریوں میں کافی وقت گزر چکا تھا۔اس لیے لارنس کی اپنے پر اسرار سفر سے واپسی کے دوسرے ہی دن عقبہ کی مہم کی دوسری منزل شروع ہو گئی۔

یہ جماعت پانچ سو منتخب آدمیوں' کڑے سواروں اور ریگستان کے منجھے ہوئے لڑنے والوں پر مشتمل تھی۔ پانی کے اگلے مرکز بیر تک تو سفر تیزی سے طے ہو گیا۔لیکن یہ معلوم کر کے لارنس کو ناخوشگوار حیرت ہوئی کہ دو کنوؤں کو ترکوں نے اڑا دیا ہے اور پانی کو زہر آلود کرنے کے لیے مردہ اونٹ ان میں ڈال دیئے ہیں۔بلاشبہ دشمن کو سرہان میں جمع ہونے والے عربوں کی تعداد کی طرف سے شبہ

پیدا ہو گیا تھا۔ اور وہ اس علاقہ کے پانی کے ذخیروں کو تباہ کر کے ان کی نقل وحرکت کو روک دینا چاہتے تھے۔

اس کے معنی مزید تعویق کے تھے۔ یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ترک کیا کیا نقصان پہنچا رہے ہیں۔ نیز ان قبیلوں سے دوستی گانٹھنے کے لیے جو عقبہ کے راستہ پر قابض تھے۔ جنوب کی طرف قاصد دوڑائے گئے۔ لارنس جفر کی طرف بڑھا جہاں کنویں جزوی طور پر تباہ کئے گئے تھے اور یہاں بھی اور زیادہ قیمتی وقت ان کنوؤں کو آب رسانی کے قابل بنانے میں صرف ہو گیا۔

پانی ہی سب سے زیادہ قیمتی چیز تھا۔ ایک وقت کی غذا کو نظر انداز کیا جا سکتا تھا لیکن پانی پر موت وحیات کا انحصار تھا اور ہر تباہ شدہ کنواں موت کے بہت زیادہ قریب آ لگنے کا امکان پیدا کر دیتا تھا۔

تیزی اور بے چینی سے کام کر کے انہوں نے کنوؤں سے کوڑا کرکٹ اور پتھروں کو باہر نکالا۔ جو ڈائنامائیٹ سے اڑا کر ان میں جھونک دیئے گئے تھے۔ آخر کار پانی تک رسائی نصیب ہوئی جس سے اونٹوں اور انسانوں کی جان میں جان آئی۔

ترکوں کی اس ناروا حرکت کا توڑ ضروری تھا اس لیے لارنس نے ریلوے پر ایک فوری حملہ کی تیاری کر لی تا کہ ان کی توجہ صحرا کے عربوں سے ہٹ کر اپنی قریب تر مصیبت کی طرف مرکوز ہو جائے۔

یہ ایک پر تعفن صورت حال تھی۔ ترکوں نے کنوؤں کو تو اڑا دیا تھا اور خود یہ سمجھ بیٹھے تھے کہ "اسی پر حملہ آور عربوں کا خاتمہ ہے۔" چند ہی میل کے فاصلہ پر مآن کی ترکی محافظ فوج بھی اس صورت حالت سے بے انتہا خوش تھی اس لیے کہ یہاں سے سواروں کا ایک دستہ گستاخ عربوں کی تادیب کے لیے وادی سرہان کو گیا ہوا تھا۔ وہ سمجھے کہ عربوں کے خاتمہ کے لیے اتنا ہی کافی ہے۔

جو بات ان کے علم میں نہ تھی وہ یہ تھی کہ عرب ان کی نظر بچا کر نکل چکے تھے اور سواروں کا دستہ گویا جنگلی ہنس کے پیچھے دوڑا چلا جا رہا تھا۔ انہیں یہ بھی معلوم نہ تھا کہ "ذلیل عرب" ان کنوؤں تک پہنچ چکے ہیں جہاں پانی کافی مقدار میں تھا۔

لارنس بڑی پھرتی سے عذیر انجی کے ریلوے اسٹیشن تک جا پہنچا جو ماآن سے چند ہی میل جنوب میں واقع تھا۔ یہاں کے محافظ دستہ نے 500 گرجتے عربوں کو جو دیکھا تو بھونچکا ہو کر رہ گئے اور مستقر کی چوکی پر بھاگ کر پناہ لی اور لارنس کو اپنے کام میں مشغول دیکھتے رہے۔

لارنس نے بھک سے اڑ جانے والا مادہ اس طرح پھیلایا کہ دس پل اور اس کے درمیان کی ریلوے لائن کو اڑا دینے کے لیے کافی تھا۔ ہر دفعہ کے اڑنے میں پتھروں اور گرد و غبار کا طوفان بلند ہوتا اور شمال و جنوب میں ترکوں کی چوکیاں ان دھماکوں کو سن سن کر بدحواس ہو جاتیں۔ مستقر کے ترک عہدہ دار لارنس کو روکنے میں بے بس تھے اور دہشت آفریں برقی تار ادھر ادھر دوڑا رہے تھے کہ ہزاروں عرب ہم پر چڑھ آئے ہیں۔ لائن تباہ کر دی گئی پلوں کو اڑا دیا گیا۔

لارنس بس یہی چاہتا تھا کہ ترک بدحواس ہو کر ادھر ادھر دوڑنے لگیں تو وہ ایک بہت ہی اہم چوکی ابا ال لسان پر ضرب لگا کر ریلوے لائن سے اس کا تعلق بالکل توڑ دے اس چوکی سے درہ Neghelshtar کی محافظت ہوتی تھی اور جب تک اس پر دشمنوں کا تسلط باقی رہتا لارنس کا عقبہ تک پہنچنا ناممکن تھا۔

Neghelshtar ایک پہاڑی کا نام ہے۔ جہاں سے چند فٹ کا تنگ ڈھلوان راستہ نیچے آتا ہے۔ یہ اتنا ڈھلوان ہے کہ پیچ و خم کھاتا ہوا نیچے تک پہنچا ہے اس کے دونوں بازوؤں پر گہری گھاٹیوں میں محض نشیب ہی نشیب تھا اور ذرا سی چوک کے معنی کئی سو فٹ نشیب میں گر کر مر جانے کے تھے۔ جب تک اس درہ پر ترکوں کا قبضہ باقی تھا لارنس کا اس میدان تک پہنچنا ناممکن تھا جہاں سے عقبہ کی سڑک شروع ہوتی تھی اور اگر وہ اس کو فتح کر لیتا تو اس کے لیے راستہ صاف تھا اور ترکوں کو لائن کی طرف پیچھے ہٹ جانا پڑتا۔

یہ کام بظاہر بہت آسان معلوم ہوتا تھا۔ لیکن لارنس نے جب سنا کہ Abael Lissan ابا ال لسان کی محافظت کے لیے بجائے مختصر سی فوج کے 900 طاقتور سپاہیوں کا دستہ مشین گنوں سے لیس موجود ہے تو اسے زبردست دھچکا لگا۔

اس کو سر کرنا لوہے کے چنے چبانا تھا۔لیکن لارنس نے ہمت نہیں ہاری۔ترک سدھے ہوئے تھے۔خندقوں میں اور چوکیوں سے لڑنے کے لیے ان کی تربیت ہوئی تھی اور عرب گوریلا لڑائیوں کے ماہر تھے کمین گاہوں سے گولیاں چلانا' چھاپے مارنا اور بھاگ جانا جانتے تھے لارنس نے سوچا کہ انہیں عربوں کی مدد سے ترکوں کو اتنا خستہ کر دینا چاہیے کہ بالآخر وہ بھاگ کھڑے ہوں۔

عین اس وقت جب کہ ترک پر گیاہ ڈھلوانوں پر اپنے خیموں میں چین کی نیند سوئے ہوئے تھے۔لارنس نے اپنی فوج کی ٹکڑیاں بنائیں اور ہر ٹکڑی کو اطراف کی پہاڑیوں کی کمین گاہوں میں بھیج دیا تڑکے کی ٹھنڈی گھڑی تھی۔اور لارنس اس قاصد کا منتظر تھا جو آکر یہ کہنے والا تھا کہ ریل اور سڑک کی ٹیلگراف کی لائن کاٹ دی گئی ہے۔اس سے ترکوں کے کمک طلب کرنے کا سدباب ہو جاتا تھا۔

جوں ہی یہ خوش آئند خبر ملی اس نے اپنی بندوق اٹھا کر کندھے سے لگا دی۔دشمن کے کیمپ کی طرف اس کا پہلا فائیر ہونا ہی تھا کہ عربوں نے کمین گاہوں سے گولیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔

ترک چیختے چلاتے' بے ترتیبی سے گڑ بڑا کر اپنے خیموں اور کمبلوں سے باہر نکل آئے۔لارنس دوسرے ناگہانی حملہ کے لیے بھی تیار تھا۔عربوں کے پاس Mountain قسم کی بندوقیں تھیں۔ان سے فوراً کام لیا جانے لگا۔شلوں کے پھٹ پڑنے پر عرب ہنسنے لگے۔عرب اس چٹان سے اس چٹان پر بھاگے پھرتے تھے۔کسی ایک حالت میں کھڑے نہ ہونے کے سبب ان کو نشانہ بنانا بھی مشکل ہو گیا تھا کہیں کہیں ایک آدھ ترک بازوؤں کو ڈھیلا چھوڑ کر زمین پر گر پڑتا اور جان دے دیتا۔بعض ایسے تھے جو زخموں کی مرہم پٹی کے لیے گھسٹتے ہوئے کھسک جاتے۔

صبح کی ٹھنڈی ہوا اب ختم ہو چکی تھی۔چٹانیں اتنی گرم ہو گئی تھیں کہ ان کے نیچے پناہ لینا مشکل ہو گیا تھا اور مسلسل چھوٹتے رہنے سے بندوقیں بھی اتنی گرم ہو گئی تھیں کہ انہیں ہاتھ میں نہیں لیا جا سکتا تھا۔ترکوں کو یہ دھوکہ دینے کے لیے کہ پہاڑیاں آدمیوں سے پٹی ہوئی ہیں۔اب چٹان پہ چٹان دوڑنا بھی مشکل ہو گیا تھا۔خود عرب بہت جلد جلد تھکتے جا رہے تھے اور پانی کی بوتلیں تقریباً خالی ہو چکی تھیں لیکن سخت دھوپ کی اذیت کے باوجود لارنس کو بہرحال لڑائی جاری رکھنا تھی۔چٹانیں اتنی گرم تھیں کہ

نشانہ جمانے کے لیے جب کھڑے ہوتے تو زمین کی گرمی ان کا گوشت جلا ڈالتی۔ بندوقوں کا لوہا اس سے بھی زیادہ گرم تھا۔ عرب بھی صحیح وسالم بچ کر نہیں نکل رہے تھے کسی چٹان کے پیچھے پڑی ہوئی ٹانگیں یا کسی چٹان کے چھجے پر لٹکتے ہوئے ہاتھ اس قربانی کے خاموش گواہ تھے جو انہیں اپنی جنگ آزادی میں دینی پڑی تھی۔

پیاس کا مارا ہوا لارنس سایہ میں دم لینے کے لیے ایک چٹان کے پیچھے ہو لیا اور عین اسی وقت بوڑھا اعدا اس کے قریب آن پہنچا اور یوں طعنے سنانے لگا۔

یہ کیا حماقت ہے صرف بکواس ہی بکواس اور کام کچھ بھی نہیں۔ گرمی نے لارنس کو بہت بد مزاج بنا دیا تھا۔ اس نے بگڑ کر کہا۔

''بالکل غلط کہتے ہو۔ ساری مصیبت یہ ہے کہ تمہارے آدمی بندوق چلاتے تو بہت ہیں لیکن نشانہ بہت کم کو بناتے ہیں۔

اعدا انتہائی غضب ناک ہو گیا اور چیخ کر گھوڑا لانے کا حکم دیتے ہوئے تیزی سے پہاڑی کے اوپر بھاگا۔ اس کے بعض آدمی بھی اس کے پیچھے جھپٹے لارنس بھی اس پہاڑی کی چوٹی پر جا پہنچا جہاں غضب ناک اعدا کھڑا قسمیں کھا رہا تھا۔

لارنس نے پوچھا بہت خوب! اب کیا ہوگا۔

اعدا نے جواب دیا اونٹوں پر بیٹھ کر میرے پیچھے آؤ اگر یہ دیکھنا چاہتے ہو کہ ایک بوڑھا آدمی بھی کیا کچھ کر سکتا ہے۔

قبل اس کے کہ اس کو روکا جائے وہ گھوڑے پر سوار ہو چکا تھا اور اسی کے ساتھ پانچ اور گھوڑے سواروں نے اس کی تقلید کی۔ للکار کر اپنے آدمیوں کو پہاڑی سے ہٹ جانے کا حکم دیتے ہوئے لارنس اپنے اونٹ کی طرف جھپٹا۔ وہ جوش سے دیوانہ ہو کر دوڑ پڑے اور جب اپنی سواریوں پر سوار ہوئے تو انہیں ایک تیز چیخ سنائی دی۔ اور معا بعد اعدا پہاڑی پر سے چشم زدن میں' راست ترکوں پر حملہ آور ہوتا نظر آیا۔ اب صرف ایک کام باقی رہ گیا تھا۔ اگر چہ کہ یہ بظاہر موت کے گھاٹ اترنا معلوم

ہوتا تھا لیکن اعدا کی مدد ضروری تھی ۔ لارنس نے نیچے کی طرف اشارہ کیا۔ وہ اتنا بے دم ہو چکا تھا کہ چیخ بھی نہ سکتا تھا۔ اشارہ پاتے ہی اونٹ والوں نے از خود رفتہ ہو کر تاخت کر دی۔ پہاڑی پر گولیاں برسنے لگیں۔ شہ سواروں کی صفوں میں نامبارک رخنے پڑ چکے تھے ۔ جس کے بعد اونٹ والے بھاگتے ہوئے جمگھٹے کے راستے پر پڑ لئے ۔ لارنس کے دونوں بازوؤں سے ان لوگوں نے اللہ اکبر کے نعروں کے ساتھ ہاتھ بلند کر لیے اور جوں ہی جھپٹ پڑے یکا یک پر ہیبت طریقہ پر بدحواس اونٹوں کے پانوؤں میں کچلے جانے لگے۔

طبی امداد کا کوئی موقع نہ تھا پس جو گھائل ہو کر گرا وہ ختم ہو گیا۔ ترک مقابل میں اپنی صفوں میں جمے ہوئے تھے ۔ شہ سواروں نے ان پر ضرب لگائی اور ان میں گھس پڑے اور رخ بدل بدل کر ان کے میمنہ و میسرہ پر حملے کئے ۔ لارنس کی سرکردگی میں اونٹ والے ترکوں کو پیٹتے ہوئے ان میں گھس پڑے اور دائیں بائیں طرف پلٹ کر ان کو محصور کر لیا یہ سب کچھ آناً فاناً دم کے دم میں ہو گیا جو تاخت پہلے ناممکن دکھائی دیتی تھی وہ اب فتح میں بدل گئی تھی ڈھلانوں پر 300 سے زائد لاشیں بے ترتیب پڑی ہوئی تھیں اور ان ہی کے خیموں کے باقیات کے قریب 200 ترک قیدی پکڑ کر جکڑ لیے گئے تھے اور جو باقی تھے وہ تنگ وادیوں میں ریلوے کی طرف بھاگے جا رہے تھے ۔ انتقام کے پیاسے عرب نعرے لگا کر ان کا تعاقب کر رہے تھے ۔ لارنس نے اطمینان کی گہری سانس لی ۔ اعدا کے ہلہ کے پیچھے جو مجنونانہ تاخت کی گئی اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ لارنس کو اپنے منصوبوں کا انجام نظر آنے لگا۔ وہ اس پر بمشکل یقین کر سکتا تھا کہ صرف گھنٹہ بھر ہی میں ترکوں کی مضبوط صفیں موت اور تباہی کا مقتل بن جائیں گی۔

عقبہ کے لیے راستہ اب کھلا ہوا تھا۔

اعدا جو خون کی پیاس اور تاخت کی ہیجان سے دیوانہ ہو رہا تھا واپس آیا اس کے پستول کے غلاف میں گولیوں سے سوراخ ہو گئے تھے ۔ اس کی دوربین پاش پاش ہو چکی تھی اور اس کی تلوار کی میان کی دھجیاں اڑ گئی تھیں ۔ جب اس کی سواری کا گھوڑا گولی کا نشانہ بن چکا تو اس نے پا پیادہ قتل و خون جاری رکھا۔ اس کے لباس میں نصف درجن گولیوں سے سوراخ ہو گئے تھے لیکن عجیب حیرت ہے کہ وہ

خود بے داغ نکل آیا تھا۔

چند گھنٹوں تک عرب ترکوں کے کیمپ میں مال غنیمت کی تلاش کرتے مردوں کے جسم سے وردیاں اتارتے پھرتے رہے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دوسرے دن صبح میں بیشتر آدمی اپنے لمبے چوڑے عربی لباسوں کے اوپر سپاہیوں کا چھوٹا چست کوٹ پہنے ہوئے تھے۔ ہر ایک کے کندھے پر ایک بندوق لٹکتی تھی۔ بعضوں کے پاس دو یا اس سے بھی زائد ریوالور تھے اور بعض ایسے تھے جن کے پاس چھرے تھے۔ ان میں کا ہر ایک ایک چلتا پھرتا فوجی گودام دکھائی دیتا تھا۔

عقبہ کی طرف آخری پیش قدمی شروع کرنے سے پہلے ایک اور چوکی کو سر کرنا تھا جو بہت تنگ وادی میں واقع تھی۔ یہ کوئی آسان کام نہ تھا اس لیے کہ چوکی پہاڑی کی عین چوٹی پر واقع تھی اور اگر وہاں کوئی مشین گن ہوتی تو حملہ آور کا چوٹی تک پہنچنے سے پہلے ہی خاتمہ ہو جانا یقینی تھا۔

یہاں پھر لارنس کی غیر معمولی قابلیت کی دوسری مثال ملتی ہے کہ کس طرح اس نے ایک عجیب اور انوکھی صورت حال سے بہتری کی صورت نکالی۔

عربوں نے جب چوکی کو دیکھا تو چاند کی روشنی میں چٹان کی چوٹی پر نظر آنے والے صاف منظر کی طرف اشارہ کرنے لگے۔ انہوں نے بڑے اکھڑپن سے کہا کہ چوکی پر حملہ کی کوشش کرنا دیوانہ پن ہے۔

لارنس ہنس پڑا اور کہا کہ ہم آج ہی رات کو اس چوکی پر قبضہ کرلیں گے۔

عرب مشتبہ نظروں سے اس کی طرف دیکھنے لگے۔

لارنس نے کہا۔ گھنٹہ بھر میں چاند کی روشنی غائب ہو جائے گی اور اس وقت ہم حملہ کر دیں گے۔ عربوں نے دوبارہ اسے شبہ کی نظر سے دیکھا۔ آسمان کی وسعت چاند کی خنک روشنی سے جگمگا رہی تھی۔ ابر کا نام ونشان بھی نہ تھا۔

لارنس نے اصرار سے کہا۔ اے طعنہ دینے والو! چاند اب غائب ہو جائے گا۔ کچھ دیر کے لے آسمان کی فضاء سے روپوش ہو جائے گا اور ہم دشمن پر قابو پالیں گے۔ لارنس جانتا تھا کہ اس رات

گہن پڑنے والا تھا۔

یہ ایک انوکھا منظر تھا۔ لارنس کے ہر قول و فعل پر عربوں کو ایسا اعتماد ہوتا کہ وہ اپنی فہم و بصیرت سے قطع نظر کر کے اس موعودہ فسوں گری کا کرشمہ دیکھنے کے لیے چٹان کے سایہ میں کھڑے ہو گئے۔

ایک گھنٹہ گزر گیا۔ لیکن آسمان پر ابر کا کوئی ٹکڑا بھی نمودار نہ ہوا۔ یکا یک کسی عرب نے آسمان کی طرف اشارہ کیا۔ سروہی کے خم کی طرح چاند پر سایہ سا آ گیا تھا۔ عربوں نے حیرت سے منہ کھول دیا اور ٹکٹکی باندھے دیکھنے لگے۔ سایہ بڑھتا گیا اور انہوں نے اپنے قائد کی طرف نگاہ ڈالی۔

لارنس نے سر ہلا دیا۔ گویا وہ کہہ رہا تھا دیکھا! میں یہی کہتا تھا نا!

پہاڑی کی چوٹی پر توہم پرست ترکوں کا دھیان بھی اس سایہ کی طرف دوڑ گیا تھا۔ ان کے نزدیک یہ بلائے آسمانی تھی۔ انہوں نے سمجھا ابر سے پاک صاف آسمان پر کوئی بڑی بلا چاند سے روشنی چھین رہی ہے۔ عموماً خیال کیا جاتا ہے کہ بلا کے دفعیہ میں آواز بہت اثر رکھتی ہے اسی خیال سے وہ اپنی سنسان چوکی کے باہر کھڑے برتن اور تھالے پیٹنے لگے اور اپنی نہتائی اونچی آواز میں چیخنا چلانا شروع کیا۔

انہوں نے اس بلیاتی سایہ کی طرف بندوقیں بھی سر کیں۔ ان کی تمام مناجاتوں، بددعاؤں اور چیخ وپکار کے باوجود آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر چاند نظر سے محو ہو گیا۔ جب بالکل تاریکی چھا گئی تو لارنس تنگ راستہ سے اپنے لوگوں کو لے کر اوپر چڑھا اور عین اسی وقت جب کہ ترکوں کا خوف وہراس اپنی انتہاء کو پہنچ چکا تھا۔۔۔۔ اس لیے کہ اب چاند آسمان سے بالکل روپوش ہو چکا تھا۔۔۔۔ اس سے بھی زیادہ بدشگون سائے ان کے اطراف جمع ہو گئے اور ان کی سپہ گری کا وہیں خاتمہ ہو گیا۔

لارنس کے اس کارنامہ کی عربوں میں دھوم مچ گئی۔ انہوں نے سمجھا کہ ان کا قائد یقیناً کوئی مافوق البشر ہستی ہے۔ اس لیے کہ آسمان تک اس کے زیر اقتدار ہے اس نے اتنے روشن چاند کو مضر خیال کیا اس لیے اس کی روشنی ہی ختم کر دی۔۔۔ خدا کی پناہ! جو شخص یہ تک کر سکتا ہو وہ سب کچھ کر سکتا

ہے۔

سکوت اور خاموشی کا خیال نہ رکھ کر عرب آگے بڑھے اور جب چٹان کی چوٹی پر پہنچے تو گہری نظر سے ہر منظر کو دیکھنے لگے۔ لارنس خوش تھا کہ اس کی توقع کے مطابق اس کا منصوبہ بروئے کار آتا جا رہا ہے۔

تمام ترکی فوجیں عقبہ اور عقبہ کی چوکیوں پر بلالی گئی تھیں۔ انہیں ایک حملہ کا خوف لگا ہوا تھا لیکن سمندر کی طرف سے!

بڑی احتیاط سے لارنس اپنے آدمیوں کو وادی اتھم Ithem سے لے کر گزر گیا جس کے بعد وہ ایک نئے اقدام کے لیے تیار ہو گئے۔

لڑائی کی خبریں اور عربوں کی کامیابی کی اطلاعیں پہاڑی خانہ بدوشوں میں بھی پھیلنے لگیں اور وہ دو دو تین تین کر کے اسی طرف کھنچے چلے آتے تھے اور شریک ہوتے جاتے تھے۔ لارنس فضول لڑائی لڑنا پسند نہیں کرتا تھا۔ آدمیوں کی جانیں تلف ہونا اسے گوارا نہ تھا اور یہ بات بھی اسے گوارا نہ تھی کہ خود راست کسی ہلاکت کی ذمہ داری اپنے سر لے۔

سفید جھنڈے کی پناہ لے کر اس نے ترکی عہدہ دار سے ربط ضبط پیدا کیا اور اس سے بات چیت کی اس سے قبل دو سفید جھنڈوں والے قاصد گولی کا نشانہ بن چکے تھے۔ ترکی عہدہ داروں نے حیرت اور کسی قدر خوف سے ان دہشت ناک فوجوں کو دیکھا جو لارنس کے پیچھے کھڑی تھیں۔

لارنس نے کہا! یہ تو آپ جانتے ہیں کہ ہم طاقتور ہیں اور لحہ بہ لحہ طاقتور ہوتے جا رہے ہیں اور آپ نہ تو پیچھے ہی ہٹ سکتے ہیں اور نہ آگے ہی بڑھ سکتے ہیں۔

لارنس اس وقت تک خاموش رہا جب تک کہ یہ کھلی ہوئی حقیقت اس کے دل میں اتر نہ گئی اور پھر بالکل غیر ارادی طور پر کہا میرے آدمی غضب ناک ہو رہے ہیں انہیں ترکوں سے نفرت ہے۔

ترکی عہدہ دار نے اس پستہ قد مسکین چہرے لیکن تیز آنکھوں والے شخص پر نظر دوڑائی۔ اس کے لفظوں کا تحکم، اس کی پر اسرار وضع قطع، اور نا قابل گزر پہاڑوں سے لائی ہوئی اس کی چھوٹی سی فوج

ان سب نے مل کر اس کو بالکل مغلوب کر دیا۔

ترکی عہدہ دار نے کہا۔ "میں دست بردار ہوتا ہوں۔"

اور اس کے معا بعد کہا۔ میں کس کے حق میں دست بردار ہونے کی عزت۔۔۔

لارنس نے اس کے منہ سے بات چھین لی اور اپنے پیچھے آدمیوں کو ہاتھ کے اشارے سے بلایا اور کہا۔

تم شریف مکہ کی ان افواج کے حق میں دست بردار ہو جاؤ۔

لارنس پلٹ کر اونٹ پر سوار ہو گیا۔ اور اپنے آدمیوں کو ہاتھ کے اشارے سے آگے بڑھنے کا حکم دیا بس پھر کیا تھا ڈھلانوں پر سے سمندر تک پہنچنے کے لیے مجنونانہ گڑبڑ کے ساتھ دوڑ شروع ہو گئی۔ جہاں پہنچ کر وہ اطمینان کی گہری سانسوں میں گویا نہا گئے۔۔۔ اور اس طرح عقبہ فتح ہو گیا۔

ان کے خشک جسم تسکین بخش پانی کو مس کرنے کے مشتاق تھے۔

لیکن لارنس کو یہاں بھی آرام کہاں! اس کے سارے آدمی بھوکے تھے۔ کئی دن سے انہیں بہت کم غذا ملی تھی۔ اور یہاں اس بندرگاہ میں پانچ سو لڑنے والے سپاہیوں اور سات سو قیدیوں کے اضافہ کے سبب غذا بہت عرصہ تک کفالت نہیں کر سکتی تھی۔ عربوں کا خیال تھا کہ قیدیوں کو بھوکا ہی رکھا جائے لیکن اس کو جائز نہیں سمجھا جا سکتا تھا۔ وقتاً فوقتاً اونٹوں کو ذبح کرنے سے بھی کام چل سکتا تھا لیکن اونٹوں کی شدید ضرورت تھی۔ اس لیے کہ صحرا میں ہتھیار بند پیدل فوج کی رفتار بہت سست ہوتی ہے اور موت سے مفر نہیں ہوتا۔ عقبہ پہنچ کر اس نے اطمینان کی سانس بھی نہ لینے پائی تھی کہ پھر اسے سفر پر روانہ ہونا پڑا۔

آرام کے چھوٹے چھوٹے وقفوں سے قطع نظر، لارنس اور اس کے ساتھی دو مہینہ سے مسلسل کوچ کرتے آئے تھے اور اسی مدت میں خود لارنس کا بعلبک کا سخت دھاوا اور وہاں سے واپسی بھی شریک ہے۔ اب اس کی جسمانی قوت تقریباً جواب دے چکی تھی۔ لیکن اس کی مدد کے بغیر اس کے آدمیوں اور قیدیوں کے لیے فاقہ کشی کا اندیشہ لگا ہوا تھا۔ عقبہ کو فتح کرنے کے بعد اس پر تسلط باقی رکھنا

بھی ضروری تھا۔

اس کے پاس نہ تو پیسہ تھا اور نہ ہی غذا، گولہ بارود بھی بہت کم تھا۔

یہاں سے ڈیڑھ سو میل پر سوئز واقع تھا اور راستہ اب تک طے کیے ہوئے ریگستان سے بھی بدتر ریگستان میں سے ہو کر گزرتا تھا۔ پھر ایک دفعہ لارنس کو طے کرنا پڑا کہ قاصد کو دوڑائے یا خود جائے۔ اب بھی اس نے وہی کیا جو اس کے لیے کھلی ہوئی حقیقت تھی۔ اس نے 8 شتر سوار اور 8 اونٹ ایسے منتخب کیے جو اوروں کی نسبت بہتر حالت میں تھے اور اپنے لیے بھی بہتر سے بہتر اونٹ کا انتخاب کر لیا جو وہاں میسر آ سکتا تھا۔ اس کی اسے ضرورت بھی تھی۔ گزشتہ مہینہ وہ تقریباً 50 میل ہر روز کے حساب سے سفر کرتا رہا تھا اور اس آخری سفر میں اس نے کوشش کی کہ اس ریکارڈ کو بھی توڑ دے۔ اگر وہ قاصدوں کو بھیجتا اور وہ پہنچ بھی جاتے تو 99 فیصد ان پر یقین نہ کیے جانے کا امکان تھا۔ اس لیے کہ عقبہ کو فتح کرنے کے لیے 500 میل کا پھیر لگا کر آنا ایک ایسا منصوبہ تھا جس سے بہت سے بہت دو یا تین آدمی واقف تھے اور وہ بھی اس کے امکان پر بمشکل یقین کر سکتے تھے۔ قوی امکان اس منصوبہ کے خلاف تھے۔ اس لیے ضروری تھا کہ اس سفر میں بھی لارنس خود ہی قیادت کرے۔

یہ ایک اذیت رساں اور سنگدلانہ سفر تھا۔ لارنس اپنی زائل شدہ قوت کو اکسانے کے خیال سے اپنے ساتھیوں کو خود سے آگے رکھا۔ اس ڈیڑھ سو میل سے زائد فاصلہ میں 70 میل کے اختتام پر صرف ایک جگہ پانی کا ذخیرہ تھا۔ لارنس یہاں پہنچا بھی اور یہاں سے گزر بھی گیا۔

نو تھکے ہارے آدمی۔۔۔ جن میں سے 8 ریگستان کے پیدائشی اور نواں البتہ اجنبی ملک کا تھا۔ سینا کی پہاڑیوں کے ریگستان میں خود کو اور اپنے اونٹوں کو آگے دھکیلے چلے جاتے تھے۔ جب ایسا محسوس ہونے لگا کہ اس ریگستان کا کنارہ کبھی ملے گا ہی نہیں تو ال شط نظر آیا۔ یہاں ایک چھوٹی سے چھاؤنی تھی جو سوئز کے گویا مخالف جانب واقع تھی یہاں عموماً فوجیں رہا کرتی تھیں لیکن اب ویران تھی۔ اس خالی عمارت کو لارنس دیکھتا بھالتا پھر رہا تھا کہ اسے ایک ٹیلیفون نظر آیا۔ بات کرنے پر سوئز سے ٹیلیفون کا جواب ملا۔ ایک ایسی چھاؤنی سے گھنٹی کی آواز سن کر جو خالی کر دی گئی تھی، سوئز والے حیرت زدہ

سے ہو گئے۔

''ہیلو'' اس آواز میں سوال' حیرت' شک وشبہ بھی کچھ تھا۔

''کیا آپ میرے سوئیز آنے کے لیے کشتی بھیج سکتے ہیں۔''

یہ کہنا کہ ٹیلیفون لائن کی دوسری جانب کا آدمی یہ سن کر صرف حیرت زدہ ہو گیا اس کو گھٹا کر بیان کرنا ہے۔ اس کے نزدیک ساری کارروائی سراسر جھوٹی تھی۔ پھر یہ بھی ہے کہ وہ کشتی بھیجنے کا مجاز بھی نہیں تھا۔ اس لیے یہ کام اس کے صیغہ سے غیر متعلق تھا۔ یہ بات کس کے خیال میں آ سکتی ہے کہ کرایہ کی موٹر کی طرح' فرمائش پر کسی کو کشتی بھی مل سکے گی۔ لارنس اکتا گیا لیکن پھر بھی تحمل سے کام لیا اور دوبارہ ٹیلیفون پر بات کرنے کی کوشش کی۔ جواب ملا'' بڑے میاں۔۔۔۔ یا جو بھی تم ہو۔۔۔۔ افسوس کہ اس وقت میرے پاس کوئی کشتی نہیں ہے۔''

''لیکن مجھ کو اس کی فوری ضرورت ہے۔'' لارنس نے اصرار کرتے ہوئے کہا۔

افسوس! یہ اس وقت نہیں ہو سکتا صبح میں البتہ میں بھیج سکوں گا۔ کیا اس سے آپ کا کام چل سکے گا۔

جی نہیں! بالکل صفائی کے ساتھ لارنس نے اس سے کہا۔

اس کے بعد پھر لارنس نے گفتگو کرنے کی کوشش کی۔ اور اس سے بڑھ کر اور بہت کچھ کہا۔ لیکن سوئز کا بات کرنے والا عقبہ سے ٹیلیفون کا سلسلہ توڑ چکا تھا۔

اس کے بعد ہی ایک دوستانہ آواز سنائی پڑی اور تھوڑی سی وضاحت کے بعد لارنس کا ٹیلی فون دوسرے محکمہ سے ملا دیا گیا۔

یہاں اس کے التماس کی فوراً پذیرائی ہوئی اور دو تین گھنٹہ بعد سوئز کے عہدہ داروں کو ایک دہاں پان سرخ رو عربی لباس میں ملبوس شخص ساحل پر اترتا نظر آیا جو عربی اور انگریزی دونوں زبانوں پر یکساں قدرت رکھتا تھا۔ تحکمانہ انداز میں جو بھی حکم دیتا اس کی فوراً تعمیل ہوتی۔

یہاں اس نے گرم پانی کے غسل کیے۔ ٹھنڈائیاں پیں اور بستر پر سونا اسے میسر آیا۔ یہ ایسی

راحت تھی جو خواب ہی معلوم ہوتی تھی۔

دوسرے دن وہ قاہرہ روانہ ہو گیا۔ اسمعیلیہ پر اس کو گاڑی بدلنا تھی۔ وہ یہاں ٹھہرا ہوا ہی تھا کہ امیر البحر ویمز نظر آئے جو خود بھی قاہرہ جانے والی گاڑی کے منتظر تھے۔ لارنس ان سے بات کرنے کے لئے آگے بڑھنا چاہتا تھا کہ ایک زرق برق جرنیل کی آمد کے سبب اس کو رک جانا پڑا۔

امیر البحر اور جرنیل دونوں چہل قدمی کرتے رہے اور عہدہ داروں نے ہر طرف سے انہیں سلامی دی لارنس ٹکٹکی باندھے انہیں دیکھتا رہا اور اتنے میں مستقل طور پر کہ اسٹاف کا ایک عہدہ دار اور اس کے قریب آن پہنچا۔

عربی لباس میں ملبوس اس ذرا سے نرالے آدمی کا یہ انہاک اس عہدہ دار کی سمجھ سے باہر تھا۔ اس کی حیرت ابھی ختم بھی نہ ہونے پائی تھی کہ لارنس بول اٹھا۔

''میں امیر البحر ویمز سے بات کرنا چاہتا ہوں۔''

اس حقیر شکستہ حال عرب کی زبان سے آکسفورڈ کی خالص انگریزی جو سنی تو اسٹاف کا کپتان اتنا حیرت زدہ ہو گیا کہ اس کے التماس کا کوئی جواب اس سے نہ بن پڑا۔ اس لیے لارنس کو اپنا سوال دہرانا پڑا۔

اسٹاف کے عہدہ دار نے حیرت سے منہ کھول دیا اور سنتا رہا۔

لارنس! یہ نام اس نے کہیں سنا ہے معاً اس کو یاد آ گیا وہ بڑے پر جوش انداز میں لارنس کو امیر البحر کے پاس لے گیا۔ لارنس وقت ضائع کرنے کا عادی نہ تھا اس لیے فوراً کہہ اٹھا۔

میں نے عقبہ فتح کر لیا ہے اور وہاں میرے آدمی بھوکوں مر رہے ہیں۔ ایک جہاز غلہ کی مجھے فوری ضرورت ہے کیا آپ اس کا انتظام کر سکتے ہیں۔

امیر البحر ویمز اور ان کے اسٹاف کے عہدہ داروں کا اعتماد قابل تعریف ہے کہ اس قسم کے بیانوں پر ردوقدح میں وہ وقت ضائع نہیں کیا کرتے تھے۔

یہ خبر سن کر وہ چکرا سے گئے تھے اور اس عجیب انگریز کا نام ان سچے اور من گھڑت قصوں سے

وابستہ ہوتا جاتا تھا جو فوجی اور بحری حلقوں میں گشت لگایا کرتے تھے۔

غلہ جہاز میں بھرا گیا اور اسی وقت عقبہ بھجوا دیا گیا۔

اس کٹھن کام کی طرف سے لارنس کو اطمینان ہو گیا تو وہ قاہرہ کو روانہ ہو گیا۔ وہاں وہ دبے پاؤں اپنے افسر اعلیٰ جرنیل کلٹن کے پاس جا پہنچا۔ دروازہ کھلنے پر جرنیل نے نگاہ اٹھائی اس عرب کی ناگہانی آمد پر اور اس کو سامنے کھڑا پا کر وہ کچھ متحیر سے ہوئے اور کسی قدر تیکھے پن سے کہا۔ میں مصروف ہوں۔

لارنس نے انگریزی میں جواب دیا کیا میرے لیے بھی۔

جرنیل حیرت اور خوشی سے کرسی سے اچھل پڑے اور لارنس نے گزشتہ مہینوں کی ساری داستان کہہ سنائی۔

باب نمبر 7

لارنس کے اس غیر معمولی معرکہ سے مصر کے فوجی صدر مقام والوں کو ایسا اچنبا ہوا کہ ان کے ہوش بہت دیر میں بحال ہوئے لیکن جرنیل اسن بائے لارنس کے منصوبہ پر دھیان دینے لگے۔ تین ماہ تک عقبہ میں مرکز کے قیام اشیاء کی فراہمی اور فوجیوں کی تربیت کے انتظامات کے علاوہ کچھ اور نہ ہو سکا۔ لارنس ایک آدھ یا دو تین دن کے لیے ادھر ادھر مارا مارا پھرتا۔ اور ان معلومات کے ساتھ واپس آتا جس کی اسے تلاش رہا کرتی۔ یہ پر خطر کام تھا اس لیے کہ ترک طلائی سکوں کی بڑی بڑی رقمیں لارنس کا کھوج لگانے پر صرف کر رہے تھے جو ان کے لیے انتہائی وبال جان بنا ہوا تھا۔ ترکوں کے جاسوس ہر جگہ پھیلے ہوئے تھے اور اس بات کی کوشش میں لگے ہوئے تھے کہ لارنس کو کسی جگہ گھیر لیں۔

محض ڈائنامنٹ کے ایک نئے طریقہ کی آزمائش کے لیے لارنس نے دسمبر 1917ء میں ایک بڑا بھاری جرات آزما دھاوا رمڈ آورا کی ریلوے لائن پر کیا۔

عموماً اس کام کی وہ بذات خود نگرانی کرتا اور اس موقع پر اس ریلوے لائن پر کسی ریل گاڑی کی آمد کے انتظار میں اسے چند روز کے لیے ٹھہر جانا پڑا سرنگ بچھا دی گئی تھی اور لارنس نے اس قطعہ زمین پر جس کے نیچے ایک سرنگ کو دوسری سرنگ سے ملانے والے تار بچھے ہوئے تھے بڑی احتیاط سے ریت اس طرح پھیلا دی کہ زمین بالکل طبعی اور بے خلل معلوم ہوتی تھی۔

آخر کار ریل دھواں اڑاتی آ پہنچی اور جب انجن اس مقام پر پہنچا جہاں سرنگ بچھی ہوئی تھی تو لارنس نے اس کے اڑانے کا حکم دیا۔ دستہ کا نیچے کی طرف حرکت کرنا ہی تھا کہ انجن ہوا میں اڑ گیا اور پیچھے کے سارے ڈبے پٹری سے اتر گئے اول تو انہوں نے بھاگنا نہیں چاہا بلکہ بھاگنے اور منتشر ہونے

سے قبل نصف گھنٹہ تک کسی خندق کا پشتہ بنے کھڑے رہے۔ یہ وقت لارنس اور اس کے ساتھیوں پر بڑی بے چینی سے گزرا۔ آخر کار جب وہ بھاگ کھڑے ہوئے تو کئی لاشیں اس انسانی کھنڈر میں بے ترتیب پڑی ہوئی تھیں۔

اکتوبر میں ایک چھوٹی سی ٹولی کو لے کر لارنس پھر ریلوے کی طرف گیا اور واپس ہو کر نہایت سنجیدگی سے یہ کہا کہ وہ ایک اور ریل گاڑی کو اڑا چکا ہے جس میں 30 ترک مر گئے اور 70 زخمی ہو چکے ہیں۔

وہ ترکوں کو یہ یقین دلانے کی بساط بھر کوشش کرتا رہا تھا کہ عرب کسی ایک مقام پر ہی نہیں بلکہ ریلوے لائن پر ہر جگہ ان کے خلاف کارروائی کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد ترک اس کا اندازہ ہی نہیں کر سکتے تھے کہ دوسرا دھاوا کہاں ہوگا ایک دن انہیں خبر ملتی کہ پٹریاں اور اسٹیشن شمالی سمت میں اڑا دیئے گئے اور دوسرے دن اسی قسم کی خبریں جنوب کی طرف سے سننے میں آتیں۔ انہوں نے چوکیوں کی حفاظت کے لیے مزید فوجیں منگوائیں اور محافظ دستوں میں بھی اضافہ کیا اور اپنا وقت اس حیرت میں صرف کرنے لگے کہ اب کس مقام کے اڑنے کی باری آتی ہے۔ یہ ہتھکنڈے لارنس کا معمول بن چکے تھے۔ ترک یہ جان کر کہ ریلوے لائن کو مستقل طور پر خطرہ لگا ہوا ہے ہمیشہ ہر گاڑی کے آگے طلایہ فوجیں بھیجا کرتے جو ریلوے لائن کے دونوں جانب مشتبہ نشانوں کی تلاش کرتیں اور یہ معلوم کرنے کے لیے چکریں لگایا کرتیں کہ کہیں پاؤں کے نشان تو نہیں ہیں۔

طلایہ فوج کھوج لگانے آتی اور لارنس ایک ریت کے ٹیلہ کے پیچھے خاموش بیٹھا ان پر آنکھ لگائے رہتا۔ ترک جب چھان بین کرتے پھرتے تو وہ خود ہی چپکے چپکے ہنسا کرتا اور ان کے چلے جانے کے بعد اس زمین کو جہاں اس نے سرنگیں اور تار بچھا رکھے تھے پاؤں سے روند ڈالتا۔

ترکی قائد اپنے لوگوں کو ایک جگہ جمع کرتا ہر بات کا اطمینان کر لیا جاتا اور پھر گاڑی کو آگے بڑھنے کے لیے جھنڈی ہلا دیتا۔

لارنس معلومات حاصل کرنے کے لیے ہر وقت جھوٹے قاصد بھجوایا کرتا اور ہمیشہ غلط

افواہیں پھیلاتا رہتا۔ مثلاً وہ یہ اطلاع بھیجتا کہ فلاں مقام پر حملہ کے لیے 500 آدمیوں کی ضرورت ہے۔ جاسوس یہ خبر ترکوں تک پہنچائے گا اور تقریباً تین چھاؤنی سے مطلوبہ آدمی بھیج دیں گے۔ اس کے بعد انہیں جو اطلاع ملے گی وہ یہ ہوگی کہ جس چھاؤنی سے فوج بھجوائی گئی تھی اسی پر حملہ ہوا اور وہ لوٹ لی گئی۔

ناگہانی حملوں کے اس اصول کو مدنظر رکھ کر اکتوبر کے آخری دنوں میں لارنس ایک دور دراز مہم پر روانہ ہو گیا۔ اس دفعہ تاخت کے لے لارنس نے اس پل کو چھانٹا تھا جو وادی یرماک پر کھڑا ہوا تھا اور درۂ دانیال کی مغربی پہاڑیوں کے لیے ایک اہم کڑی بنا ہوا تھا۔ ٹل الشباب Tel-el-shebab نامی یہ وہ بڑا پل تھا جو دمشق سے حیفہ جانے والی ریلوے لائن پر وادی یارمکا کے ساحل پر بنا ہوا تھا۔ دشمن کو دھوکہ دینے کی خاطر اس دفعہ بھی وہ طویل پھیردار راستہ سے ہوتا ہوا پہنچا۔ لیکن اس سخت سفر کے بعد بھی وہ پل اڑانے میں کامیاب نہ ہو سکا اور دو انجن والی فوجیوں کی ریل گاڑی کو اڑانے ہی پر اکتفاء کرنی پڑی۔

لیکن اس دفعہ کے سفر میں وہ ہلاکت کے بالکل قریب تک پہنچ گیا تھا۔ اتنا قریب کہ آئندہ کے لیے اس کی ہیئت ہی بدل گئی۔ وہ اچھی خاصی متوازن طبیعت رکھتا تھا لیکن اس کے بعد وہ درشت سخت گیر اور سخت لڑنے والا لیڈر بن گیا۔

چند دنوں کی فرصت تھی۔ لارنس درۂ دانیال کے قریب کے علاقہ میں جاسوسی کے لیے ایک عرب کو ساتھ لے کر روانہ ہو گیا۔ یہ وہ علاقہ تھا جہاں آئندہ عظیم الشان فوجی کارروائیاں عمل میں لائی جانے والی تھیں۔ یہ علاقہ سب کا سب ترکوں کے تسلط میں تھا۔ لارنس کے کام میں یہی چیز حائل تھی۔ اس لیے کہ اس کو دشمن کی فوجی صفوں کے پیچھے کام کرنا پڑتا جس سے اس کی زندگی کو خطرہ لاحق تھا۔

ترکوں کی طاقت کا اندازہ کرنے نیز یہ معلوم کرنے کے لیے کہ ان پر عربوں کے حملہ کرنے کی کوئی صورت بھی ہو سکتی ہے۔ لارنس کو ترکوں کی چھاؤنیوں تک جانا ضروری تھا۔ اس کے لیے یہ معلوم کرنا بھی ضروری تھا کہ ترکوں کی فوجیں کیا واقعی اس قابل ہیں کہ لڑ سکیں اور ان پر حملہ کرنا مشکل ہو یا وہ

نوجوان لڑائی کا تجربہ نہ رکھنے والے لوگ ہیں جو لڑائی کی تاب نہ لاسکیں گے۔ لارنس کے پاس کوئی فوج تو نہ تھی۔ اس لیے اس کو مارنے اور بھاگ جانے کی لڑائی اس وقت تک لڑنی تھی جب تک کہ مقاومت دشمن کے لیے مشکل نہ ہو جائے۔ اس کے بعد وہ ان پر اچانک حملہ کر کے انہیں زیر کر سکتا تھا۔

ڈیرہ تک جانے سے قبل لارنس اور اس کا ساتھی ان کپڑوں کو حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئے تھے جو اس علاقہ کے دیسی باشندوں کا لباس تھا۔ اپنے ذاتی لباس کو انہوں نے کسی موزوں مقام پر چٹان کے نیچے چھپا دیا اور نئے کپڑے پہن لیے۔

لارنس کو کسی قسم کا اندیشہ نہ تھا۔ اس لیے کہ اس کا ساتھی تو یہیں کا باشندہ جان پڑتا تھا۔۔۔۔ اور خود اپنے بارے میں اپنی وضع قطع کی تشریح کے لیے اپنی خوش تدبیری پر اعتماد تھا۔ وہ ٹہلتے ہوئے ایک گلی میں پہنچے اور کسی کی توجہ بنے بغیر بستی کے اندر خاصہ بڑھ آئے یکا یک ایک پکار سنائی دی ۔ٹھہر جاؤ۔

لارنس کے دل میں بھاگ جانے کی تحریک ہوئی۔ لیکن اس نے اپنے ساتھی کو روک لیا اور دونوں للکار کی سمت پلٹ پڑے۔

دو ترک سپاہی ان کی طرف بڑھ آئے اور ہر قسم کے سوالوں کی بوچھاڑ کر دی۔ لیکن جواب دینے میں لارنس اپنی عیارانہ ٹال مٹول کے باوجود اس تصویر میں ٹھیک نہ بیٹھ سکا تھا۔ اس کے ساتھی کو تو چھوڑ دیا گیا لیکن خود لارنس کو کھینچ گھسیٹ کر سپاہی کماندار کے پاس لے گئے۔

''تو کون ہے۔ کیا کرتا ہے۔ کہاں سے آ رہا ہے۔''

یہ سوالات عربی اور ترکی زبان میں پوچھے گئے اور لارنس نے نہایت سہولت سے ان سب کے جوابات بھی دیئے ترکی عہدہ دار نے اس کے چھریرے جسم کو نیچے سے اوپر تک دیکھا۔ لارنس میں کوئی بات ایسی تھی جو اس کی سمجھ میں نہ آتی تھی۔

تو جھوٹ کہتا ہے تو جاسوس ہے۔

جواب میں لارنس نے سر کے اشارے سے نہیں کہا۔

عہدہ دار نے اپنے آدمیوں سے للکار کر کہا۔ ''اس کی زبان کھلواؤ۔''

آدمیوں نے پوری کوشش کی۔ لکڑیوں سے پیٹا۔ لاتیں ماریں اور جب وہ ضربوں سے چور بے دم ہو کر زمین پر گر پڑا تو پھر لاتیں جمائیں۔

عہدہ دار نے اسے اپنے پاؤں پر لا ڈالا۔ لیکن لارنس کی خودرائی اس کے بس سے باہر تھی۔ اس نے لارنس کو جھنجوڑا۔ ترک ایک موٹا' ہٹا کٹا ادمی تھا۔ وہ لارنس کو اس طرح جھنجوڑ سکتا تھا جس طرح شریر کتا چوہے کو جھنجوڑ سکتا ہے۔ لارنس کا ایک ہاتھ پکڑ کر اپنے بوٹ کی ایڑی سے اس کے سر پر اس وقت تک پیٹتا رہا جب تک کہ اس کا چہرہ سرخ اور بدشکل نہ ہو گیا۔ اس پر بھی لارنس نے زبان نہیں کھولی۔

خود اپنی بہیمیت سے تھک کر اس عہدہ دار نے آخر کار غریب کے زخموں سے چور چور جسم کو دھکیل دیا۔ سپاہی گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور اسے ایک کوٹھری میں ڈال دیا جہاں ساری رات وہ بے ہوش پڑا رہا۔ صبح میں لارنس کا بند بند ٹوٹ رہا تھا۔ لیکن پھر اسے گھسیٹتے ہوئے لے گئے اور اس خیال سے کہ شاید اس ''ضدی سر'' میں کوئی راز چھپا ہوا ہو' ترکوں نے پھر اسی قسم کی بہیمانہ سزائیں اس کو دیں۔

لارنس نے ان پر ایک نگاہ ڈالی۔ گویا وہ اذیت و مصیبت کی خاموشی میں بھی انہیں دعوت مبارزت دے رہا تھا۔ حتیٰ کہ ان شدائد کی اس میں تاب نہ رہی اور بے ہوش ہو کر زمین پر گر پڑا۔

عہدہ دار نے غرّا کر کہا۔ اس احمق کو یہاں سے اٹھا لے جاؤ۔

لارنس کو پھر اس کمرہ میں ٹھونس دیا گیا۔ رات کے وقت لارنس کو تھوڑا بہت ہوش آیا اور وہ ڈگمگاتے قدموں سے کھڑکی کے قریب کھسک آیا۔ وہاں کچھ دیر تک کھڑا' کھڑکی تک چڑھنے اور باہر کودنے کے لیے قوت اکٹھا کرتا رہا۔ گلی کے آخری کونے پر سنتری ہموار چال سے پہرہ دے رہا تھا لیکن لارنس نے خیال کیا کہ وہ اتنا دور ہے کہ کھڑکی کی طرف دیکھ نہیں سکے گا اور نہ یہاں سے کوئی آواز اس تک پہنچ سکے گی۔ اس کے جسم کے جوڑ جوڑ میں درد تھا۔ درد کے مارے سر پھٹا پڑتا تھا۔ ترکوں کی خوفناک مار کے سبب اس کی آنکھیں نصف کے قریب بند تھیں۔ اس حالت میں بھی کھڑکی کے چوکھٹے تک پہنچ ہی گیا۔ لمحہ بھر کے لیے وہاں لٹکتا رہا اور پھر نیچے کے گہرے سایوں میں خود کو پھینک دیا۔ خوش قسمتی سے

بلندی چند ہی فیٹ کی تھی۔ لیکن گردن کی تکلیف سے مغلوب ہو کر کچھ دیر کے لیے نیچے پڑا رہا۔ قسمت ہی تھی جو وہ شہر سے باہر نکل سکا۔ رات اندھیری تھی۔ وہ ایک سایہ سے دوسرے سایہ کی طرف آہستہ آہستہ بڑھتا گیا حتیٰ کہ مکانوں کی تعداد کم ہونے لگی۔ پھر ایک خیمہ سے دوسرے خیمہ کی طرف وہ بڑھتا گیا حتیٰ کہ سامنے کھلی فضا نظر آئی۔

تاروں کی چھانو میں وہ اس وقت تک سوتا رہا جب تک کہ دن کی دھوپ نے اس کو آمادۂ عمل نہ کردیا۔ وہاں لیٹے لیٹے اس کو ترکوں کی وہ ظالمانہ تعذیب یاد آئی جس میں سے اس کو گزرنا پڑا تھا۔ ایک مجبور انسان سے ان کا غیر انسانی برتاؤ۔ ان کی بہمیت۔ سب کچھ اس کے دل میں گزر گیا۔

اس تاریخ سے وہ بالکل بدلا وہ نظر آنے لگا۔

باب نمبر 8

جب وہ کیمپ واپس ہوا تو اس کی قلب ماہیت سے سب کو دھچکا سا لگا۔ وہ اب خاموش رہنے لگا اور کچھ عرصہ تک کسی قدر جھک کر چلتا پھرتا رہا۔ پل کے دھاوے میں شرپنل گولی اس کے لگی تھی۔ اس کی اس نے کچھ پروانہ کی تھی۔ گزشتہ چند دنوں کی یاد کو بھلانے کے لیے وہ اب کچھ نہ کچھ کرنا چاہتا تھا۔ اس کی نگاہیں مستقبل کی طرف لگی ہوئی تھیں۔

موسم بدل رہا تھا۔ دو تین مہینوں تک برف و باراں' ژالہ باری' اور بارش کے سبب مہمات میں کھنڈت پڑتی رہی تھی۔ دھاوے اس وقت کئے جاتے جب کہ موسم اس کی اجازت دیتا۔ ریلوے لائن کی مہمیں جاری تھیں۔

عربوں کے دل بہلائی اور ان کے خیال کو مصروف رکھنے کے لیے لارنس نے اچھی ترکیب نکالی کہ ان کے ساتھ پہاڑوں میں چھپ کر ترکوں کو اڑائے ہوئے پلوں کی تعمیر کرتے دیکھا کرتا۔ نئے تختے جما کر ترک از سر نو پٹریاں بچھاتے اور ریلوے لائن اس قابل ہو جاتی کہ ریلیں آ جا سکیں عین اس وقت عربوں کا حملہ ہوتا' محافظوں کو مار بھگایا جاتا اور سارا کیا کرایا کام ڈائنامیٹ کے نئے حملہ سے برابر کر دیا جاتا۔

مصر اور عربستان کے درمیان اس کی آمد و رفت جاری رہتی۔ کبھی سمندر کے راستے سفر کرتا کبھی ادھر ادھر اونٹ پر آتا جاتا۔ اپنے خاکوں میں ہر ممکنہ نقص یا خامی کی اسے تلاش رہتی۔ وہ کوئی چیز بھی بخت و اتفاق کے بھروسہ پر نہیں چھوڑنا چاہتا تھا۔

فوجی صدر مقام کے لوگوں میں اس سے جو بے اعتقادی پیدا ہو گئی تھی وہ اب بدل گئی تھی۔

اور انہیں اس کا علم ہو چکا تھا کہ لارنس کی عجیب وغریب عربستانی مہموں کی مدد کے بغیر ترکوں کو فلسطین سے نکالنے میں بہت دشواری پیش آئے گی اسی بناء پر ہر نئے اقدام کا خاکہ بناتے وقت اس کا خیر مقدم کیا جاتا۔فوجی چھاؤنیوں میں عجیب عجیب باتیں اس کے نام سے منسوب ہوگئیں۔جن میں سے بعض تو صحیح تھیں اور بیشتر غلط اور بے بنیاد۔

عجیب بات یہ تھی کہ فوجی صدر مقام کے عہدہ داروں سے قطع نظر بہت کم لوگ لارنس کو دیکھ پائے تھے وہ ان کے لیے صرف نام ہی نام تھا۔اس کے ساتھ کے کام کرنے والے اور لڑنے والے بھی اس کو پہلی بار کے دیکھنے کی حیرت کو فراموش کر گئے تھے وہ وہی کرتے جو وہ کہتا اس لیے کہ وہ جانتے تھے وہ کسی بات کا حکم اس وقت تک نہیں دیتا جب تک اس کو یقین نہ ہو جائے کہ حالات کے تحت اس کا منصوبہ پورا ہو کر رہے گا۔عرب اور انگریز سپاہی جو اس کی مدد کرتے تھے۔اب اس کے ہر قول وفعل پر پورا اعتماد کرنے لگے تھے۔

اگر لارنس کہہ دیتا کہ فلاں کام کیا جا سکتا ہے تو وہ سب کی نظروں میں معقول ومناسب ٹھہرتا اور اگر یہ کہتا کہ فلاں کام نہیں کیا جا سکتا تو وہ اس کو بھول جاتے۔لارنس کے متعلق ان کا رجحان بس یہی رہتا۔ہاں البتہ اس چھوٹے سے قد مگر بڑے دل والے انسان سے ان کی سچی محبت بھی اس کے ساتھ ضرور شریک رہتی۔

لارنس کا کچھ وقت مطالعہ میں بھی گزرتا۔جب کبھی فرصت ہوتی وہ چھاؤنی کے طبی عہدہ دار کپتان مارشل کے خیمہ میں Mortd Aurthur کے صفحات میں ڈوبا رہتا۔موسم پر اس کی بے تابانہ نظر لگی رہتی۔اوائل 1918ء میں موسم جب کچھ بہتر ہو چلا تو لارنس پھر آمادۂ عمل ہو گیا۔

وہ عرصہ سے تفیلح Tafileh پر دانت لگائے ہوئے تھا جو بحر مردار کے جنوبی سرے پر واقع ہے جب تک یہ مقام ترکوں کے قبضہ میں تھا اس کے منصوبوں کو برابر خطرہ لگا ہوا تھا۔

حملہ کے لیے فوجی قوت کو یکجا کرنے کی غرض سے وہ سیدھا گفو ویریا جا پہنچا اور تین ہفتہ تک مسلسل شمال کی سمت بڑھتا گیا۔اس کے بعد تفیلح کے کسی قدر جنوب میں پہنچ کر اس مقام پر مشرق و

مغرب اور جنوب کی سمت سے حملہ کرنے کی غرض سے اس نے اپنی فوج کی ٹکڑیاں بنا ڈالیں مہینہ کی 20 تاریخ تک وہ بالکل تیار ہو گئے۔ قریب ترین کا ریلوے اسٹیشن ترف Turf ہتھیا لیا گیا تھا اور اس کو تباہ کر دیا گیا تھا لیکن تفیلیح پر دھاوے کی پوری تیاری مکمل ہوگئی تھی کہ موسم ناموافق ہو گیا۔

تین دن تک شدید بمباری ہوتی رہی۔ اور پھر ایک دفعہ لارنس کو انگریز عہدہ داروں سے سخت شکایت کا موقع پیدا ہوا۔

عربستان کے متعلق درسی کتابوں میں یہی لکھا ہے کہ وہ ایک گرم ملک ہے۔ یعنی صرف ریت ہی ریت اور تپتا ہوا سورج لیکن برف باری کیا خوب! یہ عرب شاید پاگل ہو گئے ہیں۔'' فوجی صدر مقام والوں کا یہی رجحان تھا اور اسی بے وقوفی کے سبب ناحق بہت زیادہ مصیبتیں اٹھانی پڑیں حتیٰ کہ اموات تک واقع ہوئیں۔ سرد موسم سے بچاؤ کے لیے لارنس نے زائد کپڑوں، کمبلوں اور خیموں کی فرمائش کی تھی لیکن مقتدر عہدہ داروں نے اپنی ناواقفیت کے سبب اس زحمت میں پڑنا گوارا نہ کیا۔

جون میں سردی چمک اٹھی۔ لارنس اور اس کے آدمی ماآن کے پرے کی سطح مرتفع پر گھرے بیٹھے رہے۔ یہ سطح مرتفع سطح سمندر سے 50 ہزار فٹ بلند ہے۔ سردی اتنی شدید تھی کہ کسی کو اس کی مثال یاد نہ تھی آدمی جلد جلد مرنے لگے۔ اونٹ آگے بڑھنا چاہتے لیکن گر پڑتے اور سڑک کے کنارے چھوڑ دیئے جاتے۔ سردی سے اکڑی ہوئی انگلیاں رائفل چلانے کی کوشش کرتیں لیکن لوگوں کی خواہش اتنی ہی تھی کہ سورج نکلنے تک کونوں کھدروں میں دبکے بیٹھے رہیں۔

ترکوں کو ان کے مسلسل بڑھتے آنے کی خبر مل گئی تھی اور وہ یکے بعد دیگرے چوکی پہ چوکی ان عربوں کے خوف سے خالی کرنے لگے تھے جو سخت گرمی کے ہونے کے باسی باوجود برف سے لدی اور پٹی ہوں سڑکوں پر اس بے جگری سے لڑتے بھڑتے چلے آرہے تھے کہ ان کے دشمنوں کے چھکے چھوٹ گئے۔

ترک جانتے تھے کہ عرب طویل طویل مہموں کے حریف نہیں ہو سکتے اس لیے انہیں حیرت تھی کہ وہ ایسا کونسا لیڈر ہے جس نے انہیں متحد رکھ کر طاقت ور اور دہشت ناک جنگ آزماؤں میں بدل

ڈالا ہے۔

نیلی آنکھوں والا عرب (لارنس) جس طرف بھی رخ کرتا ترک سمجھ جاتے کہ وہ مصیبت میں گھر گئے ہیں یکا یک ترکوں نے پیچھے سے وار کیا۔ لارنس اپنے آدمیوں کو چٹانوں کی اونچی چوٹیوں پر کھڑا کر چکا تھا جہاں سے تفلیح Tafileh نظر آتا تھا یکا یک اس کے عربوں کا ایک جتھا وادیوں سے بے تحاشا دوڑتا ہوا آیا جن کا تعاقب ترک سواروں کا دستہ کر رہا تھا۔

ابھی اندھیرا باقی تھا۔ عرب تعاقب ہی سے دہشت زدہ تھے کہ اب اس میں دشمن کے رائفلوں کی چمک بھی شامل ہوگئی۔ جس سے عربوں میں ہول سی سما گئی۔ لارنس نے اس وار کے روکنے کی یہ تدبیر کی کہ دو آدمیوں کو ہاچ کس بندوقوں کے ساتھ آگے بھیجا تا کہ دشمن کا خیال بٹا رہے اور خود صورت حال کا جائزہ لینے لگا۔

بندوقوں کے چھوٹنے کی آوازیں بڑھتی گئیں اور یہ ظاہر ہوگیا کہ دشمن کی ساری فوج لارنس کے مقبوضہ مقام کی طرف بڑھی چلی آ رہی ہے۔

بندوقچیوں کو ڈٹے رہنے کا حکم دیتے ہوئے لارنس ایک بلندی سے اترا اور دوسری بلندی پر چڑھ گیا۔ اور وہاں سے حملہ آور ترکوں کا مشاہدہ کرنے لگا۔ یہ جان کر کہ صرف 80 آدمیوں سے پہاڑی پر قبضہ باقی رکھنا مشکل ہے اس نے ان لوگوں کے پاس قاصد دوڑائے جو پیچھے گاؤں میں لڑ رہے تھے۔ انہیں کہلا بھیجا کہ بہت جلد آ جائیں۔

اس کے بعد بہت ہی دھیمی رفتار سے اس نے پیچھے ہٹنا شروع کیا۔

اگر کلدار توپوں اور مشین گنوں کے پہنچنے تک وہ ترکوں کو ترغیب دلا سکتا کہ آ کر ان ڈھلانوں پر قبضہ جمائیں تو اس کے بعد انہیں جال میں جکڑ لینا ممکن ہوسکتا تھا۔ لارنس بم گولوں کے دھماکوں سے اتنا قریب تھا جہاں تک کہ اس کی ہمت اسے لے جا سکتی تھی لیکن جب ایک شرپنل خود اس کے قریب آ کر پھٹی اور اس کا ہلاکت آفریں مسالہ زمین پر پھیل چکا تو لارنس نے طے کیا کہ ہٹ جانے کا یہی وقت ہے۔

دوسرا سوال یہ درپیش تھا کہ امدادی فوج جب اور جب کبھی بھی آن پہنچے تو اس کو کس جگہ متعین کیا جائے۔

اب وہ بھاگنے لگا۔ ساحل کی طرف سطح زمین کو قطع کرتا ہوا بھاگنے لگا جہاں اس نے تھوڑی سی فوج متعین کر رکھی تھی۔ بھاگتے وقت شل کے گولے پھٹتے جاتے تھے اور گولیاں راست اس کے اطراف آ آ کر گرنے لگی تھیں یا سنساتی ہوئی پیچھے اور بازو والی چٹانوں سے ٹکرا جاتی تھیں۔

لیکن بہ ایں ہمہ لارنس اپنے کام میں مصروف تھا۔

آس پاس کے مرنے والوں کی طرف سے مضطرب نہ ہو کر بھاگتے ہوئے اس نے گننا شروع کیا۔ ایک دو تین چار وہ ایک بلندی سے دوسری بلندی کا درمیانی فاصلہ معلوم کرنا چاہتا تھا اور گزوں کا شمار کر رہا تھا۔

گرمی بہت شدید ہو گئی تھی اور جب ایک عرب سوار ما آن پہنچا تو لارنس رکاب کو تھامے ہوئے اس محفوظ مقام کی طرف جھپٹ کر نکل گیا جو اس کے مرکزی مورچہ کے عقب میں واقع تھا۔ اس اثناء میں ترک لارنس کی چھوڑی ہوئی بلندی پر چڑھ آئے اور ایک ساتھ عربوں پر گولیوں کی بوچھاڑ شروع کر دی۔

لارنس اپنے محفوظ مقام میں داخل ہوا ہی تھا کہ یہ دیکھ کر اسے بڑی خوشی ہوئی کہ اس کی باقی فوج بھی تیزی سے جھپٹی چلی آتی ہے اور اپنے ساتھ مشین گنیں، خودحرکی رائفلیں اور بالخصوص وہ ماؤنٹین گن بھی لائی ہے جو ریلوے کے مستحکم مقاموں کی ضمنی لڑائیوں میں بہت کارآمد ثابت ہوئی تھی۔

لارنس نے حکم دیا کہ ''انہیں کچھ دیر کے لیے روکے رکھو۔''

اور خود کسی چھوٹے سے کھوہ میں جا کر ایک گھنٹہ تک سوتا رہا۔

جب اٹھا تو اس کی چھوٹی سی فوج تیار تھی۔ اس نے دشمن پر ایک نگاہ ڈالی۔ ترکوں نے پوری احتیاط سے اس چوٹی پر مورچہ بندی کر لی تھی جس کو لارنس چند ہی گھنٹوں پہلے چھوڑ چکا تھا۔ اور جس کے متعلق وہ جانتا تھا کہ یہ مقام گولہ باری کے لیے بالکل کھلا ہوا ہے۔ اس طرح اس کا چھوٹا سا پھندا اپنا

کام کر گیا تھا۔

اس سے بہتر بات یہ تھی کہ وہ ان بلندیوں کے سلسلوں سے خوب واقف تھا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کے درمیان سخت چٹانوں کے چھجوں پر جب گولے پڑنے لگے تو گولوں کے اچٹتے ہوئے نکل جانے سے بھی اتنا ہی نقصان ہونے لگا جتنا خود گولیوں سے۔

سواروں کا ایک دستہ اس نے دائیں جانب بھجوایا اور دوسرا بائیں طرف اور جب یہ نقل و حرکت ہو رہی تھی تو وسطی حصہ والوں کو اس نے مسلسل حرکت میں رہنے کا حکم دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ دشمن کی تمام تر توجہ وسطی حصہ پر جمی رہی اور لارنس کے کئی سو آدمیوں ہی پر انہیں کئی زبردست فوج کا دھوکہ ہونے لگا۔

یہ فوج جن عربوں پر مشتمل تھی وہ اس سرزمین سے خوب واقف تھے۔ ایک ایک چٹان تک کو جانتے تھے اس لیے سیدھے دشمن کے سر پر جا پہنچے۔ اس کے بعد لارنس کا حملہ شروع ہوا۔ وسطی حصہ سے اس نے بم باری شروع کی ترک اس کے مقابلہ کے لیے آمادہ ہو ہی رہے تھے کہ دائیں پہلو سے ایک اور حملہ ہوا اور جب وسطی حصہ میں انہیں کوئی حرکت نظر نہ آئی تو وہ بائیں جانب پلٹ پڑے۔ جس کے ساتھ ہی دائیں جانب والے ان پر پل پڑے۔ بدحواسی کی حالت میں آدھے ترک دائیں طرف پلٹ پڑے جب دائیں اور بائیں دونوں جانب کی فوجیں مصروف ہو گئیں تو لارنس نے خود وسطی حصہ سے گولہ باری شروع کر دی ایک ہنگامہ مچ گیا لیکن ترکوں کا اس سے زیادہ خوفناک دشمن لارنس کی سپاہ کے پیچھے منتظر بیٹھا تھا۔ آس پاس کے دیہاتوں میں وہ ارمنی جنہوں نے ترکوں کے ہاتھوں برسوں ہولناک مصیبتیں اٹھائی تھیں عربوں کی فتح کی آس لگائے وہاں دبکے بیٹھے تھے۔

جب انہوں نے دیکھا کہ ترکوں میں بھگدڑ مچ گئی اور وہ پہاڑوں میں بھاگے جاتے ہیں تو اپنی اپنی پناہ گاہوں سے نکل آئے اور گالیاں بکتے دھمکیاں دیتے چھرے لیے ان کے پیچھے جھپٹے۔

ترک اس سرزمین سے ناواقف تھے وہ سیدھے ڈھلوان چٹانوں کے درمیان تنگ راستوں پر بھاگے جا رہے تھے جن کے اوپر چڑھنا ان کے بس سے باہر تھا۔ لیکن ارمنی جو چپہ چپہ زمین سے

واقف تھے کھوج لگا کر انہیں نکال لاتے اور یکے بعد دیگرے تڑپا تڑپا کر مارتے جاتے۔

خوف زدہ ترکوں کو موت بھی آسانی سے نہیں آتی تھی۔اس لیے کہ ارمنی اپنے چھرے کی ہر ضرب سے ان تمام شدائد کا حساب چکا رہے تھے جو سالہا سال سے انکی قسمت میں بندھے ہوئے تھے۔

دشمن کا یہ انجام بہت ہی ہولناک تھا۔لیکن یہ لڑائی لارنس کو بھی یقیناً مہنگی پڑی اس کے تقریباً 120 آدمی یا تو مر چکے تھے یا زخمی ہوئے تھے اس نقصان کا متحمل ہونا لارنس کے لیے دشوار تھا لیکن جو ہونا تھا وہ ہو چکا تھا۔ یہ ہنگامہ ختم ہوا ہی تھا کہ برف باری پھر شروع ہو گئی اور رفتہ رفتہ تمام لاشیں برف میں چھپ گئیں۔گویا برف نے اپنی سفید عبا میں ان سب کو ڈھانپ لیا تھا۔

اس دوسری دفعہ کی برف باری نے لارنس کو ایک مہینہ کے لیے ٹھہر جانے پر مجبور کر دیا لیکن اس کے پاس Mort'd Aurthur کی جلد موجود تھی جس سے اکتا دینے والے وقت کے کئی کئی گھنٹے آسانی سے گزر جاتے۔

چھاؤنی کے بہت سے لوگوں کو خدمت سے سبکدوش کرنے کے بعد لارنس نے ابال لسان کی طرف کوچ کی ٹھانی۔

وہ ان انتظامات میں لگا لپٹا ہوا ہی تھا کہ موسم بہار کا آغاز ہو گیا۔لیکن بغیر زر کے کسی منصوبہ کا بھی رو بہ عمل ہونا ناممکن تھا۔

یہ سفر بہت ہی طویل اور بہت ہی سرد تھا۔لیکن جب وہ آگے کے پڑاؤ پر پہنچا تو وہاں اس کا خیر مقدم کیا گیا۔یہاں کرنل جوائس 50 ہزار پونڈ سونا لیے ٹھہرے ہوئے تھے۔لارنس خوش تھا اگرچہ اس کے چہیتے اونٹ کو ان لوگوں نے عقبہ سے شمال کی جانب بھیج دیا تھا۔

لارنس کے ہونٹوں پر ہنسی کھیل گئی۔وہ ہنسی جوان دنوں اس مقام پر شاذ ہی نظر آتی تھی۔ لارنس نے تعویق نہیں کی بلکہ خود اپنے اونٹ کو دوسرے بیس اونٹوں کے ساتھ سونے سے بھر دیا اور پھر دوبارہ تفلیح کی جانب روانہ ہو گیا۔

اس کے سفر ہمیشہ پرخطر ہوتے۔ یہ بھی ویسا ہی تھا جس کا خود بعض کو احساس تھا برف اور منجمد کیچڑ کے سبب زمین پر ہر طرف پھسلن آ گئی تھی۔ اونٹوں اور انسانوں کو شمال کی انتہائی سرد ہواؤں کا مقابلہ کرنا پڑتا۔ اونٹ جہاں چل نہ سکتے وہاں پھسل پڑتے۔ یہ ضروری نہیں کہ ہمیشہ آگے ہی کی طرف پھسلیں۔ وہ گھنٹہ بھر میں ایک میل سے زائد نہیں بڑھ سکتے تھے اور رات آنے سے قبل ہر شخص زخموں سے چور چور ہو جاتا۔

ایک دفعہ لارنس دلدل میں پھنس ہی تو گیا۔ لیکن اونٹ کے پچھلے پاؤں کو پکڑ کر اونٹ ہی کے کھینچنے پر باہر نکل سکا اور اسی طرح کی دوسری آفتوں کے سبب باقی لوگوں نے آگے بڑھنے سے انکار کر دیا جس کے سبب لارنس کو انکے رات بسر کرنے کے لیے کوئی اچھا مامن تلاش کرنا پڑا۔ جب اس کا انتظام ہو لیا تو وہ شوبک سے جہاں وہ ٹھہر گیا تھا تن تنہا آگے روانہ ہو گیا۔

اس دوران میں لارنس کے اونٹ میں اپنے مالک سے مانوس ہونے کے باوجود برف سے نفرت کا احساس کافی ترقی کر چکا تھا۔ یہ اس کے لیے بالکل نئی چیز تھی۔ برف کی نرماہٹ اور گیلے پن کا احساس اس کو ناگوار گزرتا اس لیے کہ یہ چیز اس کے گرم اور ریتلے ملک کے لیے بالکل انوکھی تھی۔ بالآخر جب وہ ایک گہرے دھارے میں گر پڑا تو آگے بڑھنے سے انکار کر دیا۔

لارنس اگر اسے راستہ پر نہ لگاتا تو اونٹ اور وہ خود دونوں ٹھٹھر کر مر جاتے اور اس قدر شجاعانہ آغاز کا انجام اتنا مایوس کن اور ایسی بے یاری و مددگاری کی حالت میں ہوتا۔

راستہ نکالنے کی کوشش میں لارنس نے اپنے ہاتھ اور پاؤں زخمی کر لیے اونٹ کو اٹھایا گیا اور کنارے پر لایا گیا۔

یہاں ایک مزاحمت درپیش تھی یعنی یہ کہ اونٹ گویا اپنی سکت کے آخری نقطہ کو پہنچ گیا تھا۔ یہ ایک عجیب بات ہے لیکن اس کی صداقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اونٹ جب تھک کر آگے بڑھنے سے انکار کر دے تو وہ اسی مقام پر کھڑا رہے گا جہاں کہ وہ رک گیا ہے اور اس وقت تک کھڑا رہے گا جب تک کہ مر کر گر نہ پڑے لیکن وہ آگے بڑھنے کی کوشش ہرگز نہیں کرے گا۔

لارنس کا اونٹ بھی اگر یہی کرتا تو اسے پیدل سفر کرنا پڑتا اور اس صورت میں دشواریاں اور زیادہ اس کی راہ میں حائل ہو جاتیں۔ یہاں اب وہ پہاڑ کی عین چوٹی پر تھا جس کے ہزاروں فٹ نیچے ہری بھری خوش نما سرزمین تھی اور امن و امان تھا صورت حال قطعاً مایوس کن تھی۔ ڈھلان کے نیچے ایک چھوٹا سا گاؤں رشیدیہ تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر واقع تھا۔

برف پانی کے دھاروں اور پھسلتی ہوئی ڈھلانوں سے نکل جانے کی آخری کوشش کے ارادے سے کسی قدر جھلا کر لارنس پھر سوار ہوا۔ اور اونٹ کی گردن پر شدت سے پیٹنا شروع کیا اور اسی کے ساتھ پوری قوت سے اس کے بازو پر ایڑین لگائیں۔ اونٹ چھوٹے سے ٹیلہ پر چڑھا اور چوٹی سے کود پڑا۔

قبل اس کے کہ اونٹ اور اس کا سوار یہ جان سکیں کہ آخر ہو کیا رہا ہے وہ ڈھلانوں پر سے پھسلے جا رہے تھے۔ بطور احتجاج چند بار گڑگڑا کر اونٹ نے آخر یہی فیصلہ کر لیا کہ بیتی ہوئی مصیبتوں کے مقابلہ میں سفر کی بہر حال یہی سب سے آسان صورت ہے۔ اس لیے وہ بڑھتا گیا۔

پہاڑی کے نشیب میں اونٹ کا غوطہ لگانا ہی تھا کہ لارنس نے زور زور سے چیخنا چلانا شروع کیا تا کہ اونٹ اپنا سفر جاری رکھے خود اونٹ غصہ اور تکلیف سے بلبلاتا جاتا تھا کبھی تو وہ پاؤں پاؤں چلا اور کبھی پھلستا گیا، پھسلتا گیا حتیٰ کہ ایک جنبش اور بیزاری کی آخری سانس لے کر وہ اس مقام پر آیا جس سے وہ مانوس تھا یہ ایک سڑک تھی اور یہاں مکانات تھے یہ بات خوش آئند تھی۔

دیہاتی نکل آئے اور لارنس کی اس بیکسانہ آمد پر انہیں حیرت ہوئی لیکن انہوں نے لارنس کا خیر مقدم بھی کیا۔ دوسرے دن اگرچہ لارنس کا سفر ختم ہو چکا تھا لیکن آرام کے لیے اسے موقع کہاں ملتا۔ جرنیل الن بائے اس سے ملنا چاہتے تھے اس لیے ایک دفعہ پھر وہ عقبہ کی طرف چل پڑا اور وہاں سے اس نے مصر اور فلسطین کی جانب پرواز کی۔

جب وہ جرنیل موصوف سے ملا تو وہ بہت زیادہ فکر مند پائے گئے۔ اتحادی مشرق میں اقدام نہیں کر سکتے تھے اور اس وقت تک جب تک کہ جرمنی کو ترکی کی تائید حاصل تھی اتحادیوں کی

فتح یابی کے امکانات بہت دشوار طلب تھے۔

جرنیل الن بائے نے یہ تمام واقعات لارنس کو سمجھائے۔ یہ ایک عجیب منظر تھا ایک طرف مصر کی ساری معروف جنگ فوجوں کے جنرل کمانڈنگ افسر تھے جو ترکوں کے خلاف معرکہ آرائیوں کے ذمہ دار تھے۔ معربی محاذ کے جرنیلوں تک نے جن کی مدد طلب کی تھی لیکن انہیں بھی اس لاوبالی شوقین سپاہی سے یہ پوچھنے کہ سواء کوئی چارہ کار نظر نہ آیا کہ اس بارے میں وہ کیا کر سکتا ہے۔ لارنس کے لیے یہاں ایک موقع تھا جس کی جانب وہ جھپٹ پڑا۔

جرنیل سے اس نے کہا کہ اسے مزید بندوقوں، مزید مشین گنوں اور مزید اونٹوں کی ضرورت ہے۔ دولت بھی بلاشبہ چاہیے اور کافی مقدار میں غذا بھی۔

اگر جرنیل الن بائے مغربی محاذ پر دشمن کو دھیان دینے سے باز رکھ سکتے تو لارنس دوسرے محاذ پر اس سے نپٹ لیتا اور اس طرح اپنا پرانا منصوبہ روبعمل لاسکتا۔ وہ منصوبہ جس کو اس نے مہینوں پہلے سوچ رکھا تھا وہ منصوبہ جس کا دوسرے جرنیلوں نے مذاق اڑایا تھا۔

گفتگو مختصر اور صریحی تھی۔ لیکن اس کے اختتام پر لارنس کا مطلب نکل آیا اپنے مقصد کی اس نے جرنیل الن بائے سے کامل توثیق حاصل کر لی تھی اور وہ مقصد معان کا فتح کرنا تھا۔

صاف زبان میں اس کا مطلب یہ تھا کہ انگریز سپاہی اگر اپنے مورچہ کو سنبھالے رہیں تو لارنس اپنے بے قاعدہ فوجی دستوں کے ذریعہ پوری مقاوست کا ذمہ دار ہوسکتا ہے۔

اس نئی حاصل شدہ امداد سے پھولا نہ سما کر لارنس عقبہ کی طرف واپس دوڑ پڑا اور عربوں کے درمیان یہ خوشخبری پھیلا دی کہ "جرنیل الن بائے کو ہماری مدد درکار ہے اور ہمیں اس میں دریغ نہ کرنا چاہیے۔"

باب نمبر 9

عقبہ کی صدیوں کے بے حسی اب رخصت ہو چکی تھی ۔ ریتلے ڈھلانوں پر جو وادی عرب سے شروع ہو کر ساحل سمندر تک پہنچتے تھے اب آوارہ گرد عربوں کے خیموں کے بجائے صاف ستھرے چھوٹے چھوٹے کیمپ ادھر ادھر بکھرے نظر آتے تھے ۔ صدر کیمپ کے مغرب میں ایک طیارہ گاہ بھی قائم ہو چکا تھا ۔ کشتیوں کی بندرگاہ میں مسلسل آمد و رفت رہتی ۔ کشتیوں سے اسباب اتارنے کے لیے ایک طرح کی چھوٹی سے گودی بھی بنادی گئی تھی ۔

ایک سو کے قریب انگریز سپاہی اس بندرگاہ میں رہتے تھے ۔ جنہیں اسباب' ہتھیار بند موٹروں دس پونڈی بیٹریوں کی حفاظت کے لیے یہاں بھجوایا گیا تھا ۔ اونٹوں کو تیار رکھنے کے لیے دوسرے لوگ تھے ۔ ارڈینس ڈیپارٹمنٹ کے وہ لوگ بھی جن کا وقت آغاز بغاوت پر بڑے اچنبھے اور جوش کی حالت میں گزرا تھا عقبہ آن پہنچے تھے ۔

اب ان کا کام کسی قدر آسان ہو گیا تھا اس لیے کہ انہیں صرف جدید قسم کی رائفلوں کی مرمت کرنی پڑتی ۔ لیکن کبھی ایسا بھی ہوتا کہ بھرمار بندوقیں بھی ان کے ہاتھ پڑ جاتیں اور وہ بیشتر کے شقفوں اور درازوں کو دیکھ کر احتیاط سے ان کی مرمت کرتے ۔

اور جب کبھی کوئی بندوق نا قابل مرمت خیال کی جاتی تو اس کے بدلے عربی کو ٹھپہ دار رائفل دیا جاتا ۔ لیکن عربی اس کو شیطانی تحفہ سمجھ کر لینے سے انکار کر دیتا اور اپنی ذاتی بندوق طلب کرتا اسلحہ ساز اس کی بے وقوفی پر حیران ہو کر ٹین کا ایک آدھ ٹکڑا کندے یا نلی پر مڑھ دیتے اور واپس کر دیتے ۔ جس کو لے کر عربی بہت خوش ہوتا ۔

گوویریا کو جو Negbel-shatar اور عقبہ کے درمیان واقع ہے۔ ہراولی چھاؤنی بنایا گیا تھا یہ ایک بہت وسیع میدان تھا جو ریتلے پتھروں کی اونچی چٹانوں سے گھرا ہوا تھا۔ یہ چٹانیں ڈیون کی چٹانوں کی طرح رنگین تھیں۔ دلدل کی چوڑی چکلی سطح زمین پڑاؤ کے لیے موزوں تھی لیکن برسات میں گاڑیاں معہ پہیوں کے زمین میں دھنس جاتیں۔

اب جب کہ یہ ہتھیار بند موٹریں اوران کی ایندھن گاڑیاں لارنس کو اس کے کام میں مدد کے طور پر دی گئیں تو اس کی فوجی کارروائیوں میں کچھ سرعت سی آ گئی تھی۔

لیکن سڑک آسان گزار نہ تھی۔ عقبہ سے وادی اتھم تک ساری زمین ٹیلوں سے پٹی ہوئی تھی۔ خود وادی کے چھوٹے چھوٹے تنگ درازوں میں سے گاڑیاں رگڑ کھاتی ہوئی گزرتیں اور اس بات کی بڑی احتیاط برتی جاتی کہ کہیں پہیئے چٹانوں کے کونوں سے نہ ٹکرا جائیں جو استروں کی طرح تیز تھے۔

موٹر کے ذریعہ عقبہ سے لارنس کا پہلا سفر بجائے خود ایک مہم تھا۔ وادی سے صحیح سلامت نکل کر اور مسطح قطعات زمین پر بے تحاشا تیز رفتاری سے سفر کر کے وہ گویریہ کے میدان کے شمالی سرے تک جا پہنچا۔

جب اس کی نظر Negbel-shtar کی چوٹی اور کاک پیچ Corkserew کی طرح بل کھاتے ہوئے درہ پر پڑی تو اس نے ہتھیار بند موٹروں کے آدمیوں کو اشارے کے ذریعہ اوپر کی طرف بتایا۔ اونٹوں کے لیے یہ سڑک نا قابل گزر تھی۔ اوران لوگوں نے بھی جو نخلستان Siwa کی معمولی لڑائیاں لڑ چکے تھے اس قسم کی کوئی چیز اپنی زندگی میں نہیں دیکھی تھی۔

لارنس نے چٹانوں کی نپٹ بلندی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا ''یہ ہے جو ہم کو سر کرنا ہے۔'' چڑھائی شروع ہوئی اور کچھ دیر بعد جو برسوں کے برابر طویل تھی ایک تھکا ہارا ہانپتا ہوا گروہ موٹروں کو چوٹی پر چڑھا سکا انجن کے پورے زور کے باوجود عموماً یہ کھینچنے اور ڈھکیلنے کا کام تھا۔ وقتاً فوقتاً کوئی پہیہ پھسل پڑتا رک جاتا یا راستہ کے کونے پر زچ کر دینے والے گھماؤ کے ساتھ معلق ہو جاتا۔ اس

وقت سب کو متحد ہو کر سانس روک کر زور لگانا پڑتا۔ جس کے بعد آہستہ آہستہ لیکن یقینی طور پر گاڑی راستہ پر آ رہتی۔

نشیب ہو یا فراز' راستہ سخت دشوار گزار تھا اور جب کبھی عقبہ سے ابالل لسان اور مآن کی طرف جانے والی سرزمین پر گزرنا ہوتا تو اسی درہ کا راستہ اختیار کرنا پڑتا۔ اس کے سواء اگر کوئی راستہ تھا تو اس میں سینکڑوں میل کا پھیر تھا۔

Negbel- shtar سے لارنس اور اس کے ساتھی خوب واقف ہو چکے تھے۔ لیکن ہر دفعہ چوٹی پر کھڑے ہو کر دنیا کے ایک سب سے زیادہ عجیب و غریب منظر کے مشاہدہ کے لیے وقت نکال ہی لیتے۔

میدان کی دوسری جانب' بیس میل کے فاصلہ پر فضائے بسیط میں ایک نقطہ کے طور پر گوور یہ کی چھاؤنی واقع تھی جو پہاڑوں سے گھری ہوئی تھی۔

دائیں جانب سینا کے پتھریلے بنجر پہاڑ تھے اور میدان میں ادھر ادھر بے ترتیبی سے وہ چٹانیں پھیلی ہوئی تھیں جنہیں بادو باران نے ہمہ اقسام کی عجیب عجیب شکلوں میں تبدیل کر دیا تھا۔ اس بلندی سے وہ ایسا معلوم ہوتے گویا ناہموار فرش بندی کر دی گئی ہے۔ راستہ کی نگہداشت ٹوٹم Totem کی طرح کے مہیب مجسمے کر رہے تھے ابالل لسان سے آگے اس عجیب ملک میں ہتھیار بند موٹروں اور ایندھن گاڑیوں کے یہ ابتدائی سفر بڑے جان جوکھوں کے کام تھے اور ڈرائیوروں کو اس کا پتہ تک نہ تھا کہ آئندہ کیا افتاد پڑے گی۔ خاصی مسطح اور سخت سڑکوں پر یا تو 50' 60 میل فی گھنٹہ کی رفتار کا مخدوش سفر طے ہوتا یا پھر پہیئے پھسل پڑتے۔ انجنوں سے زناٹوں کی آوازیں آتیں اور دھرے تک موٹریں ریت میں دھنس جاتیں۔ ہر شخص اتر پڑتا موٹروں سے اسباب اتارا جاتا اور سخت زمین تک لڑکھڑائی چال سے لے جایا جاتا۔ جو یا تو چند ہی گز کے فاصلہ پر ہوتی یا ایک میل کی دوری پر۔ پھر موٹر کو کھینچ دھکیل کر ریت سے باہر لایا جاتا۔ (بعد میں ان پورے قطعات زمین پر ان تاروں کے جال پھیلا دیئے گئے تھے جو مرغیوں کے ٹاپوں میں استعمال ہونے والے تاروں سے مشابہ تھے جس کے سبب

زمین پر پہیوں کی ضروری گرفت حاصل ہوگئی۔)

کچھ عرصہ تک عقبہ ہر چیز کا مرکز بنا رہا۔ ہتھیار بند موٹریں آیا جا کرتیں طیارے فرائے بھرتے سروں کے اوپر اڑا کرتے اونٹوں کے کاروانوں کی لامتناہی قطاریں تنگ وادیوں میں سے گزر کر آتیں۔ لارنس اور دوسرے انگریز عہدہ داران لوگوں کو سپاہی بنانے کی اپنی امکانی کوشش میں لگے ہوئے تھے جو انقلاب عرب میں لڑنے کے لیے رضا کارانہ اپنی خدمات پیش کر رہے تھے۔

انگریزی چھاؤنی کے لوگ بھی خاموش نہ رہتے۔ مصیبت یہ تھی عرب بھی ہر چمکتی ہوئی چیز پر نشانہ تانے بغیر رہ نہیں سکتے تھے حتیٰ کہ اس وقت بھی جب کہ باورچی اپنے کام میں لگا ہوا ادھر ادھر پھرتا رہتا گولی گرج دار آواز کے ساتھ نکل جاتی اور ساتھ ہی ایک جھنکار سنائی دیتی۔ اس طرح کسی نامعلوم نشانہ باز کی چاند ماری کو شہرت حاصل ہوتی۔ لیکن باورچی اس کو چاند Bull's eye ہرگز نہ کہتا۔

عرب نامانوس چیزوں کو ناپسند کرتے ہیں ان چیزوں سے وہ قریب ہوں گے تو اس کی اصلیت معلوم کرنے کے لیے یکجا جمع ہو جائیں گے لیکن اگر کوئی چیز کچھ فاصلہ پر واقع ہو وہ انہیں بندوق کا نشانہ بنانے کے لیے موزوں نظر آئے گی۔ بندوق اٹھالیں گے پھر فائیر کریں گے جس سے کسی حد تک ان کے استعجاب کو تسکین ہو جائے گی۔

وہ لوگ جو عربوں کا سر پیچ باندھ کر چہل قدمی کرتے ان کے لیے کوئی خطرہ نہ تھا لیکن دو ایک بد قسمت ایسے بھی تھے جو اپنی عادت سے مجبور ہو کر اپنی معمولی چھجے دار ہیٹ لگائے باہر نکل آئے یا چہل قدمی کرنے لگے۔

عرب تو صرف اپنے سر پیچ سے واقف تھے۔ چھجے دار ہیٹ کی انہیں کیا خبر۔ اس لیے انہوں نے اس کو بھی معقول نشانہ تصور کر لیا۔ ایک شخص تو اس طرح اپنی جان سے گیا لیکن دوبارہ لوگوں کو چھجے دار ہیٹ پہننے کی جرات نہ ہوئی کیونکہ انہیں خوب تنبیہ ہو چکی تھی کہ اڑتی ہوئی گولیاں ان کا خاتمہ کر دیں گی۔

لارنس اور اس کے ساتھیوں کا جس سے سابقہ رہتا وہاں کی زندگی کا یہی نقشہ تھا۔

سارے ملک عرب کے لڑنے والوں میں سے 40 سخت بے جگر لڑنے والے اب اس کے گرد جمع تھے۔

جس طرح اسپین کے سمندر میں بحری قزاق موجود رہتے ہیں اس طرح صحرا نے بھی خون کے پیاسے بدمعاش کافی تعداد میں فراہم کردیئے تھے جو ہر شخص اور ہر چیز سے لڑنے کے لئے اس وقت تک آمادہ تھے جب تک کہ لارنس کی قیادت انہیں حاصل رہتی۔ ہر شخص دوسرے سے زیادہ رنگین اور چمکدار لباس میں نظر آنے اور اپنے اونٹ کے کجاوے کو دوسروں سے زیادہ چمکدار ساز و سامان سے سجانے کی کوشش کرتا۔ اور جب وہ اپنے دھاوں پر روانہ ہوتے تو رنگوں کا ایک ہنگامہ نظر آتا جس کے درمیان لارنس کا سفید لباس ان سب سے الگ ہوتا۔

ہر شخص کے پاس دو دو رائفلیں اور عموماً دو دو ریوالور تھے۔ ہر ایک کے کندھے پر گولی بارود سے بھرا ہوا چمڑے کا پرتلا لٹکتا ہوتا اور کمر بند میں خنجر ہوتا اور بعضوں کے پاس ہتھیاروں کی جوڑیاں ہوتیں یعنی دو رائفلیں دو روالور اور دو خنجر۔ سب اونٹ اتنے تیز رفتار اور مضبوط تھے جو وہاں میسر آسکتے تھے بالکل اسی قسم کے جو لارنس کی سواری میں رہتے تھے یہی لوگ ہیں جن کے ساتھ لارنس نے انتہائی دلیری کے کارنامے انجام دیئے ہیں اور خصوصاً اس انتظار کے زمانے میں۔

انگریزی محاذ پر لڑائیاں نقشوں کے مطابق نہیں انجام پا رہی تھیں اور جرنیل الن بائے دو یا تین مہینوں کے لیے لڑائی روک دینے پر مجبور ہو گئے یورپ میں لڑائی شدید تر ہوتی جا رہی تھی اور وہاں والے مصر سے کمک بھی طلب کرنے لگے تھے جس نے جرنیل الن بائے کو اور بھی کمزور کر دیا تھا اور ان کے لیے اب ضروری ہو گیا تھا کہ قوت سے زیادہ چال بازی کو بروئے کار لائیں۔

لڑائی کی اس دوسری منزل میں لارنس انہیں ایک یگانہ روزگار نظر آیا۔ ریلوے کے شمال اور جنوب میں اس کی نقل و حرکت، سو سو میل کے فاصلوں پر اس کے بیک وقت حملے کسی جگہ ہتھیار بند موٹروں کی تاخت تو دوسری جگہ پیدل فوج کا دھاوا اور تیسرے مقام پر اونٹوں کے دھاوے لیکن ان

سب پر فوق صرف دو یا تین طیاروں سے مسلسل بمباری۔۔۔ ان سب باتوں نے ترکوں کو قیاس آرائیوں میں گم کر دیا تھا۔ ان کا خیال تھا کہ ریلوے کے شمال و جنوب میں لارنس کے ہزاروں آدمی موجود ہیں درآں حالیکہ اس کے پاس صرف چند سو سے زائد آدمی نہ تھے۔

ترکوں نے یہ بھی خیال کیا کہ عرب اور فلسطین سے اور زائد آدمی ان پر حملہ کرنے آرہے ہیں درآں حالیکہ حقیقت صرف اتنی تھی کہ یہاں صرف چند ہی لوگ تھے۔ اس مہم کا انحصار بالکلیہ دھونس جمانے پر تھا قائد ہونے کی حیثیت سے اس پر لازم تھا کہ ترکوں کو اس وقت تک تشویش کی حالت میں رکھے جب تک کہ جرنیل الن بائے نئے سرے سے اپنی پلٹنوں کو ترتیب دے کر ایک زبردست تاخت کے لیے تیار نہ ہو جائیں۔ یہ تاخت ایسی ہوگی جس کے پہلے ہی ہلہ میں یا تو فتح حاصل ہو سکے گی یا ساری مہم ڈھیر ہو جائے گی اور اس کے ساتھ انگریزی سلطنت اور اتحادیوں کا بھی خاتمہ ہو جائے گا۔

انقلاب عرب جیسی معمولی چیز پر اس وقت اتحادیوں کی قوت کا انحصار تھا اگر ترکوں کی شکست سے مشرق کی طرف کا دباؤ ہلکا ہو جاتا تو فرانس کو فوجیں بھجوانا ممکن تھا جس کے بعد اتحادی فرانس میں پیش قدمی کر سکتے تھے۔

لارنس بے قراری سے منصوبے سوچنے لگا ایک دن وہ عقبہ میں ہوتا تو دوسرے دن ریلوے کے شمالی سرے پر اور تیسرے دن فلسطین میں۔ یہاں وہاں ہر جگہ وہی وہ تھا کبھی اس فوج کی کمان کی تو کبھی اس فوج کی۔ کبھی فوج کے سامنے کوئی تجویز پیش کر دی اور یقین کرنے لگا کہ ضرور روبعمل لائی جائے گی۔ یہ سب اس کی مرکزی اسکیم کے گویا اجزائے ترکیبی تھے۔ کئی مہینہ پہلے اس نے جدے میں کہا تھا کہ اس کی منزل مقصود دمشق ہے وہ خوب سمجھتا تھا کہ مشرق کی ساری لڑائی کی کلید اگر ہے تو دمشق ہے اس لیے دمشق کو فتح ہو جانا چاہیے تھا اور اتحادیوں کو جرنیل الن بائے کے توسط کے سبب لارنس کے ایک طوفانی فوج کے تیار کر لینے کے خیال پر وثوق ہو گیا تھا۔ ہر چیز اس سبب سے مقدم فوجی نقل و حرکت سے کمتر اہم سمجھی جانے لگی اور بالآخر تمام تفصیلات بھی مرتب کر لی گئیں۔

حملہ ماہ ستمبر میں ہونے والا تھا۔ جرنیل الن بائے کی خاص فوج پوشیدہ طور پر ریمبل میں جمع

ہونے والی تھی اور تجویز یہ تھی کہ حکم ملنے تک وہ زیتون اور نارنگیوں کے جھنڈوں میں چھپی رہے۔ یہ بھی
تجویز ہوا تھا کہ جب تک حجاز ریلوے کی نگرانی کرتے رہیں اور سراسیمگی میں یہ سوچتے رہیں کہ عربوں کا
نیا دھاوا کس مقام پر ہوگا۔ جریکو کے قریب ایک بڑی چھاؤنی قائم کی جائے جو ہزاروں پرانے خیموں پر
مشتمل ہو۔ ہتھیائی ہوئی متروک الاستعمال بندوقیں دشمن کے مقابل میں ایک قطار میں جمع کر دی
جائیں۔ ہوائی فوج کا یہ کام تھا کہ اس علاقہ پر مسلسل پرواز جاری رکھے جس سے دشمن کے طیاروں کی
پرواز کا سدباب ہو جائے خاص دھاوے کے دن کا یہ پروگرام تھا کہ جو بندوقیں کام دے سکتی ہوں
وہ فوراً گولے برسانا شروع کر دیں اور سڑک کے نشیب وفراز سے ہر کھلے مقام سے درختوں ڈالیوں اور
لکڑی کے کندوں کو گرد وغبار کے طوفان اٹھانے کی خاطر کھنچا جائے گا۔ یہ گرد کا طوفان ایسا ہوگا جو افواج
کے آگے بڑھتے وقت بلند ہوتا ہے۔

یہ منصوبے لارنس کے دلی منشاء کے عین مطابق تھے۔ کسی دشمن کو تباہی میں گرفتار کر دینے کا
یہ ایک قدیم طریقہ تھا۔ لیکن سب سے زیادہ لارنس یہ بھی جانتا تھا کہ یہ ایک کٹھن کام ہے۔ اگرچہ اس
نے حامی بھرلی تھی کہ انگریزی فوج کی کارروائیوں سے قطع نظر کر کے عین مقررہ وقت پر وہ ان
منصوبوں لو بروئے کار لائے گا لیکن اس وقت اس کا دھیان کسی انگریز میجر اور ان کی چند ہفتہ قبل کی
مہمات کی طرف لگا تھا۔

قہوہ کی ایک پیالی پینے کے لیے لڑائی روک دینے کا بہانہ اب بھی کارفرما تھا اور میجر مذکور
نے جب یہ بات ایک گونج دار قہقہہ کے ساتھ کہی تو اس میں ایک المناک واقعہ یہ پوشید تھا کہ اس قماش
کے ''فوجیوں'' کے ساتھ لارنس معینہ وقت پر نقل وحرکت کے وعدے کر رہا تھا۔

اس نے اوپرے دل سے کہا تو سہی کہ عرب نظام الاوقات کی پابندی کے ساتھ برابر کام
کریں گے لیکن دل میں خوب سمجھتا تھا کہ عرب کئی کئی ہفتوں کی مدت کو کچھ نہیں سمجھتے۔ مستقبل اللہ کے
ہاتھ تھا نہ کہ اس غریب کے۔

لارنس نے اپنے نئے مددگار (میجر) کو ریلوے لائین کے ایک حصہ پر حملہ کرنے کا کام

تفویض کیا اور شریف مکہ کی فوج کا ایک حصہ بھی اس کے تحت کر دیا۔

عین کوچ کے وقت عربوں کو معلوم ہوا کہ فوج کے لیے کوئی ہراول ہی نہیں ہے۔ اتفاقی طور پر انہیں ایک خیمہ مل گیا جہاں وہ سب کے سب جمع ہو گئے۔

میجر نے ان سب کو تو وہیں چھوڑ اور خود اس ملک میں تجسس کے ارادے سے آگے نکل گئے اور تین دن تک اس انتظار میں رہے کہ ممکن ہے عرب ان کے پیچھے چلے آئیں۔ لیکن جب عرب آگے نہیں بڑھے تو میجر خود لوٹ آئے اور انہیں درختوں کے درمیان آرام سے بیٹھے پایا۔ ان عربوں کو جنوب کی طرف سے خیموں کا انتظار تھا تا کہ یہاں آرام سے رہ سکیں۔ چونکہ اس فوج کے پاس وہ بندوقیں بھی تھیں جو محاذ پر استعمال کے لیے درکار تھیں اس لیے ان کا ٹھہر جانا پریشان کن تھا۔ لیکن آخر کار میجر نے ان کو آگے بڑھنے پر آمادہ کر ہی لیا۔ تقریباً 50 باقاعدہ شریفی سپاہیوں کی سرکردگی میں بندوقیں آگے بڑھتی نظر آئیں اور جب وہ اس مقام پر پہنچے جہاں سے حملہ ہونے والا تھا تو میجر نے توپوں کو آراستہ کر لینے کی رائے دی۔

کیا ہم اکیلے ہی بغیر بدوؤں کی مدد کے لڑیں۔" عرب عہدہ دار نے جب یہ کہا تو اپنے کہے پر خود ہی دنگ رہ گیا اس خیال سے کہ فیصل کا افسر اعلیٰ اس مزید تاخیر سے برہم ہو جائے گا۔ میجر بدوؤں کو کوچ پر آمادہ کرنے کے لیے پیچھے دوڑ پڑا۔ نوری (بدو) تو یہی چاہتا تھا۔

اس نے کہا۔" خوب! اگر آپ آگے نہیں بڑھتے تو میں اپنی لڑائی جاری رکھنے کے لیے آپ سے اونٹ عاریتاً لے سکتا ہوں۔ میرے پاس کچھ آدمی تو ہیں لیکن اونٹ نہیں ہیں۔"

میجر صرف اس شرط پر راضی ہو سکتا تھا کہ اونٹ دوسرے ہی دن اس کو واپس مل جائیں تا کہ اس کا فوجی دستہ بھی آگے بڑھ سکے۔

"اس کا فوجی دستہ۔" نوری نے حیرت سے کہا۔ یہ کوئی اہم بات نہیں میں اس فوجی دستہ کو بھی عاریتاً لے لینا چاہتا ہوں۔

دراصل فوجی دستے اور اونٹ دونوں ہاتھ سے نکل چکے تھے اور اگر میجر لڑنا بھی چاہتا تو بذات

خوداس کولڑنا پڑتا۔

برہم ہوکر وہ اپنے بندوقچیوں کی طرف یہ معلوم کرنے کے لیے لوٹ آیا کہ کہیں وہ بھی کسی دوسرے کے ماتحت نہ ہو چکے ہوں۔

لیکن یہ بات بھی اس کے لیے زیادہ خوش کن نہ تھی۔

اس نے پوچھا۔ بندوقیں کب روانہ ہوں گی۔

جواب ملا کہ بندوقوں کے لیے ایک سو سپاہیوں کے بدرقہ کی ضرورت ہے۔

میجر نے کہا۔ بہت بہتر۔

ایک سو سپاہی تو یہاں موجود ہیں۔

جی ہاں مگر ہمارے پاس اونٹ نہیں ہیں۔

میجر نے کہا مجھے معلوم ہے کہ امیر فیصل اونٹ بھجوا رہا ہے۔

عرب عہدہ دار نے کہا یہ تو مجھے بھی معلوم ہے اور یہ بھی معلوم ہے کہ ان اونٹوں کے کجاوے نہیں ہیں۔

میجر فیصل کے پاس دوڑا گیا جہاں اسے ایک اور رکاوٹ سے سامنا کرنا پڑا اس سے کہا گیا کہ گزشتہ مہینہ 29 دن کا تھا اور آج پہلی تاریخ ہے۔ مدد دینے والے بدوؤں کو اس پر یقین ہے کہ گزشتہ مہینہ 30 دن کا تھا اور اس طرح پہلی تاریخ کل ہوگی۔ اس لیے وہ کل تک روانہ ہونے کے لیے تیار نہیں ہیں۔

اب میجر کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جاتا تھا لیکن وہ محض بے بس تھا۔ اس کے 14 دن تو محض پریشان خیالی میں ضائع ہو گئے تھے وہ کبھی ان بندوقوں کا منتظر رہا جو پہنچی ہی نہیں اور کبھی ان آدمیوں کا انتظار کرتا رہا جن کے پاس اونٹ نہ تھے اور ان اونٹوں کی بھی اسے آس لگی رہی جو کجاوں سے خالی تھے۔

قصہ مختصر وہ ان مختلف اجزاء یعنی اونٹوں، کجاوں، آدمیوں اور بندوقوں کو یکجا کر سکا اور حملہ کا

انتظام ہو گیا۔ یہ فوجی دستہ علی الصباح روانہ ہونے والا تھا۔

میجر بہت جلد بیدار ہوا۔ اس وقت ہر ایک پڑا سوتا تھا۔

سات بجے تک انتظار کرنے کے بعد اس نے یہ معلوم کرنے کے لیے قاصد دوڑائے کہ آخر معاملہ کیا ہے۔

نو بجے جواب وصول ہوا۔

حضور والا!

اب تک ہمیں کچھ ملا نہیں۔ تاوقتیکہ ہم کو ہمارے حصہ کا سونا نہ مل جائے ہم کوچ نہیں کریں گے وعدوں سے ان کو اطمینان دلایا گیا۔ اس کے بعد بھی تاخیر اس وجہ سے ہوئی کہ ان کے پاس کجاوے کافی تعداد میں نہ تھے۔

جب یہ قضیہ بھی طے ہو گیا تو میجر آخری دفعہ ان کے کوچ کا انتظار کرنے لگا لیکن دوسرا قاصد آیا اور سلام کیا۔

حضور والا!

میجر نے کہا۔ ہاں! اور اس کے منتظر ہو گئے کہ اس دفعہ کیا گل کھلے گا۔

اس نے کہا فتح مند انگریز بڑھے چلے آتے ہیں۔

اس کا کیا مطلب۔

یہ لوگ پھٹے پرانے پاجاموں میں انگریزی فوج سے ملنا نہیں چاہتے۔

وہ کسی حال میں بھی اس وقت تک حرکت نہیں کرنا چاہتے تھے جب تک کہ میجر مانگ کر، چرا کر یا مستعار لے کر کافی تعداد میں پاجامے فراہم نہ کر دے۔

بالآخر انہوں نے کوچ کیا۔

اس قصہ میں اب صرف ایک چیز شریک کرنے سے رہ جاتی ہے۔ یعنی یہ کہ حملہ ناکام رہا۔

باب نمبر 10

میجر پر گزرے ہوئے ان واقعات سے کافی تشریح ہو جاتی ہے کہ ترکوں کو عربستان سے نکال باہر کرنے کی مہم میں لارنس کو کس قماش کے عربوں سے سابقہ تھا۔ لیکن بایں ہمہ لارنس نے فوجی صدر مقام میں اپنے منصوبوں پر بحث کرتے وقت اپنے نقطہ نظر سے کوئی روگردانی نہیں کی۔ بلکہ یہی کہا گیا کہ میرا منصوبہ یقیناً قابل عمل ہے۔

اس حتمی وعدے کے بعد اس نے چار پانچ دن ابا ال لسان کے فوجی صدر کیمپ اور عقبہ میں نقل وحمل کے مسائل پر بحث کرتے ہوئے گزارے۔ پھر اس نے گوڈریا سے جفر کو پرواز کی۔ جہاں فیصل ان وعدوں کی توثیق کے لیے ٹھہرا ہوا تھا جو اس سے کئے گئے تھے اس کا دوسرا سفر شاہی اونٹ دستہ سے جا ملنے کے لیے تھا جو فلسطین سے ریگستان کے راستہ عربستان آ رہا تھا۔

شاہی اونٹ دستہ والوں نے جب یہ سنا کہ وہ ملک عرب میں کسی خاص کام پر بھیجے جا رہے ہیں تو عہدہ داروں اور سپاہیوں سبھوں میں اس خیال سے کافی جوش پیدا ہو گیا کہ آخر کار اب وہ اس شخص سے مل سکیں گے جس نے سارے ترکوں کو وحشت زدہ کر دیا ہے اور جس کو زندہ یا مردہ پکڑنے کے لیے ترک 10 ہزار پونڈ کا انعام پیش کر چکے ہیں۔

یہ دستہ عقبہ سے کچھ ہی فاصلہ پر تھا کہ قاصد یہ پیغام لے آیا کہ لارنس خود ان سے ملنے کے لیے آ رہا ہے۔ اس لیے یہ دستہ وہیں ٹھہر گیا۔ لارنس کا انہوں نے اب تک صرف نام ہی سنا تھا لیکن انہوں نے جب اس کی سرگزشتوں کو سنا تو انہیں امید ہوئی کہ وہ کوئی ایسا غیر معمولی انسان ہو گا جس کو مروجہ اصطلاح میں "فرد فرید" کہا جا سکتا ہے۔

وہ انتظار ہی میں تھے کہ ایک پستہ قد آدمی نگاہیں زمین پر گاڑھے دونوں ہاتھ آگے کو باندھے لوگوں کی قطاروں کے پیچھے سے آتا نظر آیا۔ کمانڈنگ افسر نے سوار ہو کر سلامی دی۔

سب کے سب اس طرف گھورنے لگے اور مزید گھورا کئے۔ اس کے بعد سرگوشیاں شروع ہوئیں اور ٹکٹکی بندھ گئی۔

لوگو! یہی کرنل لارنس ہیں۔ وہ آپ لوگوں کو بطور ہدایت کچھ کہیں گے۔

چند سکینڈ تک لارنس نے اپنی پست آواز میں ان کو مخاطب کیا۔ اس کی آواز بمشکل بیرونی صفوں تک پہنچ سکی اونٹ دستہ والوں سے اس نے کہا انہیں ان لوگوں کے دوش بدوش لڑنا ہے جو خود ان کے ساتھیوں سے کسی قدر مختلف ہیں وہ ایسے لوگ ہیں جو بے تحمل اور زود رنج ہیں اور جو واقعی یا مفروضہ یا غیر ارادی اہانت پر مشتعل ہو جانے والے ہیں۔ جو لڑائی کے مناسب طریقوں کو سمجھ نہیں سکتے۔ ممکن ہے وہ اس مقام پر جھپٹ آئیں جہاں اونٹوں کے دستہ کی مقاومت مضبوط ہو اور اس مقام پر پیچھے کھسک جائیں جہاں واقعی ان کی مدد درکار ہو لیکن بایں ہمہ وہ بھی برطانیہ کے دوست ہیں۔ لہذا انہیں چاہیے کہ ان کے ساتھ ممکنہ مراعات ملحوظ رکھیں اسی پر لارنس کی تقریر ختم ہوگئی۔

عہدہ داروں سے بالکل مختصر سی گفتگو کے بعد لارنس اسی تیزی سے روانہ ہو گیا جس تیزی سے کہ وہ آیا تھا۔ لوگوں کو بالکل مایوسی ہوگئی یہ شخص ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا جو آگ کھا سکتا ہو۔ اس رات جب وہ وہاں پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے ان میں گرم گرم بحث ہوتی رہی۔

ان میں سے بہتوں نے یہی سمجھا کہ انہیں کسی بناوٹی سورما سے ملایا گیا ہے۔ لہذا انگریزی فوج کے بیشتر سپاہیوں کی طرح لارنس کا وجود ان لوگوں کے لیے بھی معمہ بنا رہا۔

لارنس نے ایک دفعہ پھر اس وقت جب کہ ختم ماہ کے قریب لوگ فوجی کارروائیوں میں مصروف تھے اونٹ دستہ کا معائنہ کیا اور ابا ال لسان کے مقام پر اپنے تمام معاونین کی ایک کانفرنس طلب کی۔

اس ملاقات کا نتیجہ یہ ہوا کہ شریف مکہ کی فوجوں میں بڑی اندیشہ ناک بغاوت نے سر اٹھایا

یہ عربوں کی باہمی بچکانی رقابت کی دوسری مثال تھی۔

بادشاہ حسین نے جعفر پاشا پر حملہ کر دیا۔ جعفر ایک ہوشیار شامی تھا اور اس کو اس وقت گرفتار کر لیا گیا تھا جب کہ وہ ترکوں کا مددگار تھا۔ لیکن بعد میں شریف کی فوجوں میں اس نے رضا کارانہ خدمات پیش کیں اور اس فوج کو کافی طاقتور بنانے میں خاصا کام کر گیا۔

جعفر اور اس کے ہم عصر ساتھیوں نے اپنی دست برداری پیش کر دی۔ شہزادہ فیصل نے اپنے باپ کے اس بے وقت حملہ سے برہم ہو کر ان کو چھوڑ دینے سے انکار کر دیا۔ فیصل اور اس کے بھائیوں نے اپنے باپ کے پاس مکہ کو خطوط اور تار بھجوائے جس میں جعفر کے متعلق اپنے خیالات کا اظہار کیا۔ ان خطوں کی عبارت ایسی تلخ و تند تھی کہ لارنس کو اسے مدھم کرنا پڑا لیکن اس پر بھی بوڑھے بادشاہ نے ایسے جوابات دیئے کہ انہیں اپنے پیغاموں کو تبدیل کرنا پڑا۔

اس واقعہ کا ایک پہلو تو خوش آئند تھا لیکن دوسرا المناک اس لیے کہ فوجیں آخری حملہ کے لیے صف آراء ہونے کے لیے تیار کھڑی تھیں اور یہ حملہ وہ تھا جس کے متعلق لارنس نے اطمینان دلایا تھا کہ گھڑی کے کانٹوں کی سی پابندی وقت کے ساتھ ہوگا۔

اس جھگڑے کو چکانے کے لیے لارنس کو اپنی چرب زبانی اور عقلمندی کو پوری طرح کام میں لانا پڑا۔ بالآخر بدر تے اور فوجیں صرف 32 گھنٹوں کی تاخیر سے آگے بڑھیں۔

یہ 36 گھنٹے بڑی قدر و قیمت کے تھے اور ان کی تلافی کرنی تھی کوچ کی ابتداء اپنی مشکلات اور خطرات رکھتی تھیNegelshater کی ہولناکیوں تک پہنچنے تک سفر کافی آسانی سے لیکن مدھم رفتار سے طے ہوا۔

لیکنNegel shtar نے گویا تن تنہا ہی گھنٹوں کی مزاحمت پیش کر دی۔ اگر یہ معاملہ اتنا ہی ہوتا کہ اونٹوں اور اونٹنیوں کو پیدل راستوں اور پگڈنڈیوں پر سے لایا جائے تو گر پڑ کر پیچ و خم کھاتے ہوئے راستہ کے ذریعہ چوٹی تک پہنچنا آسان تھا لیکن لوگوں کے مختلف جزوی معاملات پر بھی توجہ دینی پڑتی تھی جن میں آتش گیر مادوں Tenpoundr guns اور تیز مار نے والی بندوقوں کو

Negb کے اوپر باری باری گھسٹ کر لے جانا اور وقت بے وقت ضدی اونٹوں کو راستہ پر لگانا بھی شامل تھا۔ جو عین درمیان راہ میں ہر قسم کی حرکت سے انکار کر دیتے تھے۔

تمام گاڑیاں کھچا کھچ بھری ہوئی تھیں اور پہاڑ کی بلندی تک پہنچنے تک آدمی پہیوں کی سلاخوں کو ہاتھوں سے گھماتے جاتے اور کندھوں سے دھکیلتے جاتے تا کہ انجنوں کی ذاتی قوت کے ساتھ یہ انسانی قوت بھی شریک ہو جائے۔ وہ پسینہ پسینہ ہو جاتے اور درد و کرب سے بلبلانے لگتے۔

غذا کا مسئلہ بھی پوری توجہ کا محتاج تھا۔ اس لیے کہ مختلف راشنوں کو علیحدہ علیحدہ رکھنا پڑتا۔ فوج کے مختلف فرقوں کی غذا خاص نوعیتوں کی ہوتی۔ انگریزوں، فرانسیسیوں، عربوں، مصریوں اور گورکھوں کی غذا کے مختلف صندوق اور گٹھے تھے۔ غذا بالکل مختلف اجزاء پر مشتمل ہوتی۔ ہر قوم کے افراد اپنی اپنی غذا اپنے ہی پاس محفوظ رکھے ہوئے تھے۔

میجر ینگ Young جن کے ذمہ نقل و حرکت کے انتظام کا مشکل کام سونپا گیا تھا اس ملے جلے خاندان کے دوست بلکہ بمنزلہ ماں باپ کے تھے۔ اس کے ساتھ انہیں یہ بھی دیکھنا پڑتا کہ موٹروں اور طیاروں کے لیے کافی مقدار میں پٹرول راستہ میں موجود ہے یا نہیں۔

یہ سب بہت ضروری چیزیں تھیں۔ بلکہ کہنا چاہیئے کہ حملہ آور فوج کی روح رواں تھیں تو یہی چیزیں تھیں۔ ابا ال لسان سے روانگی کے بعد پہلی منزل جفر Jfer کی تھی جو 60 میل کے فاصلے پر واقع تھی۔ جفر سے بیر بھی اتنے ہی فاصلہ پر تھا اور بیر سے ارزق 140 میل پڑتا تھا۔ ارزق کی چھاؤنی وہ چھاؤنی تھی جہاں سے متحدہ طور پر پیش قدمی کی جانے والی تھی۔ نقشوں میں جفر بیر اور ارزق کو نخلستان بتایا گیا ہے لیکن دراصل نہایت ہی بنجر سرزمین ہے۔ یہ صرف پانی کے چشمے ہیں۔ یہاں نہ آدمیوں کو غذا مل سکتی ہے اور نہ جانوروں کو چارہ اور اگر کوئی فوج یہاں چند روز کے لیے بھی پڑاؤ ڈالی رہے تو اسے اپنے ساتھ ہی کی غذا کھانی پڑے گی۔

اس لیے ان ابتدائی انتظامات پر بھی پوری توجہ دینا لازمی تھا۔ میجر ینگ کے صبر و تحمل کی داد دینی چاہیے کہ غیر تربیت یافتہ اور غیر منظم اونٹ سواروں سے کام لے کر دہ بدرقوں کو مقامات معہودہ پر

پہنچانے کی مشکل ذمہ داری سے عہدہ برآ ہو گئے۔ جو مختصر پیمانہ پر باقاعدہ فوج کی نقل وحرکت کے مماثل تھی۔ ان بدرقوں کا مقررہ روز مقررہ مقام پر رہنا ضروری تھا۔ اس میں ناکامی کے معنی بلاآخر موت اور تباہی کے سوا اور کچھ نہ تھے۔

کہیں کہیں وقت ضائع ہو گیا تھا جس کی تلافی ضروری تھی۔ میجر ینگ کو لارنس کی طرح جادو جگانا تو نہ آتا تھا جس کے اثر سے چاند کو آسمان سے ہٹا لیں۔ لیکن ان کی زبان بڑی پر تاثیر تھی جو ابتداء ہی سے ان تمام غریب بیچاروں کی موجودہ اور آئندہ ممکن الوقوع ہولناک مصیبتوں میں نرمی اور اخلاص کے ساتھ شریک رہی۔ وہ بدقسمت جو اس کا اندازہ بھی نہ کر سکتے تھے کہ ''لارنس اعظم'' کی تمنائیں کس طرح برآ رہی ہیں۔

میجر ینگ کی اس جدوجہد میں بظاہر کوئی عظمت نظر نہ آئے گی۔ اور یہ رسد کی فراہمی کا معمولی کام دکھائی دے گا۔ بریں اگر رڈیشیا کے موجودہ گورنر (میجر ینگ) سے یہ پوچھا جائے کہ ان کے طویل اور اہم دور میں سب سے زیادہ خوشگوار بات کون سی ہے تو اغلب ہے کہ وہ اسی زبردست کارنامہ کو چن لیں گے یعنی دمشق پر لارنس کے آخری حملہ کے لیے رسد کے انتظام کو۔

وادی کے اوپر جب لڑنے والی فوجیں بڑھتی نظر آئیں تو لارنس خود بھی حرکت میں آیا وہ اپنے اونٹ کو چھوڑ چکا تھا اس لیے کہ آخری لڑائی میں تیز رفتاری بہت زیادہ اہمیت رکھتی تھی اور یہ وہ لڑائی تھی جس میں لارنس یہ ثابت کرنا چاہتا کہ خود وہ اور اس کے عرب اپنے قول کو پورا کر سکتے ہیں وہ ہتھیار بند موٹر میں بیٹھ گیا جس میں آئندہ کئی دنوں تک اس کو سفر کرنا تھا اور کوچ کی جھنڈی ہلا دی۔

تقریباً دو سال پہلے اس نے شہزادہ فیصل سے کہا تھا کہ اس کی منزل مقصود دمشق ہے تمام ضمنی امور ختم ہو چکے تھے۔ پانچ پانچ سو میل کے مجنونانہ دھاوے ریل کی پٹریوں کا علانیہ اڑانا، دشمن کی فوج میں ہمیشہ کا آنا جانا (وہ بھی اس خدشہ کے باوجود کہ اس میں اسے ایک دن اپنی جان سے ہاتھ دھونا پڑے گا) اور اس کے علاوہ وہ تمام عظیم الشان منصوبے جو آخر ناکامی پر ختم ہوئے۔۔۔ سب کے سب ختم ہو چکے تھے۔

جرنیل الن بائے کو لارنس نے کہا تھا کہ جب وہ دریائے جوڈنکی دوسری سمت میں کوچ کے لیے تیار ہو جائے تو عرب ترکوں کو شمالی عربستان سے نکال دیں گے۔ ملک شام سے بھی نکال دیں گے اور بالآخر جنگ سے بھی نکال باہر کریں گے۔

اپنے اقدامات پر اس کو پورا اعتماد تھا ارزق قدیم سب کے جمع ہونے کا مقام قرار پایا جہاں لوگوں کے لیے اس نے کافی سامان رسد منزل مقصود تک لے چلنے کے لیے تیار رکھا تھا۔ پسپائی کے امکان سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اس نے کوئی انتظام نہیں کیا تھا بس اس کو دمشق فتح کرنا تھا اور فتح کے بعد عرب فتح مندوں کی حیثیت سے اپنے ملک پر قابض ہونے والے تھے تو پھر پسپائی پر غور کرنے کی ضرورت ہی کیا تھی۔

یہ ایک جمی جمائی اور بہت ہی مخلوط قسم کی فوج تھی جس کو وہ ارزق لے آیا تھا۔

شریف مکہ کی فوج میں اونٹوں کے 450 دستے تھے جس کے سب لوگ منتخب خاصے تربیت یافتہ اور تجربہ کار لڑنے والے تھے۔ انہیں میں وہ بندوق باز بھی شامل تھے جن کے پاس وکارز اور ہاچ کس قسم کی کلدار توپیں تھیں۔ ایک چھوٹی سی ٹکڑی ان فرانسیسی توپچیوں کی تھی جن کی تحویل میں تیزی سے سر ہونے والی بندوقیں تھیں اور پھر انگریزی ہتھیار بند موٹریں اور ان کی ایندھن گاڑیاں تھیں۔ مصری اور ہندوستانی اونٹ سواروں کا بھی ایک ایک دستہ تھا اور دو طیارے بھی تھے۔

کل ملا کر ایک ہزار سے بھی کم آدمی تھے۔ جو ترکوں کی اس بے جگر فوج سے لڑنے جا رہے تھے جو تعداد میں ان سے دس گنی تھی ترک اب سمجھ چکے تھے کہ آخری تلخ انجام تک انہیں عربوں سے لڑنا پڑے گا یعنی ایک ایسی لڑائی جس میں رحم و کرم کو دخل نہ ہو۔ جو مرتے دم تک لڑی جائے جس میں ہارنے والے کے لیے زندگی موت سے بدتر ہو۔

وہ ارزق تک پہنچ گئے لیکن کوئی حادثہ پیش نہ آیا۔

مختلف خیموں میں لارنس گھومتا پھرتا اور ہر چیز سے مطمئن ہو جاتا۔ اس نے احکام کی فوری بجا آوری کی اہمیت سب کے ذہن نشین کرا دی تھی۔ ناکامی کے معنی عربوں کی رسوائی کے تھے جن کی

جانب سے وہ کامیابی کا وعدہ کر چکا تھا۔اس کے یہ معنی تھے کہ ترک عربوں کو ایسے پھندے میں جکڑ دیں گے جہاں سے سوائے موت کے دروازے کے اور کہیں سے رہائی نصیب نہ ہو سکے گی۔

یہ عربوں کی آخری جنگ آزادی تھی ۔اس لیے مزاحمتیں جو بھی ہوں ان کے لیے جیتنا ضروری تھا۔

ستمبر کی دس تاریخ تھی دونوں طیارے پڑاؤ کی سرزمین کے اوپر چکر کاٹ رہے تھے جن کو دیکھ کر عرب خوشی سے واہ واہ کے نعرے لگا رہے تھے مرفی اور جونز یہ دو ہواباز تھے جنہوں نے لارنس سے کہا کہ شہزادہ فیصل اغلب ہے کہ کل یہاں پہنچ جائے۔

دوسرے دن کرنل جوائس میجر السٹرلنگ کے ساتھ آن پہنچے۔ان کا آنا ہی تھا کہ لارنس نے انگریز عہدہ داروں کی ایک کانفرنس منعقد کی ۔اور اپنے منصوبے ان سے بیان کئے اور آخری دفعہ خطرہ سے بھی متنبہ کر دیا۔

اور اختتام پر اتنا کہا کہ۔"ناکامی ہمارے لیے ناقابل برداشت ہے۔"

اس وقت تک انگریز عہدی داروں کی یہ جماعت پوری طرح سمجھ نہ سکی تھی کہ اس کی کامیابی پر کیا کچھ منحصر نہ تھا۔

دوسرے دن لارنس نے بعض بہت ہی عجیب لوگوں سے ملاقات کی اور خفیہ طور پر ان سے گفتگو کی مثلاً یہ کہ فلاں جگہ لوگ زیادہ تعداد میں رہیں اور فلاں جگہ غلہ رکھا جائے اور کسی جگہ ڈائنامنٹ جمع رکھے جائیں سونا انہیں دیا گیا اور لارنس کی ہدایتوں کے ساتھ وہ خیمہ سے نکل کر چپکے سے چلے گئے۔

لارنس نے ان آدمیوں کا انتخاب بڑی ہوشیاری سے کیا تھا۔وہ جانتا تھا کہ ان میں کا ہر ایک قریب ترین راستہ سے ہو کر ترکوں تک جا پہنچے گا اور اس کے مفروضہ منصوبے ترکوں کے ہاتھ بیچ دے گا جس کے باعث ترک سرگرم ہو جائیں گے۔۔۔۔لیکن غلط سمت میں۔

سردست وہ چاہتا تھا کہ ساری فوج کو اس کے اقدامات سے دلچسپی پیدا ہو۔

دوسرے دن وہ شمالی سمت میں اور آگے بڑھے۔یہ وہ ملک تھا جو نہ عربوں کا تھا نہ ترکوں کا تھا

وہ دروزیوں کے علاقہ کی پہاڑیوں میں سے گزر رہی رہے تھے کہ آگے کے خبر رساں سپاہیوں میں سے کسی کی چیخ سنائی دی۔ سننے والوں نے اس سمیت میں پلٹ کر دیکھا جس طرف وہ اشارہ کر رہا تھا۔

اس طرف ایک ہوائی جہاز تھا جو جرمنوں کا تھا۔

یہ بھی ایک انوکھی بات تھی وہ بہت ہی قریب آیا وہ یہ معلوم کرنے پر تلا ہوا تھا کہ یہ انبوہ جو فوج سے اتنا مشابہ اور آوارہ گرد عربوں کی بھیڑ سے اتنا مختلف ہے دراصل ہے کیا؟

لارنس نے دیر نہیں کی۔ اور فوراً للکارا چھپ جاؤ۔ اور پھیل جاؤ۔

لارنس کا مقصد یہ تھا کہ کم سے کم لوگوں کو ہواباز دیکھ سکے۔ لیکن اس کو لارنس کی نیز اس کی فوج کے مستقبل کی خوش نصیبی سمجھنا چاہیے کہ ان کے دو ہوابازوں میں سے ایک ہواباز جو اس وقت پرواز کر رہا تھا اس ناخواندہ مہمان کی آمد کو بھانپ گیا۔

جرمن طیارہ جدید قسم کا دو نشستوں والا تھا لیکن ہواباز مرفی پرانی ساخت کے بی۔ ای۔12 کی وضع کے جہاز میں پرواز کر رہا تھا۔ اس کا طیارہ جرمن طیارہ سے بہت زیادہ تیز رفتار تھا۔ مرفی نے اس سے زیادہ بلندی تک پرواز کی اور ایک ہیبت ناک غوطہ لگا کر جرمن طیارے کے عقبی حصہ پر آ گرا۔

جرمن ہواباز نے اس کو دیکھ لیا ہوگا اس لیے کہ وہ اس غوطہ سے صاف بچ کر نکل گیا اور مرفی کا جہاز گرجتا ہوا جب بازو سے ہو نکلا تو اس نے اس پر آتش باری کی۔ مرفی کا چھوٹا سا جہاز ڈگمگا گیا۔ لارنس اور اس کے ساتھیوں کی سانس پھول گئی انہوں نے سمجھا کہ شاید اسی پر اس کا خاتمہ ہو گیا۔

دہشت دلوں سے دور نہ ہونے پائی تھی کہ انگریزی طیارہ نے یکا یک پستی سے بلندی کی طرف پرواز کی اور اپنے دوسرے ہی پھیرے میں جرمن طیارہ کو آ دبوچا۔ .را۔۔۔ٹ ٹا۔۔۔ٹ ٹا۔۔۔ٹ کی آواز کے ساتھ دھواں فضا میں بلند ہوا اور پھر جرمن طیارے سے شعلے بھڑک اٹھے۔

نیچے مختصر سا مجمع خوشی سے نعرے لگا رہا تھا۔ لیکن اسی کے ساتھ کسی قدر خطرناک حرکت یہ کی کہ دشمن کا طیارہ جب تیزی سے پیچ و خم کھاتا ہوا پہاڑوں پر آ رہا اور تقریباً ایک میل کے فاصلہ پر

آگ کے شعلوں میں جل کر تباہ ہو گیا تو انہوں نے فضاء میں بندوقوں کی باڑ مارنی شروع کی۔

مرفی کے طیارہ کو بھی پہلے غوطہ میں بری طرح نقصان پہنچ چکا تھا اور وہ بیکار ہو گیا تھا۔لیکن وہ بہرحال صحیح وسلامت زمین پر اتر آیا۔

اب لارنس کی ہوائی فوج میں صرف ایک طیارہ باقی رہ گیا۔

....

باب نمبر 11

اپنے منصوبہ کی راہ سے اس ہوائی خطرہ کے دور ہونے کے بعد لارنس کا ارادہ درہ Derra کی طرف بجانب شمال پیش قدمی کا تھا۔ پہلے اس نے مصریوں اور گورکھوں کو ہتھیار بند موٹروں کی پشت پناہی کے ساتھ آگے روانہ کیا وہ درہ Derra اور عمان کے درمیان کی ریلوے لائن کو اڑا دیں تا کہ ترک جنوب کی طرف سے کمک نہ بھجوا سکیں۔

لیکن قسمت نے اس اقدام کو عجیب چکر دیا وردی پہنے ہوئے مصری اور گورکھے جو اس ملک میں بالکل اجنبی تھے بغیر کسی رکاوٹ کے لائن تک پہنچ گئے اس لائن کی حفاظت مقامی عربوں کی ایک جماعت کر رہی تھی جس کے لیے ترکوں کی طرف سے انہیں تنخواہ ملتی تھی۔

اگر حملہ آور جماعت خود ان کے ہم وطنوں پر مشتمل ہوتی تو یہ بات بہت آسان تھی کہ ترکوں سے کسی قدر زائد سونا دے کر ان محافظوں کو حملہ آوروں میں بدل دیا جائے۔

لیکن موجودہ صورت حال کے تحت عرب نہیں سمجھ سکتے تھے کہ یہ عجیب قسم کے لڑنے والے آخر آ کہاں سے رہے ہیں اس لیے انہوں نے ان کو واپس لوٹا دیا۔

لارنس بے قراری سے نظام الاوقات کی پابندی پر تلا ہوا تھا۔ اس لیے اس اطلاع نے اس کو ایک حیرت انگیز ارادہ کی طرف مائل کر دیا۔

اس وقت یہ ناممکن تھا کہ اونٹ سوار ریلوے لائن تک جائیں اور پھر مرکزی فوج سے آملیں اب اتنا وقت باقی نہیں رہا تھا۔

اس لیے لارنس نے کہا۔

''ایندھن گاڑیوں میں بھر دیا جائے۔ اس لائن کو اڑانا بہت ضروری ہے۔ میں خود موٹروں کو لائن تک لے جاؤں گا۔ اور بعد میں تم سے آن ملوں گا۔''

یہ ایک مجنونانہ دھاوا تھا۔ اس وقت لارنس کی نظر ایک پل اور اس سے تقریباً دس میل عقب میں ایک اسٹیشن پر تھی۔ ایک ایندھن گاڑی آتش گیر روئی اور آتش گیر مادوں سے بھر دی گئی۔ جس کے بعد کرنل جوائس کی رفاقت میں لارنس روانہ ہو گیا۔ اس ایندھن گاڑی کے دونوں جانب ہتھیار بند موٹریں گونجتی گرجتی بڑھی جارہی تھیں۔ یہاں ایک خطرہ یہ تھا کہ کوئی نشانہ اس ایندھن گاڑی میں پڑتا تو ان سب کو سر بفلک بلندیوں تک اڑا دیتا۔

بہر حال ہوا یہ کہ ترکوں کا خطرہ کے لیے تیار ہونا تو کجا' انہیں خبر بھی نہ ہونے پائی تھی کہ یہ موٹریں ان کے سر پر جادھمکیں۔ نتیجتاً ترک خود ہی مغلوب ہو گئے۔ لارنس پل پر چڑھا اور وہ مبالغہ آمیز کتبہ پڑھا جو سلطان عبدالحمید کی مدح میں تھا۔

اور پھر کہا۔ ہے تو سہی بڑا ہی پرلطف۔

ڈیڑھ سو پونڈ آتش گیر روئی نے اس کتبہ کو معہ پل کے بالکل ڈھیر کر دیا اور اس سے کسی قدر زائد مقدار کے ذریعہ اسٹیشن اور لائن کے کچھ حصہ کو بالکل از کار رفتہ کر دیا گیا۔ ادھر تو یہ ہو رہا تھا۔ اس طرح ایک بڑا ہی دلفریب جلوس لارنس کی فوج کے سامنے بلندی پر سے گزر رہا تھا۔ انگریزی فوج کے بمبار ڈیرہ کو جاتے تھے وہ جب گزرنے لگے تو اس گری پڑی فوج نے خوشی سے کرخت لہجہ میں نعرے لگانے شروع کئے۔ یہ معلوم ہوتا تھا گویا یہیں پر جنگ کا میدان گرم ہے۔ فوج کے سامنے اور آزو بازو فوجی خبر رساں Scouts وقت بے وقت خط فلکی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بڑھے جاتے تھے۔ اب فوج Derra کے متوازی ایک بہت ہی اونچی بلندی سے لے کر نشیب کی پہاڑیوں تک میلوں لمبی ہو گئی اب انہیں شہر کی چمک دمک اور دھویں کے بڑے بڑے ستون بلند ہوتے ہوئے نظر آنے لگے۔ بمبار شہر تک پہنچ چکے تھے۔ 17 کو جب وہ Tellazar کے قریب تھے۔ لارنس ریلوے لائن پر سمٹ آیا اور اپنے بعض فیتلے وہاں نصب کر دیئے۔ اس تنصیب کے وجوہ کو اس نے عجیب وغریب تصریح کے

ساتھ ان ہدایتوں میں بیان کیا ہے جن سے پوری طرح ظاہر ہو جاتا ہے کہ یہ نیا ''شگوفہ'' کس طرح پروان چڑھایا جا سکتا ہے۔

اس نے لکھا ہے ''فولادی سلیپر والی ریلوے لائن کو تباہ کرنے کا یہ بہت ہی آسان اور بہت ہی موثر طریقہ ہے۔ ریلوے لائن کے عین وسط راہ میں پٹڑی کے کسی درمیانی سلیپر کے نیچے ایک سوراخ کھودلو۔

جب وہ یہ کر چکا تو وہ Derra کو دیکھنے کے لیے اوپر چڑھا۔ فوج اس وقت کسی قدر قریب آ گئی تھی لیکن اس کے لیے تو شہر کا نظر آنا ہی کافی تھا۔ اس نے آدمیوں کو بلندی سے نیچے اترنے کا اشارہ کیا لیکن اس میں بہت تاخیر ہو گئی تھی۔

وہ دشمن کے اس طیارہ گاہ پر دانت لگائے ہوئے تھے جو سرگرمیوں کا گویا مرکز تھا دشمن کے نو طیارے گھومتے پھر رہے تھے لیکن انہوں نے بھی ان بمباروں کے تعاقب میں بہت دیر کر دی تھی جو بہت پہلے واپس ہو چکے تھے۔ لیکن پہاڑیوں پر مسلح فوج کے آثار معلوم کرنے کے لیے ان کا یہ اقدام بہت ہی بروقت تھا۔ افق کے مقابل میں ان طیاروں نے لارنس کے دستہ کی نقل و حرکت کو بھی دیکھ لیا تھا۔

وہ کھلی فضا سے چٹانوں کی پناہ گاہوں میں بکھرنا شروع ہو گئے۔ اونٹوں کو حتی الامکان دشمن کی نظر سے مخفی رکھنے کی کوشش کی جاتی اور ہر ممکنہ وسیلہ کو بروئے کار لایا جاتا تا کہ دشمن کا نشانہ بننے کا امکان کم سے کم ہو جائے۔

طیارے گونجتے گرجتے' وادی میں اور چوٹی کے اوپر گشت لگا رہے تھے جہاں کہیں کسی نقل و حرکت کا پتہ ملتا وہ بم گراتے اور پہاڑوں پر مشین گنوں سے گولیاں برساتے۔ ہر وقت بلندی اور پستی میں ان کے جھپٹے برابر جاری تھے۔ ایک گھنٹہ تک شہد کی مکھیوں کی طرح وہ لارنس کے آدمیوں کا نرغہ کئے رہے۔ صورت حال بہت تیزی سے خطرناک ہوتی جا رہی تھی کہ لارنس کا واحد طیارہ حملہ آوروں کے درمیان آدھمکا۔

یہ جونز کا بی۔ای۔12 کا طیارہ تھا جو بالکل ست رفتار اور قدیم وضع کا تھا۔ لارنس کی یہ ''شیطانی چڑیا۔'' عربوں کو بتانے دکھانے کے لیے تو خوب تھی لیکن دشمن کے مقابلتاً تیز رفتار اور خوب آراستہ طیاروں کے مقابلہ میں کوئی زیادہ مفید نہ تھی۔

لارنس اور اس کے آدمی بے چینی سے ٹکٹکی باندھے ہوئے تھے جونز نے دشمن کے طیاروں کے اطراف ایک چکر لگایا اور اس طرح گویا وہ کہہ رہا تھا۔

''مزاج تو اچھے ہیں۔'' اور ساتھ ہی مڑ کر ایک طرف بھاگ کھڑا ہوا۔ اور نتیجتاً جب دشمن کے طیاروں کے جھتے کا جتھا اس کے پیچھے جھپٹ پڑا تو نیچے ہر شخص نے اطمنان کی سانس لی۔

جب وہ نکل گئے تو لارنس اور اس کے آدمیوں نے ممکنہ بہت طریقہ پر نظم وضبط قائم کر لیا اور اس چھوٹی سی فوج کو ایک خطرناک صورت حال سے باہر نکال لائے۔ جب میدان صاف ہو گیا تو لارنس کو فوراً خیال آیا کہ جانباز جونز پر کیا گزری ہو گی جونز جب واپس آیا تو دشمن کے تین طیارے اس کا تعاقب کئے ہوئے تھے۔

چند لمحوں تک وہ نہایت حیرت ناک مظاہرہ پیش کرتا رہا۔ یعنی جھانسے دے دے کر کسی گھڑ گھڑاتی ہوئی موٹر بس کی طرح جہاز کی رفتار ست کر دیتا جس سے محیر العقول طریقوں پر وہ ان تینوں برافروختہ حملہ آوروں کی معاندانہ توجہ سے بچ جاتا۔ اس نے ایک زمین دوز چکر لگایا اور وادی میں ایک تحریری پیغام پھینک سکا۔

یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ طیارہ چلاتے چلاتے کس طرح وہ اس کو گھسیٹ سکا ہو گا اس نے لکھا تھا۔

پٹرول ختم ہو گیا ہے۔ میں نیچے اتر رہا ہوں۔

وہ نیچے اتر آیا اور ایک گھسی پسی چٹان سے آ کر ٹکرایا وہ بالکل پیٹھ کے بل لیٹا ہوا تھا اور جب لوگ اس کو شکستہ جہاز سے نکالنے کے لیے دوڑے تو دشمن کے جہاز یکے بعد دیگرے غراتے ہوئے نیچے کی طرف جمع ہو گئے اور اس حصہ میں گولیوں کی بوچھاڑ کر دی۔

جوزگڑ بڑا کر باہر نکلتا اور ایک طرف جھپٹتا نظر آیا۔

اس نے اپنی لوئس ساخت کی بندوق جھٹکے سے کھینچ کر باہر نکالی اور کھول کھال کر اسے تیار کر لیا اور اس کو دیکھ کر وہ ایندھن گاڑی والے بھی چکر میں تھے جو بھاگتے دوڑتے مدد کے لیے آن پہنچے تھے۔ اس کی سانس پھولی ہوئی تھی۔ جسم پر پٹرول اور پسینہ کی دھاریاں پڑی ہوئی تھیں غصہ اور جوش سے وہ آپے سے باہر ہو رہا تھا۔

اور جب اس نے للکار کر کہنا چاہا تو غصہ سے اس کی زبان لڑکھڑا جاتی تھی۔

اس نے کہا

''میں ان کو بندوق کا نشانہ بناؤں گا۔'' (ایندھن گاڑی پر ہاتھ مار کر۔) انہوں نے ابھی میرا پیچھا نہیں چھوڑا ہے۔'' ہوابازوں نے اس کی آخری حالت نہیں دیکھی ہوگی اس لیے کہ اس کا بقیہ وقت ترکوں کے تعاقب اور چھوٹی سے ایندھن گاڑی کے عقب سے ان پر گولیاں چلانے میں گزرا۔

لارنس بھی ٹھہرا نہیں رہا۔ اس لیے کہ دشمن کے لوٹ آنے کا امکان تھا اور یہ تو کوئی جانتا نہ تھا کہ درہ کی ترکی فوج سے ان پر کیا افتاد پڑے گی لیکن درہ کی طرف بالکل سکوت تھا اور چند دنوں بعد جب اس بستی پر قبضہ ہو گیا تو اس سکوت کی وجہ سمجھ میں آئی۔

ترکوں کی اطلاعیں اور پیغامات جو دستیاب ہوئے وہ واقعی بڑے مضحکہ خیز تھے۔ ان میں سے ایک میں لکھا تھا۔ شریف فیصل کے تحت 8 ہزار لوگ بستی پر چڑھ آ رہے ہیں۔

دوسرے میں لکھا تھا زبردست حملہ آور فوجیں بڑھی آ رہی ہیں۔ لیکن فیصل کے زیر کمان نہیں اس لیے کہ اطلاع کے بموجب وہ 300 میل کے فاصلہ پر ہے۔

جنوب کی طرف جو اطلاعیں بھیجی گئیں ان سے بھی ان کی بدحواسی ظاہر ہوتی تھی۔ لکھا تھا۔'' شمال کی طرف کے اسٹیشنوں اور دمشق تک تار نہیں بھجوائے جا سکتے۔ ٹیلگراف کی لائن میں کوئی خرابی پیدا ہو گئی ہے۔

واقعی ٹیلگراف کی لائن میں بہت بڑی خرابی پیدا ہو گئی تھی۔ لارنس نے حفظ ماتقدم کے طور

پرانہیں کاٹ دیا تھا۔

درہ کے طیاروں سے جب وہ خوش قسمتی سے بچ نکلا تو اس کا دوسرا اقدام تل الشباب کی طرف تھا۔ میزیب سے نپٹنے کے لیے اس نے کچھ فوج بھیج دی تھی جو درہ اور فلسطین کی سڑک پر واقع تھا۔

تل الشباب پر ایک نظر کافی تھی۔ لارنس اب بہت ہی احتیاط سے قدم بڑھا رہا تھا۔

وہ راستہ طے کرتا اس بہتر مقام پر جا پہنچا جہاں سے چھاؤنی صاف نظر آ سکتی تھی اور یہ منظر آگے چل کر اور بہت ہی نمایاں ہو گیا۔

دشمن سے 300 گز کے فاصلہ پر جب اس نے اپنی سپاہ کی مورچہ بندی کر دی تو دیکھا کہ مزید کمک شمال کی جانب سے بڑھی چلی آتی ہے۔ ان کے ساتھ بندوقیں تھیں۔ مشین گنیں تھیں اور سینکڑوں کی تعداد میں سپاہی تھے۔

لڑائی کے متعلق ان دنوں لارنس کا نقطہ نظر یہ تھا کہ دور اندیشی سے جانیں سلامت رہ سکتی ہیں اور جلد بازی خود کشی کے مترادف ہے اس لیے کہ اگر دشمن کی نئی فوجوں کی توجہ ذرا بھی اس طرف مائل ہو جاتی تو وہ نہایت آسانی سے ان کا صفایا کر سکتی تھیں۔ لارنس نہایت پر اطمینان طریقہ پر اپنی فوجیں ایک میل پیچھے ہٹا لے گیا۔

یہ پیچھے ہٹنے کا سفر کوئی آسان کام نہ تھا۔ ایک دوسرا عہدہ دار اس سے آن ملا۔ اور وہ اس صورت حال پر گفتگو کرتے رہے۔ 50 میل کے فاصلہ پر درہ کی بستی میں 37 ہزار برافروختہ ترک موجود تھے اور خوب جانتے تھے کہ یہ علاقہ ''دشمنوں'' سے پٹا ہوا ہے۔ آگے کی طرف ٹوٹی ہوئی لائن تھی جس کی اب غالباً حفاظت بھی کی جانے لگی تھی۔ پیچھے کی طرف ترکوں اور جرمنوں کی مخلوط اور آزمودہ فوج تھی جو بندوقوں سے لیس تھی۔

جب لارنس کے لوگ پیچھے کی طرف پہاڑیوں میں چکر کاٹنے لگے تو انہیں حیرت تھی کہ یہاں مقامی لوگ ان کے ساتھ کیا سلوک کریں گے یہ لوگ پہاڑیوں میں چھپے دیکھ رہے تھے لیکن بعض

وجوہ کی بنا پر انہوں نے بندوقیں سر کیں اور نہ ان کی آمد کا ڈھنڈورا پیٹا۔

ایک دوسری نازک صورت حال تو یوں گزر گئی۔

لارنس نے حکم دیا کہ جنوب کی طرف سے ناسب کی لائن کے محافظوں پر حملہ کیا جائے تا کہ پل پر خود کے دھاوے کی طرف ترک متوجہ نہ ہو سکیں۔ ترک خشم ناک ہو کر فوراً جوب کی طرف گولیاں سر کرتے ہوئے بڑھے تو شمال کی طرف دل ہلا دینے والی گونج ان کے کانوں سے آ کر ٹکرائی۔ لارنس پل تک پہنچ چکا تھا۔

یہاں ایک بہت ہی اہم حقیقت کا ذکر ضروری ہے۔ لارنس اس وقت گویا اس مقام پر تھا جس کے متعلق جرنیل الن بائے سے وعدہ کر چکا تھا کہ ان کا حکم پاتے ہی 19 تاریخ کو ان کی مدد کے لیے تیار رہے گا لیکن نہ تو یہ مقام ہی ٹھیک تھا اور نہ کئی نقطہ نظر سے مناسب حال تھا۔

لارنس کے ساتھی جانتے تھے کہ وہ منزل مقصود تک پہنچنا چاہتا ہے۔ لیکن انہیں پوچھنے کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ کیسے؟ فوجوں اور ان مقاموں کو دیکھتے ہوئے تو لارنس کی صورت حال قطعاً مایوس کن تھی۔

یہ صحیح ہے کہ جرنیل الن بائے مغرب میں صرف 100 میل کے فاصلہ پر تھے لیکن لارنس اور ان کے درمیان حجاز ریلوے کی محافظ دستوں کے علاوہ بھی پوری ترکی فوج حائل تھی۔

لارنس کا اگلا کیمپ ریگستان میں ایک سو میل کے فاصلہ پر تھا اور مرکزی کیمپ تقریباً 250 میل دور تھا۔

یہ دونوں بھی اس کے لیے بیکار تھے اس لیے کہ نہ تو اتنا وقت ہی تھا اور نہ وہ وسائل ہی مہیا تھے کہ ان تک پہنچا جا سکے۔

لارنس نے کہا کہ الن بائے کی طرف سے پہلی اطلاع ملنے تک ہمیں اس طرح ٹھہرے رہنا پڑے گا جس طرح کہ چھالیہ سروتے کے درمیان ہوتی ہے۔

لیکن اس دوران ساری فوج کے پاس غذا، گولہ بارود اور پٹرول اتنا ہی موجود تھا جو دس دن

تک کفالت کرسکتا تھا۔

اور دس دن کے بعد۔۔۔۔۔۔؟

لارنس سے کہا گیا کہ مرزیب Mezerib پر کیا کارروائی کی گئی تھی۔جس کے بعد لارنس اور دو عہدہ داروں نے ان دو لائنوں کے اس جنکشن کی تباہیوں میں مزید اضافہ کرنا شروع کیا۔

ایندھن گاڑیوں سے انہوں نے ڈائنامیٹ اور بتیاں لیں اور اونٹوں پر سوار ہو کر لائن کی طرف روانہ ہو گئے۔موٹریں اتنا قریب سے گزر رہی تھیں جتنا قریب کہ وہ ان کو رکھ سکتے تھے۔خود لارنس تو اسٹیشن پر مصروف رہا لیکن اس کا مددگار ریلوے لائن کے نیچے سرنگیں بچھانے لگا۔لیکن وہ اپنا کام جاری نہ رکھ سکا۔اس لیے کہ اب اس نے ڈیرہ کی طرف نگاہ اٹھائی تو بستی سے اسے ریل گاڑی آتی نظر آئی۔

اس نے ایک جست لگائی اور پھر اس مرزیب کو دوڑا ہوا گیا اور بدحواسی سے لارنس سے کہنے لگا۔

ایک گاڑی اس طرف آ رہی ہے۔

لارنس نے پلٹ کر کہا۔طیارہ؟ کوئی حرج نہیں۔وہ ہمیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔"نہیں طیارہ نہیں۔" مخاطب نے بے تحاشا گرجدار آواز میں کہا۔"ریل گاڑی۔"

ہاں! پھر تو مشکل ہے میں سمجھتا ہوں کہ سرنگوں کا سلگا دینا ہی بہتر ہے۔

لیکن لارنس نے عجلت نہیں کی اور رفتہ رفتہ اپنے مددگار کے ساتھ بعض سرنگوں کو اڑا ہی دیا۔

لارنس کا مددگار نہایت احتیاط سے سگریٹ سے بتیاں سلگاتا رہا۔

تھوڑی دیر بعد لارنس کے اطراف گولے آ آ کر گرنے لگے۔اس لیے کہ اس ریل گاڑی پر ایک جنگی بندوق بھی تھی۔وہ اپنے اونٹوں تک جا پہنچے اور وہاں سے اپنی موٹروں کی طرف بھاگ گئے۔

•••••••••••••••••••••••••••••••••

باب نمبر 12

کپٹن پیک اور شاہی اونٹ دستہ نے لڑائی میں اپنا مفوضہ کام پورا کر لیا تھا اور اس کی اطلاع دے کر پھر دوبارہ روانہ ہو گئے تھے ان کی تباہ کاریاں اندھا دھند نہیں ہوتی تھیں۔ انہوں نے ڈیرہ اور دمشق کے درمیان تخمیناً 5 میل کا حصہ اپنے لیے منتخب کر لیا تھا اب اس حصہ میں ریل کی پٹریاں ٹیلگراف کے تار اور محافظت کی چوکیاں جو بھی نظر آیا اس کو اچھی طرح تباہ کر چھوڑا۔ ترکوں کے لیے شمالی سمت سے کمک بھیجنے میں یہ مزاحمت کافی اثر انداز ہوئی اور لارنس ان کارروائیوں کا بے حد ممنون رہا۔

جب شاہی اونٹ دستہ ازرق کی طرف روانہ ہوا تو لارنس موٹر کے ذریعہ انہیں کے پیچھے چل پڑا تا کہ طیاروں کی طرف سے اطمینان کر لیا جائے۔ راستہ میں اسے خیال آیا کہ Umtaiye بھی ہو آنا چاہیے جہاں گزشتہ دن دشمن کا ایک طیارہ دیکھا گیا تھا۔

اس کا خیال تھا کہ افسرانہ شان کے ساتھ وہاں پہنچا جائے لیکن ایک دفعہ پھر استعجاب انگیزی کا عنصر اس کے منصوبوں میں دخل پا گیا۔ وہ بے باکانہ طیارہ گاہ کی طرف بڑھا۔ لیکن ایک طیارہ نے لارنس کے دو ساتھیوں کو دیکھ لیا تھا یہ بڑا ہی ٹیڑھا 'معاملہ تھا اس لیے کہ موٹریں بھی دیکھ لی گئی تھیں۔ دھاوے کے لیے تیار ہو کر وہ سیدھا طیارہ گاہ کی طرف اس توقع سے بڑھا کہ طیاروں کے ہوا میں اڑنے سے پہلے ہی مشین گنیں چلا دی جائیں گی لیکن اس میں لارنس نے بہت تاخیر کر دی تھی۔

قبل اسکے کہ ایک فائر بھی سر ہو سکے طیارے نہ صرف ہوا میں بلند ہو چکے تھے بلکہ ہتھیار بند موٹروں پر جھپٹ جھپٹ کر حملے کرنے لگے تھے۔ ہتھیار بند موٹروں کے چھوٹے چھوٹے برجوں اور فلزاتی پوششوں پر جب ان کے نشانے پڑتے ٹین کے ڈھولوں کی سی آواز پیدا ہوتی اور ان لوگوں کو جو ان موٹروں کے اندر تھے یہ آواز کوئی خوشگوار نہیں معلوم ہوتی تھی۔

ہتھیار بند موٹروں میں بیٹھ کر تعاقب کرنا اور زمینی دستوں پر حملے کرنا بھی لڑائی کا ایک طریقہ ہے لیکن جب یہ موٹریں طیاروں کا نشانہ بننے لگیں تو موٹر نشینوں نے ایسا محسوس کیا کہ وہ جانوروں کی طرح پھندے میں پھنس چکے ہیں۔ موٹروں پر بھی دو یا تین بم گرے لیکن لارنس کے ڈرائیوروں کی خوش نصیبی کہیئے یا ترکوں کی غلط نشانہ اندازی کا نتیجہ سمجھئے۔ اس سے صرف یہ ہوا کہ موٹروں کے بے روغن کیے ہوئے حصہ پر صرف چند کھرچیں لگیں اور فلزاتی پوششوں پر صرف چند سطحی نشان آئے۔

طیاروں سے بچتے بچانے کے دوران بھی اس نے ایک طیارہ کا خاتمہ کر ہی دیا اس طیارہ نے بہت ہی قریب اور نیچے آنے کی جرات کی لیکن اس کا خمیازہ بھی اس کو بھگتنا پڑا۔ کسی موٹر سے ایک گولی انجن کی ٹینکی میں جا لگی اور ایک زبردست آواز کے ساتھ وہ زمین پر آ رہا اور دھماکے کے زور سے ٹوٹ پھوٹ کر تباہ ہو گیا۔

دشمن کے طیاروں کی اس ناگوار مداخلت سے لارنس کو اپنی ایک تمنا یاد آ گئی اور اپنی ہوائی فوج میں بھی ایک طیارہ کے اضافہ کا خیال اس میں پیدا ہوا اس لیے کہ اس وقت اس کی ہوائی فوج میں ایک ہواباز بغیر طیارہ کے موجود تھا۔

اس نے اپنی موٹروں کو Umtaiaye سے لے چلنے کا حکم دیا اور جب وہ پہاڑوں کے تنگ راستوں سے گزرنے لگے تو دشمن کے بقیہ طیارے ان کے راستے پر منڈلانے اور مشین گن سے گولیاں برسانے لگے حتیٰ کہ وہ خود ہی اپنے اس مشغلہ سے تھک گئے۔

بعض عربوں نے موٹروں کے ساتھ ساتھ دوڑنا چاہا لیکن بدقسمتی سے ان میں سے بہت سے مشین گن کی راہ میں حائل ہو کر موت کا شکار ہو گئے اور اس طرح لارنس سے اپنی ناعاقبت اندیشانہ وفاداری کا خمیازہ انہیں بھگتنا پڑا۔

پھر ایک دفعہ اپنی خودرائی سے کام لے کر ازرق پہنچنے کے اپنے ابتدائی منصوبہ کی تکمیل کے خیال سے لارنس اس طرف چل پڑا۔ جہاں اس کو توقع تھی کہ طیارہ کے ذریعہ جرنیل الن بائی کا کوئی پیغام اس کو ملے گا دوسری موٹروں کو اس نے آگے بڑھ جانے کا حکم دیا۔

موٹریں آگے بڑھیں تو پھر نا سب کے مقام پر تھیں جہاں چار دن قبل لارنس ایک پل اڑا چکا تھا۔ لائن پر ترک کام کر رہے تھے اور تباہ کاریوں کی مرمت میں لگے ہوئے تھے رخنہ کے عین سرے پر ایک ریل گاڑی دھواں اڑاتی کھڑی تھی۔

یہاں سپاہیوں سے مزدوروں کی تعداد زیادہ معلوم ہوتی تھی اس لیے کہ موٹروں کے آدھمکنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ سب کے سب مزدور ریل کی طرف دوڑ گئے اور اپنی پوری رفتار سے ریل بھاگ کھڑی ہوئی معلوم ہوا کہ یہ جھڑپ بھی عجیب حیرت انگیز اور ساتھ ہی بڑی دلچسپ تھی۔ ترک چلتی ہوئی اور واپس ہوتی ہوئی ریل گاڑی سے سر نکالے موٹروں پر نشانہ تان رہے تھے۔

موٹروں کی نقل و حرکت بھی اس ''آہنی گھوڑے'' کے لیے بہت تھی۔ لیکن تعاقب کی بھی آخر ایک حد تھی۔ ایک آخری دھماکے کے بعد موٹریں پلٹ پڑیں اور کیمپ کی سمت واپس ہوئیں۔ اس اہم دن کی کارگزاری پر یہ لوگ بہت خوش تھے۔ اس لیے کہ ایک طیارہ کی تباہی اور ریل گاڑی کی لڑائی ان کی کامیابیوں کے ''خریطہ'' میں شامل ہو چکی تھیں۔

لارنس کی عدم موجودگی میں یہاں پر دوسرے عہدہ داروں نے یہ تصفیہ کیا کہ ترکوں نے Umtaiye کے مقام پر رہنا ناممکن کر دیا ہے اور اس بات کا قوی امکان تھا کہ اس دفعہ پھر وہ ڈیرہ سے طیارے لیے ہوئے ان کے کامل چیں ڈالنے کے ارادے سے یہاں آن پہنچیں۔ اس لیے وہ ام شراب کی طرف ہٹ آئے اور لارنس کی واپسی کا انتظار کرنے لگے۔

ان طیاروں سے بچنے کی ممکنہ حفاظتی تدابیر اختیار کی گئی تھیں جو دن کی روشنی میں ہر وقت عربوں کا کھوج لگانے کے لیے اڑتے پھرتے تھے۔ وہ غلہ رکھنے کے گڑھوں میں چھپے بیٹھے تھے ۔آدمیوں اور اونٹوں کو ادھر ادھر پھیلا دیا گیا تھا اور قسمت پر بھروسہ کئے ہوئے تھے۔

آخر کار 22 کو لارنس لوٹ آیا۔ ازرق میں وہ قاصد سے ملا جس کے ساتھ اس نے فلسطین کی طرف پرواز کی اور تین لڑاکا طیاروں کو لیے ہوئے واپس لوٹ آیا۔

لارنس اور تینوں طیارہ باز اتر آئے اور کچھ کھا پی لینے کے خیال سے وہ بیٹھے لیکن انہوں نے

بمشکل کھانا شروع ہی کیا ہوگا کہ پاسبان کی چیخ سنائی دی۔ لارنس انگریز عہدہ داروں کی جماعت کو جرنیل آلن بائے کے اقدام کی خبریں پڑھ کر سنا رہا تھا جس سے ان میں کافی جوش پیدا ہوگیا تھا لیکن چیخ نے ان سب کو اپنی طرف متوجہ کرلیا۔ ترکوں کے دو سراغ رساں جہاز اور ایک دو نشستوں والا جہاز مشرق سے اڑتے چلے آ رہے تھے۔

نو وارد اپنا ناشتہ بھول گئے اور طیاروں میں اپنی نشستوں پر آ بیٹھے اور اوپر اس غرض سے پرواز کی کہ زمین پر لوگوں کے منتشر ہونے تک دشمن کی مدافعت کرسکیں۔

طیارہ بازوں کے اڑنے تک دشمن کے طیارے لارنس کے مختصر سے دستہ کے سر پر پہنچ گئے تھے۔ برطانوی طیارے زمین سے اٹھ ہی رہے تھے کہ انہوں نے ان پر بم پھینکے لیکن خوش قسمی سے نشانہ خطا ہوگیا اور قبل اس کے کہ فضائی لڑائی میں وہ اپنے لیے بہتر مقام پیدا کرسکیں دشمن کا دو نشستوں والا لڑاکا طیارہ شعلوں کی لپیٹ میں زمین پر آ رہا۔

لارنس کے طیارہ باز فوراً اتر پڑے اس لیے کہ دشمن کے سراغ رساں طیارے انگریزی طیاروں کی سی سرعت رفتار کے ساتھ بھاگ گئے تھے۔ لارنس کی پر مسرت مبارک بادیوں اور عربوں کے تیز تیز نعرہ تحسین کے درمیان انہوں نے پھر اپنا کھانا شروع کیا لیکن انہیں ابھی شروع نہیں کرنا چاہیئے تھا کہا جاتا ہے کہ ترکوں نے جب سنا کہ ان کے دو طیاروں کے مقابلے میں ادھر تین طیارے تھے تو انہیں پھر مقابلہ کی ہمت ہوئی۔ بہرحال وہ جھپٹ آئے اور ساکن جہازوں کے اطراف ان کی گولیاں گرنے لگیں۔ طیارہ باز دوڑ پڑے اور چند ہی لمحوں بعد لڑائی شروع ہوگئی۔ اس دفعہ ترکوں کا پھر ایک طیارہ زمین پر آ رہا۔ جس کے بعد بغیر کسی تامل کے سب کے سب واپس دوڑ گئے اور دشمن کے ہوائی حملوں کا اسی پر خاتمہ ہوگیا۔

وہ اب مزید نعرے بھی نہ لگا سکتے تھے اس لیے کہ ان کے گلے بیٹھ گئے تھے صبح صبح کے ان تیزی سے واقع ہونے والے اہم واقعات پر پر جوش بحث کرتے ہوئے طیارہ بازوں نے پھر کھانا شروع کیا۔

اور سچ بھی یہ ہے کہ گزشتہ چند ہفتوں کے روزانہ کے بندھے ٹکے ہوئے پیمائش کے کام میں یہ تبدیلی تھی بھی ایسی ہی جوش دلانے والی۔

ایک طیارہ باز نے دوسرے سے کہا ہم کئی ہفتوں سے اس انتظار میں تھے کہ کچھ کھانے کو مل جائے اور جب ہم یہاں پہنچے تو ناشتہ سے پہلے ہی دو چڑیاں شکار کر لیں۔

لارنس کی ہوائی فوج کی خوش ہونے کی ایک معقول وجہ بھی تھی۔ اس لیے کہ اگرچہ اپنی ہوائی تاختوں سے ترک کوئی واقعی اہم نقصان نہیں پہنچا رہے تھے لیکن ان کے مشین گنوں کے مسلسل حملوں میں 5 سے 10 تک آدمی ہر روز ہلاک ہو رہے تھے اور ان غیر تربیت یافتہ دیسی باشندوں کے لیے یہ مصیبت ایسی نہ تھی جو خوشی خوشی برداشت کر لی جا سکے۔ ان کی مدافعت بھی اس وجہ سے نہیں کی جا سکتی تھی کہ ان پر جھپٹنے اور حملہ آور ہونے کے لیے اب تک لارنس کے پاس ''شیطانی چڑیوں'' کی کمی تھی۔

عرب گھر جانے کی حد تک پہنچ چکے تھے لیکن ان طیاروں کے آسانی کے ساتھ زمین پر اترنے ایک ہی لمحہ میں پرواز کرنے اور دشمن کو تباہ کر دینے میں کوئی بات ایسی ضرور تھی جس سے انہوں نے سمجھا کہ خدا ان کی خوش نصیبی پر مسکرا رہا ہے اور ہر بات مرضی کے مطابق پوری ہو کر رہے گی۔

لارنس نے اپنے انگریز ساتھیوں کو جرنیل الن بائے کا ایک اعلان پڑھ کر سنایا جس میں عموماً لارنس اور فیصل کے اب تک کیے ہوئے کام پر شکر گزاری کا اظہار کیا گیا تھا اس کے ساتھ خود جرنیل موصوف کے دریائے فرات کی دوسری جانب بڑھنے کی ولولہ انگیز خبر بھی درج تھی۔

تعطل کا زمانہ ختم ہو چکا تھا اور انگریزی چھاؤنی نے ایسا محسوس کیا کہ اب کچھ جنگ کی خبریں بھی سنائی دیں گی جس کے باعث ان میں جوش اور ہیجان پیدا ہو سکے گا اور اس پژمردہ کن احساس سے نجات مل سکے گی کہ لڑائی دنیا میں ہمیشہ یوں ہی ٹھنی رہنے والی ہے۔

لارنس خود اپنے ہم وطنوں کو ان خبروں سے مطمئن کر چکا تو عربوں کو اپنے اطراف جمع کر کے اس پیغام کا مطلب انہیں سمجھایا۔

اور ابتدا ہی میں جب وہ ''تمہاری جانباز فوجوں کے زبردست کارنامہ'' کے فقرہ پر پہنچا تو مجمع

میں مسرت کی آوازیں بلند ہونے لگیں۔شور ختم ہوا تو انہوں نے یہ خبر سنی کہ ترک پسپا ہو رہے ہیں۔ جس پر اور نعرے بلند ہوئے اور فضا میں بندوقیں سرکی گئیں۔بعض تو حلقے سے نکل بھاگے اور وادی کے قریب پہنچ کر چیخ چیخ کر یہ خوش خبریاں دنیا کو سنانے لگے یہ بات کہ کسی نے اس کو سنا بھی یا نہیں بالکل غیر متعلق تھی وہ بہت خوش تھے۔

گاؤں اور بستیوں کے نام جب پڑھے جانے لگے تو عرب ایک زبان ہو کر پیہم خدا کا، فیصل کا اور لارنس کا شکرادا کرنے لگے ترکوں کے پنجہ غضب کی گرفت ڈھیلی پڑ چکی تھی۔صدیوں کی دہشت اور خوف سے وہ اب آزاد ہو رہے تھے۔فالحمداللہ۔

اپنے عرب دوستوں میں اعتماد پیدا کر کے لارنس انگریز عہدہ داروں کے پاس لوٹ آیا۔ واقعات کی جو تصویر کشی اس نے یہاں کی وہ کسی قدر مختلف تھی۔اس نے کہا کہ جرنیل الن بائے نے ترکوں کو اس طرح آگھیرا ہے کہ ان کی پسپائی کا جو راستہ ہوگا وہ یقیناً دریائے فرات کو قطع کرتا ہوا گزرے گا۔

انگریز عہدہ دار ایک دوسرے کا منہ تکنے لگے۔ان کے اس انداز کو دیکھ کر لارنس نے سر ہلایا اور کہا جی ہاں۔ہم ان کی راہ میں حائل ہو سکتے ہیں اور پھر کہا۔چوتھی ترکی فوج بھی وہیں ہے اور ساتویں اور آٹھویں فوجوں کے بعض حصے بھی وہیں ہیں۔

اس پر کسی نے یہ رائے ظاہر کی کہ ان فوجوں کا کوئی ایک حصہ بھی اس کی مختصری فوج کو پیس کر رکھ دینے کے لیے کافی ہے اور ساتھ ہی یہ بھی پوچھا کہ ''آخر آپ کرنا کیا چاہتے ہیں۔''

دوسروں کے اظہار اختلاف کو نظر انداز کرتے ہوئے لارنس نے کہا۔

''بڑھ کر ڈیرہ اور دمشق پر قبضہ کرنا چاہتا ہوں۔''

اور پھر کہا۔اس اثناء میں ہمیں دمشق کی صفیں بھی توڑ دینی چاہئیں پھر اس نے تفصیل سے سمجھایا کہ جرنیل الن بائے کا دلی منشاء کیا ہے اور اسی کے ساتھ اپنے منصوبوں کی بھی توضیح کی۔پھر کہا کہ وہ واپس ازرق روانہ ہوگا اور وہاں سے Handly page طیارہ کے ذریعہ دوٹن کی حد تک پٹرول اور

غذا بھجوانے کا انتظام کرے گا۔

دوسرے عہدہ داروں نے نگاہ اٹھائی۔ دوٹن!!

انہیں اس پر یقین نہ آتا تھا۔ انہوں نے اس ہنڈلی پیجHandly Pageطیارہ کا کچھ موہوم سا حال تو سنا تھا لیکن انہیں اس کی جسامت کا کوئی اندازہ نہ تھا۔

دوپہر کے وقت جبکہ تازہ ترین خبروں پر گرما گرم بحث ہو رہی تھی کہ تین طیارے اڑتے ہوئے دیکھے گئے۔ یا یوں کہنا چاہے کہ ان میں ایک تو طیارہ معلوم ہوتا تھا لیکن بقیہ دو نقطے دکھائی دیتے تھے اور جب وہ قریب آئے تو آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کر کے نظر جما کر انہیں دیکھا گیا۔

Hndly page کا زبردست طیارہ جب صاف دکھائی دینے لگا تو انگریزوں کی یہ مختصر سی جماعت بھی اسکو دیکھ کر حیرت میں آ گئی لیکن عربوں کے لیے تو یہ ایک معجزہ تھا جن میں سے ایک تو پکار اٹھا خدا کی قسم! یہ تو تمام شیطانی چڑیوں کا باپ ہے۔

....

باب نمبر 13

23 ستمبر کی صبح لارنس پھر آگے بڑھا۔ اس کی فوج کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے اور نقل و حرکت کے لیے رسیاں تڑا رہی تھی۔ گزشتہ دن کی خبریں ان کے دماغوں میں سمائی ہوئی تھیں۔ Handly Page طیارہ وعدہ کر گیا تھا کہ مفرخ کے مقام پر ترکوں کو نوازنے کے لیے خود میں بم بھر کر دن ڈھلے پھر آن موجود ہوں گا۔ تینوں ہوا باز اوپر اڑ رہے تھے اور مقابلہ کے لیے کسی کی آمد کے منتظر تھے۔ ان کی پیش قدمی کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے فیصل ایک دن قبل یہاں آ پہنچا تھا اور ان لوگوں کی اولعزمانہ کارگزاری کا شکریہ بذات خود ادا کر چکا تھا۔

ناسب اور مفرخ کے درمیان ایک ہوشیار نگہبان جاسوس نے لارنس سے ملاقات کی اور سرگوشی میں اس سے کہا کہ ترک ڈھے ہوئے پل کی مرمت میں مصروف ہیں۔ اپنے آدمیوں کو ٹھہرے رہنے کا حکم دے کر لارنس اس طرف روانہ ہو گیا۔ ایک بلندی ایسی آئی جہاں سے پل آسانی سے نظر آ سکتا تھا۔ لارنس نے ہاتھ کے اشارے سے دوسرے عہدہ داروں کو بھی بلا لیا کہ وہ بھی آئیں اور تماشہ دیکھیں۔

انجان دشمن سے خوب اچھی طرح چھپے چھپائے وہ دو گھنٹوں تک بیٹھے رہے۔ ترک بڑی تیزی اور پھرتی سے کام کر رہے تھے۔ لارنس کے دیکھتے دیکھتے لکڑی کا عارضی پل کھڑا ہو گیا۔ لارنس نے ان کی چابک دستی پر گفتگو کی اور اس آسانی سے پل کے تعمیر کر لینے کے دو طریقہ پر اپنی رائے کا اظہار کیا۔

اس نے کہا کام تو خوب کیا۔!

پھر اس نے اپنے چند آدمی بلائے۔ محافظوں پر گولیاں چلائیں۔ اور مشین گن چلانے والی

جرمن جماعت کی بے جگرانہ مقاوست کے باوجود کام کرنے والوں کو مار بھگایا۔ کوڑا کرکٹ اکٹھا کر کے پل کے درمیانی شہتیروں کو آگ لگادی۔ اور چند ہی لمحوں میں ترکوں کا نیا پل اس سرے سے اس سرے تک بھڑک اٹھا۔

اس تباہ کاری کی تکمیل کے طور پر اس نے لائن کا بھی ایک حصہ تباہ کر دیا اور پھر Umtaiye لوٹ آیا۔

رات کے وقت سردن کے اوپر عربوں کو موٹروں کی بھنبھناہٹ کی سی دھیمی آواز سنائی دینے لگی اور رات کی مدھم روشنی میں بھاری بھر کم ہنڈلی پیج طیارہ انہیں نظر آیا اور کچھ ہی دیر نظر سے اوجھل شمالی سمت میں ہوا کے ارتعاش کے ساتھ بھد بھد کی آواز کا سلسلہ بندھ گیا۔۔۔۔۔

مفرخ پر بمباری ہو رہی تھی۔

اور جب انہوں نے شمال کی سمت میں دیکھنا شروع کیا تو پہاڑوں کے عقب میں سرخ روشنی کی تمتماہٹ نظر آئی۔

مفرخ جل رہا تھا۔

چھاؤنی والوں کی نیندیں اچٹ گئیں۔ عرب خوشی سے کیمپ کے اطراف ناچ رہے تھے اور لارنس اور اس کے ساتھیوں نے اقدام کا ارادہ کیا۔۔

ڈیرہ اور دمشق یہ دو مقام تھے جن کو لارنس فتح کرنا چاہتا تھا۔ 1916ء ہی میں دمشق کو اپنی منزل مقصود قرار دے چکا تھا اور جرنیل الن بائے سے بھی صاف کہہ چکا تھا کہ وہ دمشق کو فتح کر کے رہے گا جماعت کے پیشہ ور عہدہ داروں کا خیال تھا کہ احتیاط سے کام لینا چاہیے لیکن لارنس کے پاس اس کا گزر نہ تھا۔

ایک دفعہ پھر عہدہ داروں نے جتایا کہ وہ ترکوں کی پسپائی کے راستہ پر ہیں۔ لارنس نے جواب دیا کہ جب ترک پسپا ہو کر ادھر سے گزریں تو وہ ان پر چھاپا مار کر بھاگ کھڑے ہو سکتے ہیں لیکن یہ بات اوروں کی نظر میں مشتبہ ہی رہی اور وہ یہی کہے گئے کہ بھاگ کھڑے ہونے کی صورت میں اور

زیادہ مشکلات پیش آئیں گی۔

لیکن لارنس خوب سوچ سمجھ کر اپنا منصوبہ باندھ چکا تھا اور اس سے روگردانی اسے گوارا نہ تھی ۔ہتھیار بند موٹریں اس نے واپس بھجوا دیں اس لیے کہ آگے کی سرزمین ان کے لیے موزوں نہ تھی۔اور بجائے مدد کے ان کے سدراہ ہونے کا امکان تھا۔پھر اس نے یہ خیال ظاہر کیا کہ فلسطین میں طیارے بہت مفید ثابت ہوں گے اس لیے کہ وہاں ہر طرح کی مدد درکار تھی۔طیارے آگے نکل گئے۔

پھر لارنس نے اپنی فوج کو حرکت دی۔لارنس کے پاس شریف مکہ کے 600 آدمی تھے۔ جن کے متعلق فرض کر لیا گیا تھا کہ وہ تربیت یافتہ ہیں۔اس فوج کے پاس 6 بندوقیں اور 12 مشین گنیں تھیں ور کرز اور ہاچ کسنر قسم کی بندوقوں والے بے قاعدہ عرب محض تعداد بڑھانے کے کام کے تھے اس کے ماسوا تین سواونٹ سوار اور گھوڑے سوار بھی تھے جن کے ساتھ غذا اور پانی کا راتب نصف مقدار میں موجود تھا۔اس کے بعد کے سفر کے لیے وہ قسمت پر تکیہ کئے ہوئے تھے کہ کہیں سے رسد فراہم ہو جائے گی۔ورنہ پھر انہیں بغیر رسد کے لڑنا پڑے گا۔

طلایہ فوج مشکل سے Umtaiye کے باہر نکلی ہوگی کہ ایک طیارہ جھپٹا ہوا واپس لوٹ آیا اور دو تین دفعہ چکر کاٹنے کے بعد ایک پیغام پھینک سکا پیغام کو فوراً اٹھا لیا گیا اور تیزی سے لارنس تک پہنچا دیا گیا۔

لکھا تھا۔

''ریلوے کی طرف سے سواروں کی زبردست فوج بڑی چلی آ رہی ہے۔''

لارنس نے اس کو دوبارہ پڑھا اور صرف ایک ہی لمحہ کے لیے کچھ شش و پنج میں پڑ گیا۔فوج کو اشارہ کیا کہ بڑھی چلے۔۔۔۔زبردست؟اس کا کیا مطلب۔سینکڑوں؟ہزاروں؟

اس نے اپنے جاسوس بہت آگے دوڑائے کہ جونہی دشمن نظر آنے لگے آکر اطلاع دیں ناسب اور مفرخ کے درمیان ابتدائی وقت کے بچھڑے ہوئے ساتھی جونب کی طرف سے آآ کر ملنے لگے اور فوراً ہی لارنس نے اپنے آدمی پہاڑ کے دونوں جانب پھیلا دیئے اور ان لوگوں نے بھاگتے

ہوئے ترکوں پر کمین گاہوں سے گولیاں چلانی شروع کیں۔ بعض ترک چٹانوں کے پیچھے گھس آئے اوراس نئے حملہ کا جواب دینے کی کوشش کی۔ لیکن دوسرے ترکوں نے جن کی خواہش صرف یہی تھی کہ کسی طرح فرار ہو جائیں اس جنگ پسپائی میں اپنی رفتار تیز کر دی اور شمال کی سمت میں بڑھنے لگے۔ کبھی کبھی عرب سواروں کا کوئی گروہ وادی کے کسی موڑ سے لپک کر باہر نکل آتا تیز وتند چیخوں کے ساتھ مفرور دشمن پر جھپٹ پڑتا گراتا اور مار ڈالتا۔ اور پھر پہاڑوں میں واپس لوٹ آتا۔

تنگ گھاٹی مردوں سے پٹ گئی تا آنکہ شورہ پشت ترکوں کے لیے مقاومت مشکل ہو گئی اپنی جان بچانے کی کوشش میں وہ گولہ بارود اور مال واسباب سب چھوڑ چلے۔ پسپائی کی ہل چل سرپٹ دوڑ میں تبدیل ہو گئی۔

ترک پہاڑوں سے سر ہونے والی گولیاں کھاتے' عرب کے قبائلی باشندوں کے خوفناک دھاوے ہر چہار طرف سے سہتے' تعاقب کرتی ہوئی انگریزی فوج کے خوف سے بدحواس ہو کر جھپٹ کر آگے نکل جانا چاہتے تھے۔ وہ سڑک جس پر ترک واپس ہو رہے تھے ایک وادی میں سے گزرتی تھی ۔ یہ کسی دریا کی گزرگاہ تھی جو صدیوں سے سوکھی پڑی تھی۔ جس پر صرف اونٹوں کے کارواں گزرا کرتے تھے۔ دونوں بازوؤں پر عمودی چٹانیں سینہ تانے کھڑی تھیں ان کے کونے اتنے تیز تھے کہ جب پاؤں رکھنے کی کوشش کی جاتی تو ہاتھوں اور پاؤں کا زخمی ہو جانا لازمی تھا۔

وادی کے ایک تنگ اور پیچ وخم کھاتے ہوئے راستہ پر ترک ہنکائے گئے۔ یہاں وہ پھیل نہ سکتے تھے۔ گھوڑے آدمی' اونٹ' اسباب بندوقیں۔ وہ بے آس اور سہا ہوا انبوہ انہیں سے مرکب تھا۔

جب بے ترتیبی سے انہوں نے شمال کی طرف بھاگنا چاہا تو ہر طرف سے موت ان پر جھپٹ پڑی پوشیدہ نشانہ بازوں کی گولیاں انہیں بے پروائی سے کچلتے ہوئے قدموں میں لا ڈالتیں۔ بھیڑ سے ادھر ادھر جو منتشر ہو جاتے حملہ آور سواروں کے خنجر اور تلواریں ان کا خاتمہ کر دیتیں اور ان میں سے بعض جانوروں کی بے ترتیب جھپٹ میں کچل جاتے۔

اور پھر سب سے خوفناک چیز یہ تھی کہ آسمان سے ان پر موت برس رہی تھی۔ طیارہ بازوں کا

کام صرف یہ تھا کہ اس بھاگتی ہوئی فوج کے پر پیچ راستہ پر پرواز کرتے ہوئے ان پر بم برساتے جائیں۔

آخر میں ہوا باز بھی تھک گئے کیونکہ بجز قتل وخوں کے یہاں کچھ بھی نہ تھا اپنے کئے اور اپنے دیکھے سے بیزار ہو کر انہوں نے وادی کی اس قتل گاہ کو چھوڑ دیا۔

وہ جانتے تھے کہ اس کا نام جنگ آزمائی نہیں ہے بلکہ یہ صرف قتل وغارت گری ہے۔ پسپا فوج کے مرکزی حصہ پر لارنس حملہ سے احتراز کرتا رہا کیونکہ اعلانیہ طور پر وہ برسر پیکار نہ ہو سکتا تھا لیکن اس نے رات گئے تک اپنی چھاپہ بازی برابر جاری رکھی حتیٰ کہ تھکاوٹ سے اس کے آدمیوں کے ہاتھ اور پاؤں شل ہو گئے۔ وہ ٹھہر گیا اور خیمہ زن ہو گیا۔

رات بے چینی سے گزری۔ پہاڑوں سے عجیب عجیب گریہ و بکا کی آوازیں اور کبھی کبھی دھماکوں کی آوازیں چلی آتی تھیں۔

صبح میں پھر وہ اپنے راستہ پر چل پڑا۔ عزالی اور غذرا کی درمیانی چوٹیاں محض بھونچکا کر اطاعت قبول کرتی جاتی تھیں یہ بات کہ دشمن کی فوج' ان کی صفوں کو توڑ کر Derra کے اتنے قریب حملہ آور ہو جائے گی ترکوں کے لیے ناقابل یقین تھی۔

جب اسٹیشنوں پر قبضہ ہوتا چلا گیا تو لارنس لائن پر قبضہ کرتا گیا اس سے دیرہ کے جنوب میں ریل کے ذریعہ ترکوں کے حملہ کی نقل وحرکت رک گئی۔

اس نے بعض ترکوں سے بھی گفتگو کی اور ان سے یہ بات معلوم کر لی کہ جو اطلاعیں ان تک پہنچیں وہ اس امر کا یقین نہ دلاتی تھیں کہ ترکوں کو جن فوجوں سے مقابلہ کرنا ہے ان کی قوت کتنی ہے۔ ایک اطلاع یہ تھی کہ صرف ایک ہزار عرب ہیں لیکن دوسری اطلاعوں میں یہی تعداد بڑھ کر کئی ہزار تک پہنچ گئی۔ ان تمام اطلاعوں میں دہشت کا شائبہ پایا جاتا تھا۔

جب وہ پر اضطراب پہاڑیوں کی طرف آہستہ آہستہ بڑھا تو اسے دانش مندی اسی میں نظر آئی کہ لائن سے کسی قدر ہٹ کر چلا جائے۔ وہ مایوس تو نہ تھا لیکن انتہا سے زیادہ مضطرب تھا۔ اس کے

ساتھیوں نے اب سمجھا کہ وہ دشمن کے عین وسط میں ہیں۔ ستمبر کی 26 تھی لیکن لارنس برطانوی محاذ کی صورت حال سے بالکل بے خبر تھا۔

پہاڑ کی لڑائی کے نقصانات سے کمزور ہو کر لارنس کی مختصر سی فوج مایوسی کے عالم میں، اپنے پڑاؤ کے مقام پر گویا گر پڑی۔ لیکن دو تین ہی گھنٹوں کی نیند کے بعد وہ پھر اٹھ کھڑے ہوئے اور دن نکلنے سے پہلے اپنا سفر شروع کر دیا۔ لارنس کو اس کا خیال تھا کہ مرکزی سڑک سے کچھ ہٹ کر چلنا چاہیے۔ لیکن ساتھ ہی فاصلہ اتنا رہے کہ اگر دشمن کی فوج کے بھولے بھٹکے رہرو مل جائیں تو ان پر حملہ کیا جا سکے۔ ہر شخص پر یہ بڑا نازک وقت تھا۔ وادی کے ایک دو موڑ مڑنے کے بعد وہ بالکل دشمن کے مقابل میں آ جاتے تھے۔ اس بات کا بھی کوئی یقین نہ تھا کہ پہاڑی لوگ دوست ہی نکلیں گے۔ اس لیے کہ انہوں نے عربوں پر گولیاں چلائی تھیں حالانکہ وہ جانتے نہ تھے کہ یہ کون لوگ ہیں اور اس ملک میں کیا کر رہے ہیں۔

غذا ختم ہوتی جا رہی تھی اور آدمیوں اور جانوروں دونوں کے لیے پانی بہت کم رہ گیا تھا۔ صبح کے وقت لارنس اپنی سپاہ کو مقام شیخ سعد کی طرف لے گیا جہاں اسے یہ معلوم کر کے دھچکا سا لگا کہ یہاں فوری کاروائی کی ضرورت ہے۔ آگے دو اسٹریلی ترکی مشین گن بازوں کی جماعتیں ترتیب سے کھڑی ہوئی تھیں۔ یہ مجمع بہت مہیب معلوم ہوتا تھا لیکن وہ پلٹ کر اپنے ہتھیاروں سے کام لینا شروع بھی نہ کرنے پائے تھے کہ لارنس ان کے سر پر جا پہنچا۔ خشم ناک عربوں کی بدشگون جماعت سے وہ مغلوب ہو گئے۔ لارنس کی یورش اگر اتنی سرعت سے نہ ہوتی تو کامیابی محض مشتبہ تھی۔ اگر وہ اپنی بندوقوں سے کام لے سکتے تو لارنس کی پوری سپاہ کو چند ہی لمحوں میں بھون کر رکھ دیتے۔ لیکن وہ بال بال بچ گئی۔

••••••••••••••••••••••••••••••••

باب نمبر 14

اس وقت جنگی صورت حال کے متعلق لارنس کے خیالات جو کچھ بھی ہوں اس کے لوگوں سے اب بیزاری کی علامتیں ظاہر ہونے لگی تھیں۔ 15 دن سے وہ گویا مسلسل نقل وحرکت کر رہے تھے۔ رات میں صرف چند گھنٹوں کا آرام ملتا ورنہ سارا وقت لڑنے بھڑنے پیچھے ہٹنے اور لائن کے شمال و جنوب میں چھاپے مارنے میں گزرتا۔ غذا کی مقدار بھی دن بدن کم ہو چلی تھی اور دن بدن یہ بے اطمینانی بڑھتی جاتی تھی کہ رفتہ رفتہ بڑھتے بڑھتے وہ کسی جال میں تو نہ پھنس جائیں گے۔ فوجی نقل و حرکت کی قیادت میں بلاشبہ یہ لارنس کی خوداعتمادی کا نتیجہ تھا کہ اس کی فوج متحد تھی ورنہ وہ اپنی عادت کے مطابق کبھی کے اپنا پشتارہ باندھ کر گھر چلے گئے ہوتے لوگوں کو خیمہ زن ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی تھی کہ ایک نیچا اڑتا ہوا طیارہ ایک پیغام گرا گیا جس کے باعث ہر طرح کے مخلوط جذبات بیدار ہو گئے۔ ابتدا میں لکھا تھا کہ جرنیل برو کے ڈویژن کا کچھ حصہ Remthe کے قریب پہنچ چکا ہے۔ یہ خوش آئند بات تھی۔ پیغام کے دوسرے جملہ میں لکھا تھا کہ ترکوں کی پسپا فوج کے دو پرے مقام شیخ سعد کی طرف پلٹ جانا چاہتے ہیں جن میں سے ایک کی تعداد 4 ہزار اور دوسرے کی تقریباً 2 ہزار ہے یہ خبر کسی خطرہ کا پتہ دیتی تھی۔ لارنس نے عجلت سے ''جنگی گفتگو'' کی مجلس منعقد کی اور فوراً یہ طے ہو گیا کہ ترکوں کی اس زبردست سپاہ کے مقابل میں وہ بالکل بے بس ہیں۔ کسی نے کہا کہ اس مقابلہ کا نتیجہ سوائے ''خودکشی'' کے اور کچھ نہیں ہو سکتا۔

لارنس نے ایک دفعہ پھر اپنے آدمیوں کو آگے بڑھایا۔ لیکن اس دفعہ نفاس کی طرف سے تاکہ وہاں کے دو ہزار ترکوں سے نپٹا جا سکے۔ اور ساتھ ہی ایک مختصر ٹولی ان پہاڑیوں کے دہقانوں کو مشتعل کرنے کے لیے بھیج دی جن میں سے ترکوں کا زبردست لشکر گزرنے والا تھا۔ خیال یہ تھا کہ جب

وہ پہاڑیوں میں تتر بتر ہو جائیں تو انہیں ستایا جائے اور بدحواس کیا جائے۔

اس کا حکم تھا کہ حملہ کبھی نہ کرو بلکہ صرف بھٹکے ہوؤں کو ایک ایک کر کے نشانہ بنائے چلو جب یہ ٹولی اپنے راستہ پر چل پڑی تو لارنس کا کوچ بھی شروع ہو گیا۔ اب وہ ہر قسم کی مزاحمت کے لیے تیار تھا۔ کچھ ہی دیر گزری تھی کہ نسبتاً ایک چھوٹے سے دستہ کی آمد کے آثار اس کو معلوم ہوئے یہ ایک پیدال فوج کا دستہ تھا جو بغیر کسی نظم و ترتیب کے آگے بڑھا چلا آتا تھا۔ لیکن ایک ہی گھنٹہ کے اندر اس کو بھاری نقصان کے ساتھ منتشر کر دیا گیا۔ امکانی تیزی سے آگے بڑھتا ہوا وہ اس چوٹی پر جا پہنچا جہاں سے نفاس کی بستی نظر آتی تھی۔ بعض مکان دھویں سے اٹے ہوئے تھے اور اس سے دو میل آگے دشمن کی وہ فوج جو اس گاؤں پر قابض تھی۔ فاصلے کے دھندلکے میں غائب ہوتی نظر آتی تھی۔

اس گاؤں میں سے ہو کر گزرنا بڑا زہرہ گداز کام تھا۔ رینگنے والے شیر خوار بچوں سے لے کر 4'5 سال کی عمر تک کے بچوں کی کم از کم 5 لاشیں گرد و غبار میں پڑی ہوئی تھیں۔ ان میں سے بہت سوں کو برچھوں سے مارا گیا تھا۔ لارنس نے ان کو دیکھا اور پھر ان پسپا ہونے والے ترکوں پر نگاہ ڈالی جو اس سے کچھ فاصلے پر تھے۔ اس کے دل اور اس کے دماغ میں غیض و غضب بڑھتا جاتا تھا۔ دشمن سے نفرت کی دیر سے سلگتی ہوئی آگ اب شعلے بن کر بھڑک اٹھنا چاہتی تھی اپنے گھروں کے قریب عورتیں مری پڑی تھیں۔ جن کے ساتھ ہولناک سلوک کیا گیا تھا۔ لارنس نے جب یہ دیکھا تو اس کے ہونٹ بند ہو گئے تاکہ وہ بددعائیں رکی رہیں جو اس کی زبان سے نکلنا چاہتی تھیں۔

عرب ان دو تین انگریزوں کے ارد گرد جمع ہو گئے جوان قابل رحم لاشوں کی طرف اشارہ کر رہے تھے یہ بچے اور یہ عورتیں ان ہی کے رشتہ دار تھے نفاس انہیں کے ملک کا ایک حصہ تھا۔

عربوں نے بھیانک پر اسرار اور اونچی آوازوں میں خدا کو پکارنا شروع کیا اور بغیر کسی ارادے کے ان کے اطراف حلقہ باندھے کھڑے ہو گئے۔ بعض اپنے گھوڑوں پر سوار ہونے کے لیے پلٹ پڑے تاکہ دشمن کے پیچھے جھپٹ سکیں۔ لارنس نے غضب آلود تندہی سے انہیں ٹھہرالیا۔

اس کے بعد ہی پیچھے سے ایک جگر شگاف ہیبت ناک چیخ سنائی دی لارنس اور اس کے

ساتھیوں نے پلٹ کر دیکھا۔اس گاؤں کا شیخ طلال جو بہترین لڑنے والوں میں سے تھا گھوڑا اڑتا ابھی ابھی یہاں آ پہنچا تھا۔اپنے گاؤں کی تباہی کی خبریں اس نے سن لی تھیں۔ جوں ہی اس نے اپنے گھوڑے کی باگ روکی کپڑوں کا ایک چھوٹا سا بنڈل لڑکھڑاتا ہوا اس کے قدموں پر آ گرا اور مجھے نہ مارو کی صدا لگا کر آخری دفعہ گر پڑا اور مر گیا۔

طلال کا چہرہ غضب آلود تھا۔اس کی آنکھیں آگے کی طرف اس راستہ کو تاک رہی تھیں جن پر سے ترک گزر رہے تھے۔اس نے پھر چیخنا شروع کیا۔

کسی کی ہمت نہ ہوتی تھی کہ اس سے بات کر سکے۔اس شخص کو کیا کہا جا سکتا تھا جس کے چھوٹے سے خوشنما گاؤں کی روزمرہ کی پرسکون زندگی کا منظر قتل عام کا نظارہ پیش کر رہا ہو۔

قبل اس کے کہ اس کو روکا جا سکے۔اس نے اپنے گھوڑے کی باگ موڑ دی ایڑیں گھوڑے کے جسم میں پیوست کر دیں اور اپنی انتہائی بلند آواز میں جنگ کا نعرہ لگاتا ہوا پوری سرعت رفتار سے دشمن کے پیچھے جھپٹا۔

لارنس بجز آنکھیں پھاڑ کر دیکھتے رہنے کے اور کیا کر سکتا تھا۔اس المناک لیکن باوقار منظر نے اس پر اور اس کے آس پاس والوں پر گویا جادو سا کر دیا تھا انہوں نے ترکوں کو پلٹتے ہوئے دیکھا اور چند ہی لمحوں میں طلال ان پر جا گرا۔

ٹاپوں کی آواز دعوت جنگ دشمن تک پہنچا چکی تھی۔وہ رکاب میں پاؤں رکھ کر اٹھ کھڑا ہو گیا ایک دردناک چیخ اس کے حلق سے نکلی ہی تھی کہ رائفلوں اور مشین گنوں کی ایک ہی باڑ نے صحیح معنی میں اسے زمین سے اڑا دیا۔دشمن کی صفوں کے درمیان وہ اور اس کا چھوٹا سا جانباز گھوڑا دونوں مرے پڑے تھے۔

ایک عجیب سکوت طاری تھا جو کسی تصویر کے سکوت سے مشابہ معلوم ہوتا تھا۔ترک اس شخص کو دیکھ رہے تھے جو تن تنہا ان پر حملہ آور ہوا تھا اور ادھر لارنس اور اس کے سپاہی طلال کی آخری مجنونانہ حرکت کے باعث اب تک مبہوت تھے۔

اس نے اپنی مختصر سی سپاہ کے تین حصے کئے اور حکم دیا کہ "پہاڑوں میں جاؤ ہر اس شخص کو ساتھ لے لو جو اس مقصد کے لڑنے پر آمادہ ہو۔ ہر طرف سے ترکوں پر ٹوٹ پڑو۔ میرا حکم یہ ہے کہ بس مارتے چلو مجھے کسی قیدی کی ضرورت نہیں ہے۔"

خود لارنس میں جنگ کا جوش پوری شدت پر تھا۔ لیکن غیض وغضب سے مغلوب عربوں کے مقابلہ میں جنہیں کسی ایک ترک کو بھی موت کے گھاٹ اتارنے میں اپنی جان کی مطلق پروانہیں رہی تھی۔ اس کا غصہ پھر بھی ٹھنڈا ہی تھا۔ اس حملہ کا حکم دینے کا مقصد صرف یہی نہیں تھا کہ گزشتہ کی فرو گزاشتیں مٹ جائیں بلکہ ڈیرہ کے مقام پر اسے ایک ندامت سے دوچار ہونا پڑا تھا۔ جس کو وہ زائل کرنا چاہتا تھا۔ یہاں وہاں ہر جگہ موجود رہا۔ منصوبے باندھے اور ترکوں کو ان کونوں میں دھکیلتا رہا جہاں سوائے موت کے فرار کی اور کوئی صورت نہ تھی۔

ترکوں کے پاس اتنا وقت نہ تھا کہ لڑائی کے لیے فوج کو ترتیب دے سکیں۔ تین طرف سے غم کے مارے انتقام طلب عرب ان پر ٹوٹ پڑے۔ پہاڑوں اور چھوٹے چھوٹے کونوں میں انہیں نکالتے گئے اور مارتے گئے۔

عرب ترکوں کی چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں کو گھیر لیتے۔ ترک بے جگری سے اس وقت تک لڑتے جب تک کہ آخری آدمی اور آخری بندوق سرد نہ ہو جاتی۔ لیکن پھر بھی مایوسی ہی ان کے ہاتھ آتی۔ وہ ترک بھی جو مغلوب ہو کر ہاتھ اٹھا لیتے عفو ورحم سے بے نصیب رہتے۔

قتل وخون کی اس گرم بازاری میں پہاڑی لوگوں نے بھی اپنا بدلہ خوب لیا۔ چھرے اور ڈنڈے لیے وہ لڑائی کے حدود کے اطراف منڈلاتے رہتے اور جہاں کوئی ترک بچ کر نکلتا نظر آتا بھڑوں کے چھتے کی طرح اس پر ٹوٹ پڑتے اور ڈنڈوں اور چھروں کی ضربوں سے اس کا خاتمہ کر دیتے۔

وہ اس وقت تک قتل کرتے گئے جب تک کہ رائفلیں گرم ہو کر فائر کرنے کے قابل نہ رہیں اور ان کے بازو بھی انہیں اٹھاتے اٹھاتے شل ہو گئے پھر بھی گولہ باری کے بند ہونے کا کہیں پتہ نہ تھا۔

اس تلخ مقابلہ میں جو عرب باقی بچ رہے تھے ہیبت ناک صفوں میں یکجا جمع ہو گئے اور ایک دوسرے کو دیکھنے لگے۔ لارنس اس کے دو تین انگریز ساتھی اور دوسرے سب لوگوں نے مل کر تفاس اور طلال کا بدلہ لے لیا تھا۔

لیکن خوفناک ساعت ابھی باقی تھی۔

امدادی فوج کے دستوں نے آگے کی طرف دشمن کے رسد لانے والے آدمیوں کو گھیر لیا تھا۔ جن میں آسٹریلی، ترک اور چند جرمن شامل تھے یہ لوگ مقام واردات پر ابھی ابھی وارد ہوئے تھے اس لیے اس مہیب میدان کارزار کو دیکھ کر اگر کچھ پریشان نہ بھی ہوئے ہوں تو حیرت زدہ ضرور معلوم ہوتے تھے۔

قیدی ایک جگہ سمٹ گئے انہوں نے اپنے ساتھیوں کو دم توڑتے دیکھا تھا وہ ان کی قبول اطاعت کی آوازیں سن چکے تھے جن کا کوئی لحاظ نہیں کیا گیا تھا۔ وہ سوچنے لگے کہ نہ معلوم کس قسم کی موت سے خود انہیں دوچار ہونا پڑے گا۔

لارنس کا خون ٹھنڈا پڑ گیا تھا، اس کے جسم اور قلب پر افسردگی سی چھا گئی تھی قتل و خون سے وہ بیزار ہو چکا تھا۔ بعض عربوں کی مہیب دھمکیاں اب بھی سنائی دے رہی تھیں لیکن یہ لوٹتے ہوئے طوفان کی سنسناہٹ کے مشابہ تھیں۔ ایک نعرے نے انہیں پلٹ کر دیکھنے پر مائل کر دیا۔ لارنس آگے کی طرف بھاگا جہاں کوئی عرب غصہ سے بڑبڑاتا اس غریب کی لاش کی طرف اشارہ کر رہا تھا جو کسی کونہ میں دو چھوٹی تلواروں سمیت زمین سے چمٹی پڑی تھی۔ لارنس کا بھاگنا ہی تھا کہ تمام عرب آ کر جمع ہو گئے۔ اپنے مقتول ساتھی پر ایک نگاہ ڈالی جس کو اتنے بے دردانہ طریقہ پر قتل کیا گیا تھا پھر وہ اس طرف لوٹ پڑے جہاں سست آنکھوں والے قیدی سکڑے کھڑے تھے گویا جانور تھے جو ذبح ہو جانے کے منتظر تھے۔

اس مقام پر لارنس کے پہنچنے تک دو تین قیدیوں کے پرخچے اڑ گئے۔ ان باؤلے عربوں کے گروہ پر اس نے ایک نگاہ ڈالی جو قیدیوں کو حلقہ میں گھیرے کھڑا تھا۔ ان دو تین قیدیوں کی شکل و صورت

پر بھی اس کی نظر پڑی جو ابھی ابھی مر چکے تھے۔ اسکے بعد اس نے وہ حکم دیا جو صرف اس وقت کے لیے موزوں ہو سکتا تھا۔

سپاٹ اور ہموار آواز میں اس نے ہاچ کس بندوقبازوں سے کہا۔

قیدیوں کی طرف اپنی بندوقیں پھیر لو۔

عربوں کے آگے بڑھنے تک بندوقوں کی دھائیں دھائیں شروع ہوگئی۔ بندوق بازوں نے اس وقت تک گولیاں چلائیں کہ قیدیوں میں کسی قسم کی جنبش و حرکت تک باقی نہ رہ سکی۔

یہ قتل عام ان غریب بدبختوں کو اس سے بھی بدتر انجام سے بچانے کے لیے تھا۔ ظلم و ستم انتقام کی پرورش کرتا ہے اس لیے لارنس نے ایسا محسوس کیا کہ اس معاملہ میں اس کا ضمیر حق بجانب تھا۔

لارنس کی سرعت عمل پر خود عرب تک حیرت زدہ تھے۔ لیکن انہوں نے اس میں مداخلت کی کوشش نہیں کی۔ ایک نامطبوع اور سنگدلانہ منظر ان کے پیش نظر تھا۔ اس کے سامنے لاشوں کا جو انبار تھا اس نے اس کو بے پناہ کراہت سے بھر دیا۔ وہ کراہت جہاں تک وہ اپنے عناد کے باعث پہنچا تھا جو ترکوں سے اس کو تھا۔ اس کو گھن آنے لگی کہ آدمی کو ایسے سفاکانہ کام بھی کرنے پڑتے ہیں اس کا چہرہ غضبناک سا ہو گیا۔ خود اس کے کپڑوں اور عرب اور انگریز ساتھیوں کے کپڑوں سے دہشت ناک قتل و خون کی بو آنے لگی۔ نگاہیں جس طرف پڑتیں موت اور مصیبت کے سواء کچھ نظر نہ آتا تھا۔ غاروں اور کھوؤں میں زخمی بے ترتیب گڈمڈ پڑے ہوئے تھے۔ اور مسطح قطعات پر ان کی صفیں بچھی ہوئی تھیں۔ زخمی پانی کے لیے بلبلاتے جاتے تھے جس کا فراہم کرنا زندوں کے لیے آسان نہ تھا۔ طبی لوگ بھی موجود نہ تھے جو ان کی مدد کر سکیں۔ جو چلنے پھرنے یا کم از کم لنگڑاتے چلنے پر قادر تھے ان کے ساتھی ناملائم اور درشت انداز میں ان کی طرف ملتفت ہوتے اور جو بری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ انہیں فوراً زندگی سے چھٹکارہ دلا دیا جاتا جس کی تمنا وہ اپنی آنکھوں کے اشاروں سے ظاہر کرتے۔

قتل و خون کا بھوت اتر چکا تھا جو لوگ پاپیادہ تھے انہوں نے ان دہشت ناک تودوں کے اطراف ایک چکر لگایا تاکہ کوئی بلا ضرورت تکلیف اٹھاتا زندہ نہ رہنے پائے۔ دن کا بقیہ حصہ لارنس اور

پڑتے اور خبروں کے لیے ٹھہرے رہے۔

آٹھ سو آدمی ایسے بچ رہے تھے جو صحیح وسالم اور کام کے قابل تھے۔ان میں کا ہر شخص اس کام کی تکمیل پر خود کو مائل کرتا جس کی ابتداء لارنس نے کی تھی۔ ہر شخص تھک کر چور ہو چکا تھا۔اس لیے ہر نئے کام کے لیے بڑبڑاتا آمادہ ہوتا۔لیکن انہوں نے تہیہ کرلیا تھا کہ وہ لارنس کی پیروی کریں گے جہاں کہیں بھی اس کی قیادت انہیں لے جائے۔

تمام پہاڑیاں آتش زدگی کی زد میں تھیں۔اس لیے لارنس وادی سے باہر بھی نہ نکل سکتا تھا نہ نکلنا چاہتا تھا۔ممکن تھا کہ دشمن کی مرکزی فوج دوسری وادی ہی میں ہو۔اس لیے آگے بڑھنا محض خود کشی کے مترادف تھا۔ بے احتیاطی اس تمام دلیرانہ کام کا خاتمہ کرسکتی تھی جو اس وقت تک انجام کو پہنچایا گیا تھا۔

یہ حالت منتظرہ اور بھی تکلیف دہ ہوگئی تھی اس لیے کہ سب میں یہ احساس پیدا ہو چلا تھا کہ فتح بہت قریب ہے۔لیکن ایک ہی غلط اقدام انہیں دشمن کے راستہ پر پہنچا دیتا۔جس کی محض تعداد کی کثرت انہیں صفحۂ ہستی سے مٹا دیتی۔

رات کی تاریک گھڑیاں آہستہ آہستہ گزر گئیں۔خوف کے سبب آرام حرام ہو گیا تھا۔لیکن علی الصبح مسلسل ایک عرصہ سے کوئی حملہ نہ ہونے کے باعث بجھی ہوئی طبیعتوں میں از سرنو جان سی آگئی۔لارنس نے اپنی سپاہ کو اکٹھا کیا اور کہا کہ حکم ملنے تک اسی جگہ جمے رہیں اور پھر خود دوسرے عہدہ داروں کے ساتھ ڈیرہ کی طرف روانہ ہو گیا۔اگر چہ اس کے مشاہدات بالکل سرسری تھے پھر بھی وہ بھانپ گیا کہ ترکوں کی بقیہ قوت پر آخری زبردست وار کرنے کا وقت یہی ہے۔

چوتھی ترکی فوج جتنی بھی بچ رہی تھی سب ڈیرہ کی اطراف جمع ہوگئی تھی۔ لارنس کے صرف چند سو آدمی اس پر بہت کم اثر انداز ہو سکتے تھے۔لیکن اطلاعیں یہ بھی مل رہی تھیں کہ انگریزی رسالہ Remthe کے قریب پہنچ گیا ہے۔یہ رسالہ جرنیل گری گوری کی سپاہ کا ایک حصہ تھا اور لارنس کی خوش قسمتی تھی جو وہ رسالہ کے توپ خانہ کے کمانڈنگ افسر تک پہنچ سکا۔

جوں جوں وہ انگریزی فوج کے قریب ہوتا جاتا انگریزی زبان میں زور زور سے چیختا جاتا۔ یہ بہت ضروری تھا۔اس لیے کہ وہ اور اس کے ساتھی اس ہیئت کذائی کی حالت میں تھے کہ انگریز سپاہی نا واقفیت کے سبب دشمن جان کران پر گولیاں سر کر سکتے تھے۔

وہ انگریز عہدہ دار کے سامنے جا کر رک گیا جس نے خفگی اور شبہ کی نظر سے اس عجیب الہیت انسان کو دیکھا جو اس کے عہدہ کا احترام ملحوظ رکھے بغیر اس سے گفتگو کر رہا تھا۔

کیا آپ ہی افسر مجاز ہیں؟

اس ناگہانی استفسار میں لفظ "جناب" کو نظر انداز کر دیا گیا تھا۔جس سے عہدہ دار کو فوراً تاؤ آ گیا چند لمحوں تک اس مختصری بحث کا انجام متوازن حالت میں رہا۔لیکن آخر میں لارنس توپ خانہ کے اس عہدہ دار کو یہ یقین دلا سکا کہ لڑائی لڑنے کا یہ طریقہ کار غلط ہے جس کی مثال درسی کتابوں تک سے نہیں مل سکتی پھر بھی توپ خانہ کی یقیناً ضرورت ہے۔

لارنس کی نظر کے سامنے ہی توپ خانہ روانہ ہوگیا۔اور تھوڑی ہی دیر بعد باڑ پر باڑ ماری جانے لگی۔توپ خانہ پر اقتدار پانا لارنس کے نزدیک کوئی جیت نہ تھی۔اب وہ اس منزل پر تھا جہاں پہنچ کر وہ جنگ سے اکتا سا گیا تھا۔وہ ان تمام سفاکیوں سے بھی اکتا گیا تھا جنہیں وہ اب تک دیکھ چکا تھا وہ بیزار ہو گیا تھا اس لیے کہ اس کو وہ بیکار اور ہولناک تباہی کے سوا کچھ نہیں سمجھتا تھا۔

اپنے لوگوں کے مختصر سے گروہ کو پھر حرکت میں لانے کے لیے وہ پلٹ پڑا۔اس نے اپنے ہم عصر عہدہ داروں سے کوئی گفتگو نہیں کی اور تھوڑی ہی دیر میں وہ ڈیرہ کی جانب بڑھے جا رہے تھے پہاڑوں کے جرگے اب "باڑ پر بیٹھنا" چھوڑ چکے تھے۔عرب ترکوں کو بھگاتے جاتے تھے اور ہر وہ شخص جو کسی حال میں بھی لڑ سکتا تھا اپنے قابل نفرت دشمن کی تباہی میں ہاتھ بٹا رہا تھا۔

کہیں کہیں انگریز سواروں کا رسالہ بھی مصروف عمل نظر آتا۔عرب ان فوجوں سے جا ملے اور Derra قتل وخون کا آخری اکھاڑا بن گیا۔بہت دور سے اسپی توپ خانہ کے لوگوں نے دشمن کے مرکزی حصہ پر موت کی بارش شروع کر دی۔دن کے بقیہ حصہ میں ترک اپنے اٹل انجام سے بچنے کی

ناکام کوشش کرتے رہے۔

اندھیرا ہوتے ہی وہ تباہی سے بچ کر بھاگنے لگے۔ لارنس ایک پہلو پر تھا اور نوری ابن سلمان اور ناصر۔۔۔۔دو خون کے پیاسے مہیب عرب شیخ۔۔۔دوسری جانب ان دونوں کے سرگرم چیلے بدنظمی میں گرفتار ظالموں (ترکوں) سے اپنا بدلہ لیتے جا رہے تھے۔

کہیں کہیں علیحدہ طور پر ترکوں کے چھوٹے چھوٹے جتھوں اور چیختے چلاتے قبیلہ والوں کے درمیان لڑائیاں ہو رہی تھیں۔ ترک پہاڑیوں کی گھاٹیوں سے ہوتے ہوئے Mania کی طرف بھاگے۔ لیکن وہاں ان کے لیے ایک دوسرا پھندا تیار تھا۔

لارنس نے اپنے جال بہت عمدگی سے بچھا رکھے تھے گزشتہ مہینوں کے اس کے وہ پھیرے جب کہ اس نے شمالی قبیلوں سے التجائیں کی تھیں کہ اس کا حکم ملتے ہی اٹھ کر دشمن پر ٹوٹ پڑیں اب بار آور ہو رہے تھے۔ ترک جس طرف بھی بھاگیں موت اور بردباری سے انہیں مفر نہ تھا۔

28 ستمبر کو انہیں ڈیرہ سے نکال دیا گیا۔

عربوں کو یاد تھا کہ وہ ترک جنہوں نے تافاس کو مٹا دیا ہے ڈیرہ میں پناہ گزیں ہیں۔ یہ ایک مرکزی بستی تھی اسی مقام سے بہت ساری سفاکیاں بروئے کار لائی جاتی رہی تھیں۔ یہیں پر مہینوں پہلے بعض عرب لیڈروں کو سخت جسمانی سزائیں دی گئی تھیں اور پھانسی پر لٹکا دیا گیا تھا۔

لیکن اب ترک ان کے رحم و کرم کے محتاج تھے یہ جنگ، جنگ کے بجائے چوہے کے شکار سے زیادہ مشابہ تھی۔ اگرچہ لارنس اور اس کے عجلت میں منتخب کئے ہوئے لوگوں کو احکام کی خلاف ورزی میں سفاکیوں کے مرتکب ہونے والے ہر عرب پر گولی چلانے والا بھی قائل نہ تھا پھر بھی عربوں پر قابو پانا لارنس کے بس سے باہر ہو گیا تھا۔

دو تین گھنٹوں تک سرکش قبیلہ والوں نے بستی پر اپنی من مانی لوٹ کھسوٹ جاری رکھی۔

لارنس چند جان بازوں کے ساتھ اس قتل عام کی روک تھام میں سعی کرتا رہا۔ وہ جب کسی گلی میں اپنے آدمیوں کو نشانہ بناتے تو مردوں اور عورتوں کی چیخیں دوسری گلی سے سنائی دیتیں۔

ان شور مچاتے عربوں کے نزدیک ڈیرہ کی بستی پانچ سو سال کی بے رحمی اور لوٹ کھسوٹ کی یادگار تھی۔ اس لیے وہ اس کی تباہی کا تہیہ کئے ہوئے تھے اور زندہ لوگوں اور بے جان گھروں کو توڑ پھوڑ کر رکھ دینا چاہتے تھے۔

آخر کار لارنس نے نظم وضبط قائم کر لیا۔ عربوں کے نزدیک قتل کرنا اور لوٹنا دونوں مساوی حیثیت رکھتے تھے لیکن اس کی سزا بھی موت تھی ان عربوں کو قتل کرنے والے ان کے شیخ ہوتے۔

لارنس دو یا تین برطانوی عہدہ داروں کے ساتھ جو اس کے ارد گرد جمع ہو گئے تھے جرنیل برو کی آمد کا منتظر تھا۔

جب جرنیل برو آ پہنچے تو تعلقات کشید ہو گئے یہاں پہنچ کر انہوں نے وہ بات خود اپنی آنکھوں سے دیکھ لی جس کی خبر انہیں ان کے پیش رو محافظ دستوں نے دی تھی یعنی یہ کہ عربوں کی کثرت کے سبب بستی مخدوش حالت میں تھی۔

اس موقع پر لارنس اور جرنیل برو میں بڑی تند و تیز گفتگو ہوئی جرنیل نے جو کچھ دیکھا اس سے انہیں بڑی گھن آئی اور بڑا صدمہ ہوا خونی عربوں کی زیادتیوں پر انہوں نے لارنس کو درشت لہجہ میں جھڑ کا اور ملامت کی۔

لارنس نے روکھے پن سے بات کاٹتے ہوئے کہا۔

بستی میں بیشتر عرب جو مرے پڑے ہیں وہ میرے ہی ہاتھ سے قتل ہوئے ہیں پہاڑی باشندے یہاں سب سے پہلے پہنچ چکے تھے یہ قتل عام میرے ہی روکنے پر رک سکا۔

اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان دونوں میں ایک دوسرے کی نسبت زیادہ مخلصانہ رجحان پیدا ہو گیا۔ اور اسی وقت جرنیل برد اور ان کے اسٹاف نے مل جل کر کچھ دیر کے لیے اس سے بات چیت کی اگرچہ اب بھی انگریز عہدہ داروں کی اس چھوٹی سی عجیب جماعت اور زبردست لارنس پر۔۔۔ جس کا نام اب فلسطینی سپاہ میں ضرب المثل ہو چکا تھا۔۔ انہیں اچنبھا اور کسی قدر حیرت ضرور تھی۔

شریف مکہ کی فوجیں انگریزی اور ہندوستانی سپاہیوں کے نزدیک ایک نئی چیز تھیں۔ باقاعدہ

دستے متحد اور منظم ہو کر جب منظر عام پر آتے تو واقعی ایک فوج معلوم ہوتے اور لڑائی کی طرف ذہن منتقل کرتے لیکن انہیں کے ایک جانب عرب اور شریفی فوجی ایک بھیڑ معلوم ہوتے۔

16 ''17 دن تک اپنی وضع قطع اور صفائی پر بغیر کسی قسم کا دھیان دیئے وہ برابر سواری کرتے سوتے اور لڑتے رہے تھے ان میں سے بہت سارے تو خون اور پسینے میں سر سے پیر تک شرابور ہو چکے تھے۔ زخمیوں کی مرحم پٹی سیل اور بالون میں سنی ہوئی دھجیوں سے ہوتی تھی جوان کے زخموں کا ایک جزو بن چکی تھی اور مدلل ہوتی ہوئی جلد پر سختی اور مضبوطی سے چمٹ گئیں تھیں۔ ہر شائستہ چیز سے وہ عاری تھے اور سر سے پاؤں تک گردوغبار سے اٹے ہوئے تھے۔ گویا نہ تراشیدہ انسانیت کے میلے کچیلے بنڈل تھے۔ یہ ایسا وحشیانہ مجمع تھا جہاں تک کہ خیال پہنچ سکتا تھا۔ گزشتہ تین ہفتوں تک وہ محض وحشیانہ زندگی بسر کر رہے تھے اور اب بھی وحشی ہی نظر آتے تھے۔ عربوں کے باقاعدہ فوجی دستے شمال میں دمشق کی طرف بڑھ چکے تھے۔ لارنس بھی ڈیرہ کی حفاظت شریف مکہ کی فوج کے ایک دستہ کے سپرد کر کے بعض اور لوگوں کے ساتھ دمشق کی طرف بڑھا۔

ستمبر کی 29 تھی انگریزی سپاہ تیزی سے دمشق کی طرف بڑھی چلی جاتی تھی اس لیے لارنس کو بھی عجلت تھی۔

اس کے اب چند ہی نصب العین ایسے باقی تھے جن کی تکمیل ہونا تھی لیکن ایک چیز جو وہ چاہتا تھا یہ تھی کہ وہ عرب جو عربستان کو ترکوں کے جوئے سے آزاد کرنے کے بطور خاص ذمہ دار تھے سب سے پہلے دمشق میں داخل ہوں۔

عربی جھنڈا سب سے پہلے ٹاؤن ہال پر لہراتا نظر آیا۔ بے قاعدہ عرب افواج اور انگریزی اور آسٹریلیائی فوجوں میں دمشق پہنچنے کے لیے مسابقت ہونے لگی جو بظاہر بے مقصد معلوم ہوتی تھی۔ لیکن لارنس کے عزم کے پیچھے بہت کچھ پوشیدہ تھا۔ اگر عرب دمشق کو پہلے پہنچ جاتے تو یہ اس کی مہم کی آخری فتح ہوتی جس سے تاریخ میں ایک نئے دور کی مہر ثبت ہو جاتی یعنی یہ کہ عربستان کو عربوں ہی نے آزاد کرایا۔

باب نمبر 15

جب وہ دمشق کے قریب پہنچے تو افق پر آگ اور دھویں کے بادل چھائے ہوئے تھے۔دھماکے مسلسل ہو رہے تھے بھاگتے بھاگتے ترکوں نے اپنے چھوٹے بڑے گولہ بارود کے گوداموں میں آگ لگا دی تھی جب مدھم دھماکوں کے ساتھ آگ پھیلتی نظر آتی تو شمال کی طرف پہاڑیوں میں کڑاکوں کا سلسلہ بندھ گیا۔

شہر کے قریب اس شوروغل میں اور اضافہ ہو گیا تھا۔گردونواح کے رہنے والے بعض قصباتیوں اور دیہاتیوں کے غول کے غول لارنس اور اس کے ساتھیوں کے گرداگرد آ کر جمع ہو گئے اور غلامی سے نجات دلانے پر اپنی شکرگزاریوں اور دعاؤں کی بوچھاڑ کر دی۔

جنگ کے آثار پھر بڑھنے لگے پہلے جہاں کہیں کہیں ایک آدھ لاش پڑی نظر آتی تھی وہاں اب کشتوں کے انبار نظر آنے لگے ادھر ادھر پھرتے پھراتے رہنے اور تعجب میں وقت گزاری کا موقع نہ تھا۔دمشق کا شہر جس کو عربوں اور لارنس دونوں نے اپنی منزل مقصود قرار دیا تھا سامنے واقع تھا۔

30 ستمبر صبح کے سات بجے لارنس اپنی منزل مقصود کو جا پہنچا۔وہ اور اس کے ساتھی جب سوار ہو کر شہر سے گزرے تو ان کا پرجوش خیر مقدم کیا گیا۔شامی،عیسائی،عرب سبھی چیخ رہے تھے اور نعرے لگا رہے تھے۔گھروں کی چھتوں سے پھول نچھاور کئے جانے لگے عورتیں،سواروں کے اس چھوٹے سے دستے پر جو گلیوں میں گھوڑے کداتا پھر رہا تھا،کھڑکیوں سے عطر اور غازہ پھینکنے لگیں عرب اللہ کا شکر ادا کرتے تو دوسرے گاڈ (خدا) کا اور وہ جو خدا نہ رکھتے تھے صرف خوشی سے نعرے لگاتے۔

ناصر اور نوری یہ دونوں شریف پہلے ہی شہر میں داخل ہو چکے تھے اور جب لارنس سوار ہو

کرٹاؤن ہال پہنچا تو آسٹریلی روشنی گھر کے بعض لوگ ٹہلتے نظر آئے اس نے ہال کے اوپر جونگاہ دوڑائی تو کوئی چیز اسے ایسی نظر آئی جس نے اس میں ایک عجیب جذبہ کو بیدار کر دیا وہ ششدر رہ گیا۔ یہ حیرانی اس لیے تھی کہ اس جذبہ کو دوبارہ محسوس کرنے کی اسے توقع نہ تھی۔

عربوں کا جھنڈا ٹاؤن ہال پر لہرا رہا تھا اور جب وہ اندر گیا تو معلوم ہوا کہ حالات دراصل وہ نہیں ہیں جو بظاہر نظر آتے ہیں۔

عبدالقادر اور اس کا بھائی یہ دو عرب تھے جنہوں نے ہمیشہ ترکوں کی حمایت کی تھی اور اپنی جاسوسی اور دروغ بیانی سے لارنس کے کام میں روڑے اٹکاتے آئے تھے۔ اب انہیں یہ جرات ہوئی کہ دمشق پر قابض ہو جائیں اور ''اقوام عرب کے نام پر'' اپنی گورنری کا اعلان کر دیں۔

لارنس بغیر کسی تامل کے ان کے دفتر میں گھس پڑا اور ہال کے باہر لا کر ان دونوں غداروں اور ان کی حمایت کرنے والوں کو باندھ کر صحیح معنی میں گٹھر بنائے اور خود اپنے مختصر سے باڈی گارڈ کے کھلے ہوئے رائفلوں اور روالوروں کے سائے میں انہیں فوراً وہاں سے ہٹا لے گیا۔

باہر جو مجمع کھڑا تھا اس کا رجحان بھی کسی قدر غیر یقینی اور مشتبہ تھا۔ عبدالقادر پہلے ہی اس بات کی تشہیر کر چکا تھا کہ عربوں نے دمشق کو فتح کر لیا ہے اور خود اسکی ہزیمت قطعی اور یقینی ہے یہ ایک خطرناک وقت تھا۔ لیکن لارنس نے بھی کوئی غلطی نہیں کی چند دھاکوں نے چوک کو بالکل صاف کر دیا تھا لارنس نے ہاچ کس اور ورکز بندوق باز وہاں متعین کر دیے اور ایک صحیح لیکن عارضی شریفی حکومت کی نیو شہر میں ڈال دی۔

23 مہینے پہلے جنوبی عربستان کے دور دراز فاصلہ پر اس نے فیصل سے کہا تھا۔

''دمشق تو بہت فاصلہ پر ہے۔''

یہ دور دراز فاصلہ بہت ہی پر خطر تھا 500 میل لمبے محاذ جنگ پر مورچوں کے سلسلہ کو یکے بعد دیگرے تباہ کر دیا گیا یا بیکار کر دیا گیا تھا۔ عربوں کے قبیلوں کو آپس میں متحد رکھا گیا تھا۔ عرب ایک قوم بن چکے تھے ترکوں کی قوت توڑ دی گئی تھی۔

تقریباً نا قابل برداشت مزاحمتوں کو سر کرتا۔ غیر تربیت یافتہ' ناتراشیدہ خونی غنڈوں کو تربیت یافتہ سپاہیوں سے لڑاتا۔ برطانوی فوجی ارباب اقتدار کے طنز و تشنیع کا ہدف بنتا۔ لارنس اپنے اس مقصد میں کامیاب ہو چکا تھا جس کا کہ اس نے وعدہ کیا تھا۔

اس پر جو کچھ بھی بیتا پڑ چکی ہو وہ ملک عرب کو ایک قوم تو بنا چکا تھا۔ اپنی واقعی فوج کے ساتھ جو ایک ہزار سے بھی کم لوگوں پر مشتمل تھی۔ اس نے تاریخ عسکریت کی ایک انتہائی عجیب اور نادر مہم انجام کو پہنچائی۔

ان لوگوں نے 5 ہزار ترک قتل کئے۔ 8 ہزار کو قید کیا۔ تقریباً 20 مشین گنیں اور 25 سے 30 تک توپیں ہتھیائیں اور 13 طیارے ہتھیائے۔

عربوں کی با قاعدہ افواج کے مجروح و مقتول کل ملا کر کم و بیش 120 تھے۔ ترکوں کی قوت پوری طرح اور قطعاً ٹوٹ چکی تھی اور یہ لارنس کا منصوبہ ہی تھا جو ان کی تباہی کا موجب بنا۔

دمشق کے ابتدائی جشن جب ختم ہو چکے تو لارنس نظم و ضبط قائم کرنے کی طرف متوجہ ہوا۔ عبدالقادر کی کارستانیوں نے بہت سے باشندوں کو ڈانواں ڈول کر دیا تھا اور اب پھر وہ اپنی قدیم نسلی رقابتوں کی طرف لوٹ رہے تھے۔ مختلف قبیلوں کے عربوں نے جب دیکھا کہ تسخیر دمشق کا کام تکمیل کو پہنچ چکا ہے تو انہیں یاد آنے لگا کہ ان کے بعض اپنے نسلی مناقشے ابھی شرمندۂ تکمیل ہیں۔ دمشق کی کئی گلیوں میں لڑائی پھر شروع ہو گئی۔ عیسائی عربوں سے لڑ رہے تھے عرب اقان چند ترکوں سے لڑ رہے تھے جو باقی بچ رہے تھے اور وہ شامی باشندے جن کی ہمدردیاں فرانس کے ساتھ تھیں ان سب کے خلاف تھے کم و بیش 24 گھنٹوں تک دمشق کی بستی لڑنے والے جتھوں کا ایک زبردست اکھاڑ بنی رہی جس کے سبب پھر ایک دفعہ لارنس کو اپنا ارادہ ان پر عائد کرنا پڑا۔ بندوق بازوں کے چھوٹے سے گروہ کی مدد سے اس نے اپنے "قانون" کو دمشق کا قانون بنا ڈالا۔

لیکن خود دمشق کی بستی ایک وحشت ناک حالت میں تھی۔ گلیوں میں کشتوں کے انبار لگے تھے۔ دواخانے مردوں ٖاور مرنے والوں سے بھر گئے تھے۔ تمام دن گاڑیاں پتھر بچھے ہوئے راستوں پر

گھڑ گھڑاتی ہوئی گزرا کرتیں جن میں لاشیں بستی سے باہر کھلے میدان میں لے جائی جاتیں۔

اس کے بعد لارنس دواخانوں کی طرف متوجہ ہوا۔ یہ نہایت ردی حالت میں تھے۔ تمام کمرے بھرے ہوئے تھے۔ لوگ بستروں پر اور زمین پر مرے اور مرتے پڑے تھے۔

ڈاکٹر صرف دو یا تین باقی رہ گئے تھے۔ باقی سب مریضوں کو اپنی قسمت پر چھوڑ کر ترکوں کے ساتھ بھاگ گئے تھے جو کچھ غذا تھی وہ ناقص تھی۔ پانی نجس اور ناپاک تھا۔ حالات کو اس حد تک بہتر بنانا ناممکن نظر آتا تھا کہ زخمیوں کو کم از کم زندگی کے لیے جدوجہد کرنے کا موقع مل سکے۔

یہ ایک عجیب وغریب منظر تھا لارنس کو اتفاق سے صاف ستھرا لباس میسر آ گیا تھا۔ لیکن جب وہ دواخانہ کے کمروں میں آیا گیا تو اسے معلوم ہوا کہ مرض و مصیبت کی اس ہولناکی میں اس کے بالکل سفید لباس کے لیے کوئی جگہ نہیں ہے۔ رضا کاروں کی ایک جماعت کے ساتھ اس نے مردے ہٹانے شروع کیے۔ گاڑیوں میں بھر کر انہیں ان وسیع اور گہرے خندقوں تک لے جایا گیا جو بستی کے شمال میں دامن کوہ میں اتنی تیزی سے کھودے جا رہے تھے۔ کہ جوں ہی ایک بھر کر پاٹ دیا جاتا دوسرا کھد کر تیار ہو جاتا۔

بعد ازاں برشوں اور بیلچوں کی باری آئی۔ جھاڑ کی گندگی یکجا کی گئی۔ جن کے ڈھیر لگ گئے۔ ان کو فوراً ہٹا لے جا کر جلا دیا جاتا یا متعدی جراثیم اس حد تک دور کیے جاتے کہ ان سے کوئی خطر باقی نہ رہتا۔

ابتری رفتہ رفتہ نظم ونسق میں تبدیل ہوتی جا رہی تھی۔ اس کے بعد ان لوگوں کو بچانے کا کام نہایت تیزی سے شروع ہو گیا جن میں کچھ رمق حیات باقی تھی۔

13 اکتوبر کو جرنیل الن بائے آن پہنچے۔ یکم اکتوبر کو حکومت برطانیہ کی طرف سے انہیں یہ اختیار مل چکا تھا کہ عربوں کے اپنا جھنڈا نصب کرنے کے عمل کو تسلیم کر لیا جائے عربی سپاہ سے وہ یہی کہنے کے لیے دوڑے چلے آ رہے تھے۔ جرنیل الن بائے کے نزدیک یہ چیز عربوں کی عزت بخشی کے مترادف تھی لیکن دن ڈھلنے پر جب فیصل آ داخل ہوا اور جس کی آمد کم وبیش سرکاری داخلہ کا حکم رکھتی تھی تو

لارنس اور جرنیل کو یہ سمجھنے میں کچھ دشواری سی پیش آئی کہ آخر اتحادی عربوں کو جانشینی کی اجازت دینے کے باب میں اتنے مہربان کیوں ہیں۔

لارنس، فیصل اور عرب دو سال سے صرف ایک مقصد کی خاطر لڑ رہے تھے۔ یعنی عربستان کو ترکوں سے صاف کرنے اور دمشق کو فتح کرنے کے لیے لیکن جرنیل النبی کی توثیق سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ فتح کے بعد ان سے گویا یہ کہا جا رہا ہو کہ تم نے خوب کام کیا جس کا تمہیں کچھ انعام ملنا چاہیے۔

بہر حال یہ مجلس جلد ہی ختم ہو گئی اور اس عجیب و غریب سرکاری پیام سے دلوں میں جو شبہات پیدا ہو گئے تھے انہیں بھلانے کی خاطر لارنس اور فیصل نے شہر کا ایک دورہ کیا۔

سب سے پہلے سلطان صلاح الدین ایوبی کے مزار پر حاضری دی گئی جو محاربات صلیبی کا ایک زبردست جنگجو گزرا ہے۔ 1908ء میں جب قیصر جرمنی دمشق پہنچا تو بڑے تزک و احتشام اور تکلف و اہتمام کے ساتھ صلاح الدین ایوبی کے مقبرہ پر جھنڈا نصب کیا اور کاسنی رنگ کا ایک ہار مزار پر چڑھایا جس پر کندہ تھا۔

''ایک زبردست شہنشاہ کی طرف سے دوسرے زبردست شہنشاہ کے لیے۔''

جھنڈا اور ہار ہٹا لیا گیا۔ عہد حاضر کا شہنشاہ دنیا کے کوڑے کرکٹ کے انبار کو روندتا ہوا گزر رہا تھا۔

••••••••••••••••••••••••••••••••

باب نمبر 16

30 اکتوبر 1918ء کو ترکوں نے اتحادیوں کے پیش کیے ہوئے شرائط صلح قبول کر لیے اور اس کے عین بعد 11 نومبر 1918ء کو التوائے جنگ کا اعلان ہو گیا۔ جس وقت اعلان ہوا ہے لارنس اپنی فتح مندیوں کے مقاموں سے ہٹ چکا تھا اور انگلستان میں مقیم تھا۔ صلح کی گفت وشنید میں شرکت کے لیے وہ پیرس روانہ ہوا۔ جہاں وہ زمانہ جنگ کے لیے کیے ہوئے وعدوں کی ایفاء کے لیے وہ لڑائی لڑتا رہا جس میں اس کو ہار یقینی نظر آتی تھی۔

گزشتہ دو سال میں لارنس نے عربستان اور اتحادیوں کے فوجی صدر مقام سے جو لڑائیاں لڑی تھیں یہ جان کر لڑیں تھیں کہ جن وعدوں کے ذریعہ عربوں کی مدد حاصل کی گئی ہے ان میں سے چند ہی پورے کیے جائیں گے حتیٰ کہ اس وقت بھی جب کہ حکومت برطانیہ نے بادشاہ حسین سے بعض وعدے کیے تھے اتحادی اس کا تصفیہ کر چکے تھے کہ اگر جنگ میں انہیں فتح نصیب ہو تو سلطنت ترکیہ Turkis Empire کی بابت کیا عمل ہو گا۔

حسین اور اس کے عرب اس طفلانہ سادہ لوحی کی بناء پر لڑتے رہے کہ اگر اتحادیوں کی جنگ میں فتح ہو جائے تو سارا عربستان شمال سے جنوب تک ایک سلطنت (ایمپائر) بن جائے گا۔ لیکن عین اس وقت جب کہ عربوں سے سلطنت کا وعدہ کیا جا رہا تھا اٹلی، فرانس، یونان، حتیٰ کہ روس تک کا اس نقشہ پر اتفاق ہو چکا تھا جس میں سلطنت ترکیہ کے بہترین حصے ان ملکوں میں بانٹ دیئے گئے تھے اور عربوں کو خود ان کے ملک کی مقاومت کے صلہ میں عربستان ہی کا ایک تنگ قطعہ دے دیا گیا تھا۔

اس تمام دوران میں جب کہ لارنس منتشر عربوں کو متحد رکھنے کی چالیں چلتا رہا اور منصوبہ بندی کرتا رہا تھا اور انہیں ایسی طاقتور قوت بنا رہا تھا جس نے ترکوں کا شیرازہ بکھیر دیا وہ یہ بھی جانتا آیا تھا کہ سیاست دانوں نے اس کے لیے ایفائے عہد کو ناممکن بنا دیا ہے اور نہ حکومت برطانیہ ہی بادشاہ حسین

سے کئے ہوئے ابتدائی وعدوں کی تکمیل کی جرات کر سکتی ہے۔

1919ء کی صلح کانفرنس لارنس کی مایوسی اور شکستہ دلی کی آخری جلوہ گاہ تھی۔ جو جو شبہے تھے ظاہر ہو کر رہے۔ اور فیصل کو یہ سننا پڑا کہ چونکہ برطانیہ اپنے بزرگ تر اتحادیوں سے وعدہ کر چکا ہے نیز اس لیے بھی کہ عربستان کے متعلق برطانوی ارباب اقتدار کی کوئی پالیسی نہیں ہے لہذا عربوں کو بجائے حقیقت کے محض پرچھائیوں پر قناعت کرنی ہوگی۔ انہیں اپنے ابتدائی خواب ہی پر نہ کہ اس کی تکمیل پر مطمئن رہنا ہوگا۔

صلح کی گفت وشنید میں لارنس کی شخصیت کو مرکزی اور رومانوی حیثیت حاصل رہی اس نے اس بات کی کوشش کی کہ فیصل کو "مال غنیمت" کا ایک معتد بہ حصہ ملے۔

کسی خالص اہم معاہداتی اعلان پر فیصل کی رفاقت میں اس نے جو بحث کی تھی اس کی سرگزشت اس نے کہیں بیان کی ہے اس کا بیشتر حصہ خود اسی کی اپج کا نتیجہ تھا۔

ہمیشہ کی طرح لارنس کی ہر تجویز کو فیصل محض سن لینے پر قناعت کرتا اور ہر پیش کئے ہوئے طریق کار سے اتفاق کرتا جاتا۔

کانفرنس میں فیصل نے شاہانہ تزک واحتشام اور پر تجمل انداز میں کھڑے ہو کر تیزی سے لیکن گونجتی ہوئی آواز میں جوشیلی تقریر کی جس کو لارنس اور دوسرے دو تین عربی کے ماہروں نے اچھی طرح سمجھ لیا کہ وہ قرآن پاک کی سورتیں تلاوت کر رہا تھا۔

اس کے بعد لارنس نے پر سکون اور ہموار لہجہ میں فیصل کے خطاب کو دنیا کے سیاست دانوں کے سامنے ایک پر جوش التجا کا جامہ پہنا کر پیش کیا۔ جس میں شریفوں کے ان تمام کارناموں کا احاطہ کیا گیا تھا جو وہ زبردست اور عظیم الشان اتحادیوں کی آمد میں انجام دے چکے تھے نیز یہ کہ اتنی ایمانداری اور خوش اسلوبی سے خدمت انجام دینے کے صلہ میں وہ کس انعام کی توقع رکھتے تھے لیکن یہ سب زبانی جمع خرچ تھا اور جب فیصل قیام سلطنت عرب میں ناکامی کی خبر اپنے ہم وطنوں کو سنانے کے لیے لوٹا تو وہ یقیناً یہ تاثر بھی اپنے ساتھ لیتا گیا کہ عربوں کی اس ہزیمت کا باعث خود لارنس ہے اس لیے کہ اس نے

بہت بڑھ چڑھ کے وعدے کیئے جن کا پورا کرنا اس کے اختیار سے باہر تھا لہٰذا وہ سب کچھ کھو بیٹھا۔

لارنس کی مصیبت یہ تھی کہ ایک ڈپلومیٹ کی حیثیت سے وہ اپنی عزت کے بارے میں بہت زیادہ حساس واقع ہوا تھا۔ بحیثیت مجموعی اتحادیوں کے مقصد سے اس کی وفاشعاری نے اس کے لیے یہ ممکن بنا دیا تھا کہ بغاوت عرب کو کامیابی کے ساتھ انجام کو پہنچائے۔ شریفی اس لیے لڑے کہ اس لڑائی کا انعام انہیں سلطنت کی شکل میں نظر آ رہا تھا۔ لارنس اس حقیقت کو خوب اچھی طرح جانتے ہوئے لڑا کہ سلطنت سراب سے زیادہ حقیقت نہیں رکھتی تھی۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ عربوں پر جب حقیقت منکشف ہو جائے تو وہ اس کو جھوٹا اور غدار سمجھیں گے۔

اس جنگ پاس داری Fight for favour کا سب سے زیادہ طاقتور حریف فرانس تھا۔ چنانچہ شام پر اپنا حق تسلیم کرانے کی اس کی مستقل جدوجہد کا نتیجہ یہ ہوا کہ اگست 1920ء میں فیصل کو دمشق سے نکل جانا پڑا۔

اپنی فطری مستقل مزاجی سے کام لے کر لارنس نے پھر ایک دفعہ کوشش کی کہ دمشق کی فیصل کی پر آشوب حکومت کا کچھ معاوضہ اس کو مل جائے جو ایک ایسا انعام ہو جس سے عربوں کی نگاہ میں فیصل کی توقیر قائم رہے اور کسی نہ کسی صورت سے خود لارنس کا تخت و تاج دلانے کا وعدہ کسی حد تک پورا ہو کر رہے۔

1921ء میں جب فلسطین اور میسوپٹیمیا پر برطانوی وزارت خارجہ کا اقتدار قائم ہو گیا تو مسٹر ونسٹن چرچل نے لارنس سے پوچھا کہ کیا وہ ان ممالک کے نظم و نسق میں ان کی کچھ مدد کر سکتا ہے اور اسی زمانہ میں جب کہ لارنس مشیر کی حیثیت سے کام کر رہا تھا وہ فیصل کو عراق کا بادشاہ بنانے میں کامیاب ہو سکا۔

اس اثناء میں لارنس آکسفورڈ واپس ہو کر اپنا لکھنا پڑھنا شروع کر چکا تھا۔ وہ بغاوت عرب کا پہلا مسودہ لکھنے میں مصروف تھا اس کا بیشتر وقت آکسفورڈ ہی میں گزرتا۔ لیکن وہ کبھی گفتگو پر آمادہ نہ ہوتا۔ کبھی کبھی اخباروں کے لیے بھی لکھتا لیکن اب بھی وہ جنگ کی اگلی ہوئی ایک پر اسرار شخصیت ہی

رہا۔

لارنس اپنے ملک کی قدر دانی سے بھی محروم نہیں رہا۔ ''غیر معمولی خدمت'' کے صلہ میں اس کے لیے انعام موجود تھا۔ لیکن اسے صلہ وانعام کی ضرورت نہ تھی بالخصوص ایسی صورت میں جب کہ شدت سے اس کو اس بات کا احساس تھا کہ وہ مقصد جس کے صلہ میں یہ دیئے جا رہے ہیں پوری طرح ناکام رہ چکا تھا۔

کسی نہ کسی بہانہ سے اس نے یہ بات گوش گزار کردی کہ وہ ان اعزاز کو قبول کرنا مناسب نہیں سمجھتا جن کے لیے وہ نامزد کیا گیا ہے اور جب وہ بادشاہ سلامت کے روبرو پیش ہوا تو اس نے ایک ایسا اقدام کیا جس کے لیے بہت بڑی اخلاقی جرات کی ضرورت تھی۔ غالباً اس سے بھی بڑی اخلاقی جرات کی ضرورت تھی جو اس نے زندگی کے دوسرے مسائل میں برتی تھی۔

دبی زبان سے اس نے بادشاہ سلامت سے کہا کہ ''اعزاز واکرام کی بخششوں کو قبول کرنے سے انکار کردینا ہی اس پر لازم تھا۔ وہ نصب العین جن کے لیے وہ لڑتا رہا پورے نہ ہوسکے۔ وہ وعدے جو اس نے اپنے ملک کی طرف سے کئے تھے توڑ دیئے گئے اس لیے اس چیز کو صلہ میں جس کو وہ ناکافی سمجھتا ہے اعزاز واکرام کا قبول کرنا اس کے لے ناممکن ہے۔''

اپنے ملک کی جو خدمات اس نے انجام دی تھیں اس کا آخری عدم اعتراف یہ تھا کہ بغاوت عرب کی سرکاری رپورٹوں سے لارنس کا نام نہایت ہوشیاری سے نظر انداز کردیا گیا۔

اور ترکی افواج کو شکست دینے اور تباہ کرنے کی نیک نامی اعلیٰ عہدہ داروں کے حصہ میں آئی۔ صلح کانفرنس میں جس حیلہ جوئی سے کام لے کر عربوں کے حقوق سے بے اعتنائی برتی گئی تھی اس نے ایک طرح کی نفرت اس میں پیدا کردی تھی اور فیصل اس بدگمانی کے ساتھ اپنے ملک کو لوٹا کہ عرب گویا ''بیچ دیئے گئے۔''

لوٹ کی تقسیم میں بڑے بڑے اتحادیوں کی ''شریفانہ'' بحث وتکرار نے اس کی کامیابی کو مکمل ترین ناکامی میں تبدیل کردیا۔ گویا ایک مشرقی تشبیہ کے مطابق ''اس کا منہ کالا ہو چکا تھا۔'' باالفاظ دیگر

یہ کہ اس کی ہتک ہوئی تھی اور اس ہتک میں اس کے ساتھ اس کے تمام عرب ساتھی بھی شریک تھے۔

بلا شبہ لارنس بڑی سے بڑی قدر و منزلت کا مستحق تھا جو ملک کی طرف سے پیش کی جا سکتی تھی۔ لیکن خود اس کے اونچے معیار کے لحاظ سے اس نے محسوس کیا کہ بالآخر وہ ناکام ہو چکا ہے اور جب اس نے اپنے تمغے بادشاہ کے ہاتھ میں رکھ گئے تو ساتھ ہی اپنا دروازہ آخری دفعہ اس قطعیت کے ساتھ بند کر لیا کہ دشمن کو شکست دینے میں اس کے کارناموں کی بابتہ سرکار برطانیہ کی شکر گزاری کی بھنک تک اس کے کان تک نہ پہنچ سکے۔

پھر ایک امریکی نے ایک حد تک اپنے اس غلط خیال کے ماتحت کہ ''لارنس کی عظمت کو دنیا پر آشکار کرے'' 1920ء میں کوونٹ گارڈن تھیٹر میں کچھ عرصہ کے لیے عربستانی اور فلسطینی لڑائیوں کا فلم بناتا رہا۔ جس کو واقعی بڑی ہوشیاری سے ترتیب دیا گیا تھا اور جس میں لارنس کی مہم کو مرکزیت حاصل تھی۔

عقبہ اور اس کے آس پاس 15 روز تک کام کر کے اس نے ایسا غیر معمولی اور رنگین فلم تیار کر لیا جس کی لندن میں دھوم مچ گئی۔

کوونٹ گارڈن تھیٹر ہر رات کھچا کھچ بھری رہتی اور نتیجتہً اخباروں نے ''عربستانی لارنس'' یا بقول امیریکی فلم ساز کے ''عربی شہزادہ بے تاج'' کی تلاش شروع کر دی۔

اگر لارنس کو پبلک زندگی سے نفرت تھی تو اس سے کہیں زیادہ نفرت اسے اپنی تشہیر سے تھی۔ لہذا اس معاملہ کو بلا ضرورت جو اہمیت دی جانے لگی تو اسے بڑی نفرت ہونے لگی۔

آخرکار 1922ء میں شاہی ہوائی فوج میں راس کے نام سے بھرتی ہو کر اس نے اپنی پردہ داری کی کوشش کی اور چند ہفتوں تک وہ واقعی خوش بھی رہا۔ یہاں اس کی حیثیت معمولی سپاہی کی تھی۔ دوران جنگ میں وہ جس بے سلیقگی سے عہدہ دار کی وردی پہنا کرتا تھا۔ اور جس سے تنگ آ کر فوجی ارباب اقتدار نے اس کو نظم و ضبط کے اصولوں کے سانچہ میں ڈھالنے کی کوشش تک ترک کر دی تھی، وہ اب بھی باقی تھی۔

جنوری 1923ء میں ایک عہدہ دار نے جس نے دوران جنگ میں مشرق میں خدمت انجام دی تھی آکس برج کیمپ Ux-Bridge Camp کا چکر لگاتے وقت لارنس کو تاڑ گیا۔ لارنس میں کوئی بات ایسی تھی جس سے اسے موہوم سی واقفیت معلوم ہوتی تھی اس لیے متعلقہ دفتر میں اس کی کیفیت دریافت کی۔ دفتری مواد کے مطابق وہ ''ہوا باز راس'' تھا۔

راس؟ عہدہ دار نے اپنا سر ہلایا۔ یہ نام اس تصویر میں ٹھیک نہیں بیٹھا تھا جو اس نے اپنے دماغ میں بنائی تھی۔ دو تین دن تک چوری چھپے وہ اس کو دیکھتا رہا اور اس پہیلی کو بوجھنے میں لگا رہا۔

راس کو جب وہ آنکھیں زمین پر جمائے سر ایک طرف کو جھکائے اور ہاتھ بے پروائی سے ایک طرف کو باندھے کھڑا دیکھتا تو گزرے ہوئے واقعات کی یاد تازہ ہو جاتی۔

یکا یک نام عہدہ دار کے ذہن میں آ گیا۔ راس دراصل کرنل لارنس اعظم ہی تھا۔ اس میں اس کی غایت کچھ ہی رہی ہو اس نے یہ اطلاع پریس تک پہنچا دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ اخبار نویس، نامہ نگار اور فوٹو گرافر آکس برج کی چھاؤنی کے لیے اتنے وبال جان ہو گئے کہ ہوائی فوج کے ارباب اقتدار کو اس صورت حال کے خاتمہ کے لیے لارنس کو خدمت سے علیحدہ کرنے پر مجبور ہونا پڑا۔

لارنس کے احتجاج کے باوجود اس کی برطرفی عمل میں آ کر رہی اور تاک جھانک کرنے والے اخباری لوگوں سے اسے ایک مہینہ تک چھپا رہنا پڑا۔

مارچ میں وہ فوجی اعلیٰ ارباب اقتدار کی مدد کا جویا ہوا اور ان ہی کے اثر سے ٹینک کور میں اس دفعہ شا کے نام سے بھرتی ہو گیا۔

اس کا بھرتی ہونا ایک معمولی واقعہ تھا۔ ٹینک کور کے لوگ اس کی پذیرائی کے وقت بے خبر ہی رہے کہ یہ وہی کرنل لارنس ہے جس کی اتنی تلاش ہو رہی ہے۔ لارنس یہ وعدہ لے چکا تھا کہ اگر وہ ٹینک کور میں بغیر وقفہ کے دو سال تک کام کرتا ہے تو دوبارہ اسے شاہی ہوائی فوج میں شامل کر لیا جائے گا۔

کچھ عرصہ تک بوونگ ٹن چھاؤنی کے ٹینک کور میں ''شا'' کی زندگی فوج کے ایک گمنام فرد کی

طرح گزری۔ لیکن اس کے بعد وہ خود اپنی خصوصیتوں کے سبب سب کا مرکز نظر بننے لگا۔

وہ قواعد پریڈ جو حتیٰ کہ کوارٹر ماسٹر کے لڑکے کو بھی کرنی پڑتی ہے لارنس اس میں بھی غیر حاضر رہتا۔

معلوم ہوتا ہے کہ اس نے ایک مستقبل اجازت نامہ حاصل کرلیا تھا جس کی موجودگی میں اس کو ہر روز شام میں کیمپ سے رہائی مل جاتی تھی۔ وہ دن کا کام ختم کر کے اپنی موٹر سائیکل پر اودل کی سڑک سے ہوتا ہوا ایک نامعلوم منزل مقصود کی طرف روانہ ہو جاتا۔

''شا'' کھانے کے کمرے میں کبھی نہ آتا اور نہ باقاعدہ وقت پر کوئی مقررہ غذا کھاتا۔ شاید اس کا قیاس تھا کہ اس کی مختصری غذا چھاؤنی سے ملحق شہریوں کی کسی کینٹین Canteen سے بھی مل سکتی ہے۔ وہ ہمیشہ پھل خریدتا رہتا۔

ایک دوسرا اہم واقعہ جو کسی چھاؤنی میں بھی افواہوں کا مرکز اس کو بنانے کے لیے کافی تھا یہ تھا کہ وہ کبھی تنخواہ لینے بھی نہ آیا۔

رفتہ رفتہ وہ پھر توجہ کا مرکز بننے لگا کرخت آواز میں لوگ سرگوشیاں کرنے لگے کہ ''شا'' وہی کرنل لارنس ہے۔ لیکن وہ اپنی وردی میں کچھ اس طرح سکڑ اسمٹا رہتا کہ وہ لوگ بھی جن کے پاس اس کی اخباری تصویریں تھیں یقین ہی نہ کر سکتے تھے کہ یہ دونوں وہی اور ایک ہی شخص ہیں۔

سپاہیوں کی محفل طعام سے بڑھ کر یہ 'راز' عہدہ داروں کی محفل طعام تک جا پہنچا۔ بالآخر ''شا'' کے متعلق شرطیں باندھی جانے لگیں۔

اس کا پورا ثبوت نہیں ملتا کہ آیا وہ اس دلچسپی سے قطعاً بے پروا رہا جو اس کے متعلق کیمپ میں پیدا ہو چلی تھی یا کسی مصلحت اندیشی کے سبب اس کو ٹال گیا۔ غالباً اعلیٰ ارباب اقتدار نے ان افواہوں کو سنا اور سن کر یہ کیا کہ موثر اور باضابطہ طریقہ پر اس کو خدمت سے موقوف کر دیا۔

••••••••••••••••••••••••••••••••

باب نمبر 17

لکھنا پڑھنا اور سائیکل رانی اب شا کے معمولات تھے۔ اس کی تعطیل کا مختصر زمانہ مشہور ناول نگار تامس ہارڈی کے ساتھ گزرا۔ اور 1923ء کے کرمس کے دنوں میں اس نے مسٹر برنارڈ شا اور ان کی بیوی کے ساتھ مسٹر ہارڈی کے ہاں کھانا کھایا۔ دونوں 'شاؤں' کو اپنی سیرتوں میں ایک دوسرے سے کوئی مناسبت نظر آئی ہوگی۔ ان میں دوستی بہت جلد قائد ہوگئی اور بہت تیزی سے باہمی توقیر واحترام کی حد تک ترقی کرگئی۔ جس کے باعث لارنس کی فوجی طرز زندگی کی یکسانی بڑی حد تک دور ہوتی رہی۔

اگست 1925ء میں اس نے شاہی افواج میں اپنی تبدیلی کا انتظام کرلیا جس کے درپے وہ ایک عرصہ سے تھا۔ وہ اب خود کو پوشیدہ رکھنے کی کوشش ترک کرچکا تھا۔

لارنس کے مرنے سے دنیا کا ایک بہترین انجینئر اٹھ گیا۔ شاہی ہوائی فوج میں جب وہ تھا تو انجنوں سے اسے حقیقی لگاؤ رہا اور جب کبھی اس کا اختراعی دماغ ان انجنوں پر مصروف کار نہ ہوتا تو وہ اپنی موٹر سائیکل یا ان مشینوں کی طرف رجوع ہوتا جس پر اس کو کام کرنا ہوتا۔

انجن کو ہمیشہ الٹتا پلٹتا رہتا تاکہ انتہائی تیز رفتار حاصل ہو سکے۔ اسی طرح رفتار کے تیز سے تیز ہوجانے سے وقت میں تبدیلی کرتا رہتا۔

رفتار کی تیزی میں اس کو ایک ایسی سنسنی محسوس ہوتی جو اسکی روح کے لیے ایک گہرے اطمینان کا باعث ہوتی۔ اس کو انتہائی مسرت جب حاصل ہوتی جب دن کا کام ختم کر کے وہ سنسان سڑکوں اور شاہراؤں پر موٹر سائیکل پر سوار اس تیز رفتاری سے روانہ ہوتا کہ موٹر سائیکل کی بڑھتی ہوئی

جھنجھناہٹ کا نغمہ صرف اسی کو سنائی دیتا۔اور جس سے اس کو انتہائی انس ہوتا اور یہ نغمہ قوت رفتار کا نغمہ ہوتا۔

اس کی فرصت کا سارے کا سارا وقت ڈارسٹ میں گزرتا اور شاید ہی کوئی دن ایسا ہوتا ہو کہ مسٹر ہارڈی اور ان کی بیوی سے اس کی ملاقات نہ ہوتی ہو۔ٹامس ہارڈی کو بھی لارنس کی آمد کا انتظار رہتا لیکن ان کی آخری ملاقات کسی قدر المناک تھی۔

ہارڈی کی صحت ٹھیک نہیں رہی تھی۔نومبر 1926ء میں لارنس ہندوستان روانہ ہونے سے قبل جب ہارڈی سے ملنے گیا تو انہوں نے بڑے تپاک سے اس کو خدا حافظ کہا۔اپنے دوست کو موٹر سائیکل پر روانہ ہوتا دیکھنے کے لیے ہارڈی اپنی جھونپڑی کے برآمدے میں نکل آئے مشین بہت دشواری سے اسٹارٹ ہوتی تھی۔ جب انہیں کھڑے کھڑے چند لمحے گزر گئے اور اس وقت بھی لارنس پاؤں کے جھٹکوں سے مشین کو چالو کرنے کی کوشش کرتا رہا تو مسٹر ہارڈی شال لینے اندر گئے عین اسی وقت لارنس جس کو مسٹر ہارڈی کی صحت کا خیال لگا ہوا تھا اس اندیشہ سے کہ مسٹر ہارڈی کے ٹھہرے رہنے سے ان کی صحت کو نقصان پہنچے گا موٹر سائیکل کے اسٹارٹ ہوتے ہی روانہ ہو گیا۔

ہارڈی نے دیر کر دی تھی۔اس لیے اسے جاتا ہوا نہ دیکھ سکے اور اس خیال سے انہیں تکلیف ہوئی کہ یہ الوداعی ملاقات دفعتہً ہوئی۔

دسمبر میں لارنس ہندوستان روانہ ہوا اور کچھ عرصہ کے لیے کراچی میں متعین رکھا گیا۔وہ اسی مقام پر تھا کہ ہومر کے ڈرامہ کے ترجمہ کی فرمائش اس سے کی گئی یہ ترجمہ امریکہ میں چھپنے والا تھا۔ اس نے کچھ ایسا محسوس کیا کہ یہ فرمائش اس کے لیے بہت بڑی توقیر ہے اور اس کے مجوز ناشر سے یہ کہہ بھی دیا۔آخر کار وہ اس کام کا ذمہ لینے پر آمادہ بھی ہو گیا۔لیکن اس کی یہ آمادگی اس شرط کے ساتھ تھی کہ ترجمہ سے اس کا تعلق ظاہر نہ ہونے پائے کیونکہ وہ دوبارہ ''پریس کا شکار'' بننا نہیں چاہتا تھا۔

کراچی اور بعد میں ہندوستان کی شمال مغربی سرحد پر میران شاہ کے قیام کے زمانے میں اس نے اپنی فرصت کی ہر ساعت ہومر کے ترجمہ پر صرف کر دی جس زبان میں اس نے ترجمہ کیا اس کو وہ''

کھڑی انگریزی'' کہتا تھا۔

رفتہ رفتہ وہ کافی رقم جمع کرتا جاتا تھا تاکہ موٹر سائیکل کی قیمت اور ڈورسٹ کی جھونپڑی کا قرض ادا کر سکے۔ یہ جھونپڑی اس نے آخری زمانہ کی خلوت گزینی کے لیے خریدی تھی۔

سرحد کی فضا میں وہ کسی قدر خوش نظر آتا تھا۔ اس لیے کہ یہ وہ مقام تھا جہاں صدیوں پہلے سکندر اعظم نے اپنی تیز لشکر کشی سے دنیا کو چکرا دیا تھا۔

لیکن ارباب اقتدار خوش نہ تھے۔ لارنس اپنے نام ونشان کے اخفاء میں کامیاب نہ ہو سکا تھا۔ 1928ء کے اختتام کے قریب یہ افواہ پھیلتی گئی کہ شاہی ہوائی فوج میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے نہیں بلکہ انگریزوں کے خفیہ ایجنٹ کی حیثیت سے کام کر رہا ہے۔ اسی افواہ کو مزید تقویت ان اندھا دھند قصوں اور مضامین سے ہوئی جو مختلف برطانوی اور بیرونی اخباروں میں شائع ہوتے رہتے تھے۔

اس اثناء میں اس نے اپنی وہ کتاب مکمل کر لی جس میں اس نے بغاوت عرب کا حال صاف صاف بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں اس نے اپنے احساسات کے بیان کرنے میں کوئی کوتاہی نہیں کی ہے اور خود کے اور خود سے متعلقہ لوگوں کے گناہوں کی پردہ پوشی کی بھی کوشش نہیں کی ہے۔ مشہور مصوروں نے اس کتاب کو اتنا خوش نما بنایا کہ شاید ہی کوئی کتاب ایسی تیار ہوئی ہو لیکن اس کے صرف دوسو نسخے چھپے جو تقریباً تمام کے تمام انفرادی طور پر تقسیم کے لیے تھے۔ ہر جلد کی قیمت 20 گنی تھی۔ کچھ جلدیں ممالک متحدہ امریکہ میں فروخت کے لیے چھپیں اور ہر ایک کی قیمت 20 ہزار ڈالر 4 ہزار پونڈ سے کچھ زائد قرار دی گئی۔

اس کتاب کی مخفی اشاعت کے فوراً ہی بعد اس کا ایک مختصر ایڈیشن ''ریگستان میں بغاوت'' کے نام سے شائع ہوا جس کی اشاعت خوب ہوئی۔ 5 ایڈیشن تو بڑی تیزی سے نکلے اور جب لارنس کو معینہ رقم مل گئی تو کتابوں کی فروخت سے جو مزید رقم حاصل ہوئی اس نے ایک خاص فنڈ کے قیام کے لیے دے دی جس کا مقصد شاہی ہوائی فوج کے لوگوں کے بچوں کو تعلیم دلانا تھا۔ ابتدائی نجی کتاب اور

بعد والی کتاب دونوں سے لارنس کا مقصد صرف اپنا قرض ادا کرنا تھا۔

خبریں پھیلنے لگیں کہ افغانستان کی سرحد سے ''پراسرار کرنل لارنس'' کے اتنا قریب ہونے کے باعث حکومت افغانستان میں سخت تشویش پیدا ہوگئی ہے۔

آخر اتنا زبردست انگریز انگریزی فوج میں ایک معمولی سپاہی کی حیثیت سے کیوں کام کر رہا ہے۔ اس کی کوئی ضرورت تو نہ تھی اس لیے ضررت ہے کہ وہ سرحد پر کسی خفیہ سبب سے متعین ہوگا اور یہ خفیہ سبب یقیناً ان کے (افغانوں کے) مفادات کے خلاف ہے۔

متواتر سوالوں سے برطانوی سفیر مقیم کابل اتنا بدحواس ہو گیا کہ اس نے اپنی خفگی کا اظہار کرتے ہوئے انگلستان کو لکھا یا تو ان خبروں کی تردید کی جائے یا لارنس یا ''شا'' (جس نام سے وہ ہوائی فوج مین مشہور تھا) کو سرحد کی خدمت سے ہٹالیا جائے۔

لارنس کی مفروضہ خفیہ کارگزاریوں کا قصہ دنیا کے مختلف حصوں میں پھیل گیا۔ اور بالآخر اس کے انگلستان واپس ہونے کے احکام اجراء ہو گئے۔ ایک دفعہ پھر پریس نے لارنس کی سادی سیدھی پرمسرت زندگی کو اس کے لیے مصیبت بنادیا اور کافی تلخ حد تک اس کو سنسنی خیز اخباروں سے شکایت کا موقع پیدا ہوا۔

جنوری 1929ء میں وہ ہندوستان سے روانہ ہوا اور ایک ہی مہینہ بعد انگلستان میں تھا بدقسمتی سے اس کے متعلق کسی مزید ہلچل کو روکنے میں ارباب اقتدار کی تشویش حد سے بڑھی ہوئی تھی۔ جب اس کی دخانی کشتی پلے موتھ پر پہنچی ہے تو امیر البحر کے دفتر سے ایک ڈونگا محض اپنے فرائض کی بجا آوری کے طور پر کشتی کی جانب بڑھا۔ جس کا مقصد ساحل پر اترنے میں سہولت پیدا کرنے کے سواء کچھ نہ تھا۔ ہواباز ''شا'' ڈونگے کے ذریعہ ساحل پر اتر آیا لیکن اخبار اس کو لے اڑے اور حاشیہ آرائی سے اس کو ایک دوسرا راز بنادیا۔

دارالعوام میں سوالات ہونے لگے۔

فوج میں بھرتی ہوتے وقت ''شا'' لارنس کے نام سے موسوم تھا۔

کیا وہ ہمیشہ معمولی خدمات ہی پر مامور رہا۔

ہندوستان میں خدمت انجام دیتے وقت کیا اس نے کوئی رخصت لی تھی۔

پارلیمنٹ کے ایک دوسرے رکن یہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ حکومت افغانستان کی شکایتیں کیا کیا ہیں۔

کیا شاہ امان اللہ کی تخت سے دست برداری میں کرنل لارنس کو کسی طرح کا بھی تعلق رہا ہے۔ جس پراسرار طور پر اس کو ساحل پر اتارا گیا اسکے پیش نظر کیا یہ صحیح ہے کہ کرنل لارنس ابھی ہندوستان ہی میں ہے اور کسی دوسرے کو انگلستان لایا گیا ہے۔

جب برطانیہ کے دارالعوام میں یہ سوالات پوچھے جاتے ہوں تو یہ امر بالکل فطری تھا کہ لارنس کی ہر جنبش ایک معمہ بنی رہے۔

انگلستان واپس ہونے کے بعد لارنس کو پلے موتھ میں ٹھہرایا گیا۔ مگر اب وہ ایک معروف آدمی ہوگیا تھا نامہ نگاروں کو جھوٹ یا سچ جو ذراسی بات بھی اس کے متعلق ملتی لے اڑتے۔

سال کے بقیہ حصہ میں Schmender-Cup Ras کی تفصیلات میں الجھا رہا۔

مئی میں یہ افواہیں پھیلنے لگیں کہ ہر رات وہ اپنی چھاؤنی سے دبے پاؤں نکل کر موٹر سائیکل اپنی پرانی جھونپڑی واقع ڈورسٹ کو چل دیا کرتا ہے۔

آسودگی لارنس کے نصیب میں نہ تھی۔ Odyssey کے ترجمہ کو راز میں رکھنے کی خواہش پاش پاش ہوچکی تھی۔ اس لیے اس کام سے متنفر ہوکر وہ اس کو چھوڑ چکا تھا۔ مختلف اوقات میں اخبارات نئے نئے ''ہوئے'' اڑایا کرتے اور یہ اطلاعیں لارنس کو اتنی ناگوار گزرتیں کہ اسے اپنے ایک دوست سے کہنا پڑا ''انگلستان گپ بازوں کی ایک چھوٹی سی ایذادہ دوکان ہے۔''

مشرق قریب اور مشرق بعید میں اس پر یقین ہی نہیں کیا جاتا تھا کہ ''ہوا باز شا'' دراصل کرنل لارنس ہی ہے اور وہ درحقیقت انگلستان میں ہے۔

چین کو یہ یقین تھا کہ لارنس کسی خفیہ تحقیقات کے ضمن میں ہانگ کانگ میں مقیم ہے حتیٰ کہ

حکومت کے اس صریحی بیان کی کہ ''وہ انگلستان میں ہے اور اسی کا نام 'شا' ہے اور وہ مونٹ بٹین میں مقیم ہے۔'' یہ تاویل کی گئی کہ ''برطانوی خفیہ خدمت کے محکمہ کی سرگرمیوں کی پردہ پوشی کے لیے یہ اچھی گھڑت ہے۔''

شاہی ہوائی فوج کے صدر مقام پر مصروفیت کے سبب Odysey کا ترجمہ 1930ء کے آخری دنوں تک ملتوی رہا لیکن جب موسم کی خرابی کے باعث کام بند ہو گیا تو پھر ترجمہ کا کام ترقی کرتا گیا۔

چین کی افواہیں پھر اخباروں میں نمایاں ہونے لگیں اور اس دفعہ لارنس کا تعلق اس گفتگو سے ظاہر کیا گیا جو چین اور انگلستان کے درمیان معاہدوں سے متعلق تھی۔

ان اخباروں کے بیان کے مطابق وہ بیک وقت تین مقاموں پر تھا۔

لیکن اصل حقیت یہ تھی کہ فروری 1929ء کے بعد اس نے انگلستان سے باہر قدم بھی نہ رکھا اور اس حقیقت پر بعض قابل اعتماد اخباروں نے بھی زور دیا۔

مشرق بعید میں تو یہ تسلیم کر لیا گیا کہ لارنس چین میں ہے اور اس کے بعد روس نے دعویٰ کیا کہ ہو نہ ہو لارنس ترکستان میں ہے۔ جہاں وہ مرکزی سوویٹ حکومت اور سلطنت جمہوریہ ترکستان کے درمیان فساد برپا کرنا چاہتا ہے اور تاوقتیکہ حکومت روس ایک محافظ دستہ اس علاقہ میں تعینات نہ کر دے لارنس وہاں کے باشندوں کے ذریعہ سارے ترکستان میں بغاوت کی آگ لگا دے گا۔ سوویٹ حکومت یہ معلوم کرنا چاہتی ہے کہ اس صورت حال کے متعلق حکومت برطانیہ کیا کاروائی کر رہی ہے۔

روسیوں کے اس خیال کو ہنگامہ خیز اس لیے بھی کہا جا سکتا ہے کہ انہیں ہالینڈ سے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ لارنس اس سال کے آغاز پر ہوائی جہاز کے حادثہ میں مر چکا ہے۔

لیکن اس سے حسب معمول انکار ہی کیا جاتا رہا اور یہ ''حادثہ'' نومبر 1930ء تک حالات کے پس منظر میں چھپ گیا۔

حکومت روس کئی عہدہ داروں کے خلاف مقدمہ چلا رہی تھی ان ملزموں کے بیانوں سے وہ

قدیم شبہات پھر تازہ ہو گئے کہ 1927ء میں لارنس دراصل ہوائی فوج میں کام کر رہا تھا یا گیا۔

ملزموں نے اپنے بیانوں اور جرحی سوالوں کے جواب میں قسمیں کھا کھا کر بیان کیا کہ 1927ء اور 1928ء میں لندن میں خفیہ مجلسیں منعقد ہوئیں جن کا خاص محرک کرنل لارنس ہی تھا۔ ان کمیٹیوں کا مقصد روس کی سوویٹ حکومت کے خلاف انقلاب برپا کرنا تھا۔ لارنس برطانوی اور فرانسیسی افواج اور روس کی سرحدی ریاستوں کی مدد سے اس بغاوت کو روبعمل لانے والا تھا۔

مقدمہ کی سماعت 12 دن میں جا کر ختم ہوئی۔ اس دوران میں جو سوالات بھی پوچھے گئے ان کے جواب میں ملزمین حلفیہ بیان کرتے کہ 27ء اور 28ء میں انہوں نے لارنس کو لندن میں دیکھا ہے اور فرانس کو بھی اس کا علم ہے کہ لارنس سازش میں شریک ہے۔

ایک دفعہ پھر پارلیمنٹ میں سوالات کا تانتا بندھ گیا حکومت روس کے اس سنگین الزام کی تردید کے لیے برطانیہ روس کے معاملات میں دخل دینا چاہتا ہے۔ ہوائیہ کے وزیر کو دارالعوم میں تفصیلی طور پر بیان دینا پڑا کہ لارنس 7 دسمبر 26ء کو ہندوستان روانہ ہوا۔ 2 جنوری 1927ء کو وہاں پہنچا۔ جہاں وہ 12 جنوری 1929ء تک رہا اور واپسی کے لیے جب وہاں سے جہاز پر سوار ہوا تو 2 فروری 1929ء کو انگلستان آ پہنچا۔ ہندوستان کی ملازمت کے زمانہ میں اس کو کوئی رخصت نہیں دی گئی تھی۔

یہ بیان 10 جنوری 1931ء کو دیا گیا۔ اور برطانوی پبلک عادت کے مطابق حیرت زدہ ہو کر یہ سمجھنے لگی کہ انگلستان میں اس پراسرار انسان کے متعلق جو بھی کہا جائے ممالک غیر بالخصوص مشرق بعید اور مشرق قریب کے ممالک میں اس پر کبھی یقین نہیں کیا جائے گا کہ جنگ عظیم کے بعد سے لارنس کو کسی قسم کی ساز باز یا سازش سے کوئی تعلق نہیں رہا۔ جن سے دنیا کا امن خلل انداز ہوتا رہا ہے۔

اور یہ کورس Chorus ایسا تھا جس میں جرمنی تک شریک ہو گیا ادھر دارالعوام میں یہ سوالات پوچھے جا رہے تھے ادھر لارنس کا تبادلہ شاہی ہوائی فوج کے کشتیوں کے شعبہ میں ہو گیا یہاں تیز رفتار کشتیوں کا خاص کام اس کے تفویض تھا جو ساؤتھ ہمپٹن میں تیار ہو رہی تھیں۔

چند ماہ سے وہ ایک نئی وضع کی تیز رفتار کشتی کا خاکہ تیار کر رہا تھا وہ اس نظریہ کی آزمائش بھی

کر چکا تھا جو دوسری کشتیوں کو دیکھ کر غیر واضح طور پر اس کے دماغ میں قائم ہو چکا تھا۔

اس وقت کشتیوں میں غیر معمولی طاقت کے انجن لگائے جاتے لیکن اس پر بھی ان انجنوں کی مناسبت سے ان کی رفتار میں سرعت پیدا نہیں ہوتی۔

اس نے ایک بہت بڑی تبدیلی ایسی کی کہ تیز رفتار کشتیوں کی وضع بالکل منقلب ہوگئی جس کا پچھلا حصہ نیچے کی سطح تک پہنچنے کی بجائے وہیں پر ختم ہو جاتا تھا۔

یہ کشتی جب تیز رفتار سے چلتی تو اس کا تین چوتھائی حصہ پانی سے باہر رہتا یہ پانی کو چیرتے ہوئے گزرنے کے بجائے سطح آب کو محض چھوتے ہوئے گزرتی۔

جہازوں کے انجینئر اس تبدیلی سے ایسے متاثر ہوئے کہ اس وضع کی کشتی کی خبروں کی طرف بیرونی حکومتوں کی توجہ تک مائل ہوگئی اور اب اس وقت نئی وضع کی تیز رو کشتی بیشتر نئے بحری بیڑوں کے ساتھ شامل رہتی ہے اور سیر و شکار کے ماہروں میں بھی اس کو کافی مقبولیت حاصل ہے۔

لارنس ہمیشہ انجنوں کی جانچ پڑتال میں مشغول رہتا اور اس کے بعد کشتیوں کو ساحل کے کنارے کنارے بطور آزمائش لے کر نکلتا سطح آب پر ان کشتیوں کی تیز رفتار سے ماہرین اکثر حیرت میں آجاتے نیز سمندر کی خاموش اور طوفانی پر دو حالتوں میں لارنس کی کشتی رانی کا ایسا کمال ظاہر ہوتا کہ ماہروں تک کو مبہوت کر دیتا۔

آخر کار مصیبتیں ختم ہوئیں اور Odyssey کا ترجمہ بھی ختم ہو گیا لیکن مشرق نے لارنس کو ابھی فراموش نہیں کیا تھا Menemen واقع ایشیاء کوچک میں 1931ء میں سخت مذہبی بلوے ہوئے اور جب کسی نے اس کے اصل سبب کی تلاش کی تو اس کی تہہ میں اسے لارنس کی کارفرمائی نظر آئی اور اس نے ساری دنیا میں اس انکشاف کا اعلان بھی کر دیا۔ چند ماہ تک اخبار اس کو دنیا کے ہر ہر کونہ میں پہنچاتے رہے اور بالخصوص اس مقام پر جہاں کوئی فساد برپا ہو۔

جولائی 1932ء میں تو جرمن لاسلکی اسٹیشن نے برطانیہ پر یہ الزام لگا کر کہ کرنل لارنس کی مدد سے ''تبت'' سے ایک خفیہ معاہدہ کیا جا رہا ہے ہر شخص کو چونکا دیا۔ اس دوران میں ''شا'' ہوائی فوج میں

کارگزار رہا اور اس خیال کی پرواہ کئے بغیر کہ دنیا اس کو کس قسم کا انسان سمجھتی ہے اپنا کام کرتا گیا۔

پھر تھوڑی دیر کے لیے اخباروں نے اس کو چین لینے دیا۔ حقیقت یہ ہے کہ ان اخباروں نے اس پراسرار انگریز کے متعلق اتنے جھوٹے قصے مشہور کر دئے تھے کہ ایک معمولی شخص بھی حیرت کرنے لگتا تھا کہ کیا کوئی اتنا زبردست انسان ہو بھی سکتا ہے جتنا کہ لوگ اس کو سمجھتے ہیں جب ایک دفعہ یہ شبہ پیدا ہو گیا تو پھیلتا گیا۔ لارنس خوش تھا کہ ایک سورما کی بلندیوں سے گر کر ایک معمولی مہم جو کا درجہ پانے کے بعد تو کم از کم جبر اور شہرت کی اذیتیں کم ہو جائیں گی جو وہ گزشتہ چند سالوں سے جھیلتا رہا تھا۔

مارچ 1933ء میں اس نے درخواست کی کہ شاہی ہوائی فوج کی خدمت سے اسے سبکدوش کر دیا جائے۔ لیکن ارباب اقتدار نے اس درخواست کو زیر غور رکھا۔ اس کی ملازمت کی مدت ابھی ختم نہیں ہوتی تھی اور یہ بات کوئی شخص خانگی اسباب کی بناء پر فوج سے علیحدہ ہونا چاہتا ہے کوئی زیادہ وقعت نہیں رکھتی تھی۔ فوج کے آئین میں جذبات کے لیے کوئی جگہ نہیں ہوتی۔

موٹر سائیکل کی سواری کا تفریحی مشغلہ اس نے جاری رکھا۔ وہ صرف Brough ساخت کی گاڑیاں خریدتا اور جب خرید چکتا تو ہر ایک کو Boaureges کے نام سے موسوم کرتا یوں بھی یہ موٹر سائیکلیں بن کر نکلنے کے بعد اپنی رفتار کے لیے خاصی مشہور ہوتی ہیں لیکن وہ ان میں مختلف تبدیلیاں کرتا اور اتنے جدید کل پرزے ان میں لگاتا جس حد تک کہ خود مشین ان کی متحمل ہو سکتی۔

عربستان کے کارناموں کی یاد مدہم ہوتی جا رہی تھی کبھی کبھی کوئی نیا شگوفہ ایسا کھلتا جس سے تھوڑی دیر کے لیے یاد از سر نو تازہ ہو جاتی۔ کچھ عرصہ تک اس کی بھی کوششیں کی گئیں کہ کوئی جماعت ایسی بنائی جائے جو عربستان کی بغاوت کا فلم تیار کرے لیکن لارنس کو اس سے کوئی سروکار نہ رہا۔

ایک سال بلکہ اس سے کچھ زائد عرصہ تک اس کی زندگی ایسی گزری جو 1918ء کے بعد سے اس کے لیے انتہائی پرسکون تھی۔ اس کی اپنی ذاتی موٹر سائیکلیں تھیں۔ فرصت کا سارا وقت وہ اپنی جھونپڑی واقع ڈورسٹ میں گزارتا۔ منتخب حلقہ احباب سے اس کا رابطہ بھی برابر قائم رہا اب وہ ایک دوسری کتاب لکھنے میں مصروف تھا جس کا موضوع زندگی اور بالخصوص فوجی زندگی کا مرقع پیش کرنا تھا۔

عوام اس کو بھولتے جا رہے تھے اور وہ اپنی زندگی بغیر کسی مداخلت کے بسر کر رہا تھا اب وہ اپنی اس بالکل آزاد زندگی کا خاکہ بنانے لگا۔ جب کہ فوجی خدمت سے علیحدہ ہونے کے بعد وہ اپنی ڈورسٹ کی جھونپڑی میں پناہ گزین ہونے والا تھا۔

کلاوُڈز ہل۔ مورٹن یہ مقام اس کی خلوت گزینی کی جنت تھا۔ مارچ 1931ء میں آخر کار شاہی ہوائی فوج سے علیحدہ ہو کر اس پرسکون گوشہ تنہائی میں وہ پناہ گزین ہو گیا۔

....

باب نمبر 18

مئی کی 13 تاریخ پیر کا دن تھا۔ دو پہر سے کچھ عرصہ پہلے ہی لارنس اپنی موٹر سائیکل پر بودنگ ٹن کیمپ واقع ڈورسٹ کو گیا ہوا تھا۔ اس مقام پر 1923ء میں اس کی ٹینک کور Tank Corps کی ملازمت کا زمانہ گزرا تھا۔

سڑک کے راستہ پر کیمپ سے 50یا60 میل فی گھنٹہ کی رفتار سے وہ واپس ہو رہا تھا کہ یکا یک دو لڑکوں سے مڈبھیڑ گئی۔ جو لارنس کی سمت میں سائیکلوں پر چلے آ رہے تھے۔ خود لڑکوں کا بیان ہے کہ وہ پہلو بہ پہلو چلے آتے تھے کہ کسی نامعلوم وجہ سے انہوں نے آگے پیچھے ہو جانا چاہا۔ یہ معلوم ہی نہ ہو سکا کہ خود لارنس کو نظر نہ آیا یا لڑکوں نے ہٹنے میں تاخیر کر دی سڑک پر ایسے نشان البتہ موجود تھے جن سے پتہ چلتا تھا کہ ٹکر سے بچنے کے لیے اس نے بڑے زور سے گاڑی کو روکا ہو گا لیکن اس نے اس میں بہت تاخیر کر دی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ ہنڈل پر سے ہوتا ہوا منہ کے بل زمین پر آ رہا۔

اس کو وول کے فوجی دواخانہ پر فوراً پہنچا دیا گیا اور اخفاء حال کی پوری کوشش کے باوجود حادثہ کی خبریں ظاہر ہو ہی گئیں اور چند گھنٹوں میں ساری دنیا جان گئی کہ دنیا کی ایک عجیب و غریب شخصیت کو بہت ہی اندیشہ ناک حادثہ سے دو چار ہونا پڑا ہے اور جو پر خطر حالت میں دواخانہ میں پڑی ہوئی ہے جوں جوں وقت گزرتا گیا ہر شخص اس کے متعلق اپنے اپنے شبہات اور طنز و تضحیک کو بھول گیا۔ اب جب کہ لارنس کی زندگی خطرہ میں تھی اس کی بڑائی پر زور دیا جانے لگا بڑے بڑے ڈاکٹر اور سرجن مشورہ کے لیے طلب کئے گئے۔ دوسرے ماہر بھی اس کو زندہ رکھنے کے ہر ممکنہ وسیلہ کو بروئے کار لانے کے لیے دواخانہ پر بھاگے آئے۔

منگل، بدھ، جمعرات اور جمعہ ۔۔۔۔۔ سب دن بے ہوشی کی حالت میں گزر گئے اور لارنس

نے کسی قسم کی حرکت تک نہ کی۔ ڈاکٹروں نے اس پر اتفاق کیا کہ کوئی معمولی آدمی ان ہونہاک ضربات کی تاب نہ لاکر اسی وقت دم توڑ دیتا۔ لیکن لارنس کی ساخت ایسی تھی کہ حالت بے ہوشی میں بھی اس کا جسم زندہ رہنے کی شاندار جدوجہد کر رہا تھا۔

موجودہ سائنس سے جتنی بھی مدد مل سکتی تھی سب کی سب وول کے اس بیمار کے بستر کے پاس لاکر جمع کر دی گئی۔ لیکن آخرکار مضطرب تیمارداروں نے سر ہلا ہی دیا۔

دل میں یہ سمجھ کر کہ لارنس بچ بھی جائے تو اس کے دماغ اور اس کی زبان پر ان ضربات کا مستقل اثر باقی رہے گا اور یہ جان کر کہ لارنس چوق و چوبند زندگی کا کتنا دالدادہ تھا۔ تیماردار یہ آس لگائے رہے کہ آسانی سے اسے زندگی سے رہائی نصیب ہو جائے۔

ہفتہ کے دن اور رات کے طویل گھنٹوں میں زندگی اور موت کی کشمکش برابر جاری رہی۔ لیکن آدھی رات کے وقت یہ معلوم ہوا کہ اس کی شجاعانہ زندگی صرف کچھ دیر کی مہمان ہے۔

اس کے کارناموں پر سکوت اور اخفاء حال کا جو پردہ پڑا ہوا تھا اب اس سے بھی زیادہ وزنی لبادہ بن گیا جس میں وہ اس طرح لپٹ گیا کہ اس کا سمجھنا فہم وادراک سے باہر ہو گیا۔

یہ جان کر کہ موت کا وقت قریب ہے ساری اخباری دنیا دم سادھے کھڑی تھی اور ہر ایک بے چین تھا کہ اس بطل عظیم کی رحلت کی خبر سب سے پہلے دنیا اسی سے سنے۔

19 مئی اتوار کے دن 8 بجنے کے وقت بعد لارنس کے جاں باز قلب کی خفیف سی حرکت بھی رک گئی کوئی افواہ بھی موت کو چھپا نہیں سکتی تھی لیکن یہ عجیب بات ہے کہ لارنس کی موت تک پراسرار تھی۔

بعد میں جو تحقیقات ہوئی اس میں دفعدار نے جس نے لارنس کو سڑک پر آتے دیکھا تھا پر زور طریقہ سے بتایا کہ لڑکوں کی ٹکر سے بچنے سے عین قبل ایک سیاہ موٹر اس کے بازو سے مخالف سمت میں گزر گئی۔

لڑکے اس کو دیکھ نہ سکے اور نہ کسی اور نے دیکھا لیکن دفعدار کو اس میں کوئی شبہ نہ تھا۔

دریائے فروم کے کنارے ایک معمولی سی قبر میں لارنس اور اس کے اسرار اب آسودہ خاک ہیں۔

اس نے اپنی زندگی کو کوئی چیستان بنانا نہ چاہا۔ بلکہ بیشتر انگریزوں کی طرح اچھی لڑائی لڑتا رہا اور جب وہ ختم ہوگئی تو اس کے متعلق سب کچھ بھول گیا۔

شہنشاہ جارج پنجم زندگی میں اس کو اعزاز و اکرام سے سرفراز کرنے میں کامیاب نہ ہو سکے تھے اب اس کے بھائی کے نام اپنے پیام میں خراج تحسین ادا کیا۔

پیام میں لکھا تھا ''تمہارے بھائی کا نام تاریخ کے صفحات میں زندہ رہے گا۔ بادشاہ کو شکر گزاری کے ساتھ ان خدمات کا اعتراف ہے جو اس نے اپنے ملک کے لیے انجام دی تھیں اور اس کی توقعات سے لبریز زندگی کے اس حسرت ناک انجام پر افسوس ہے۔''

دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ کے اس خراج تحسین میں ایک حسرت بھی شامل ہے جس کی صدائے بازگشت ہر دل سے آرہی ہے یہ رہ رہ کر اٹھنے والا غم اس لیے ہے کہ اس چھوٹے سے مگر بڑے دل والے انگریز کو اس حسرت ناک انجام کے سبب وہ دنیاوی سکون نہ مل سکا جس کی وہ مشتاقانہ طریقہ پر تلاش کرتا رہا تھا۔

آزادی کے لیے وہ شدت اور سختی سے لڑتا رہا ہماری اس پر شور اور مشینی دنیا میں اس کا آنا ایہ آناً فاناً تھا کہ وہ ہماری نظروں کے سامنے چمکا اور قبل اسکے کہ ہم پوری طرح سمجھ سکیں کہ کتنی پر توقع زندگی ہم سے چھنی جارہی ہے وہ ہم سے رخصت ہوگیا۔

....

تمت
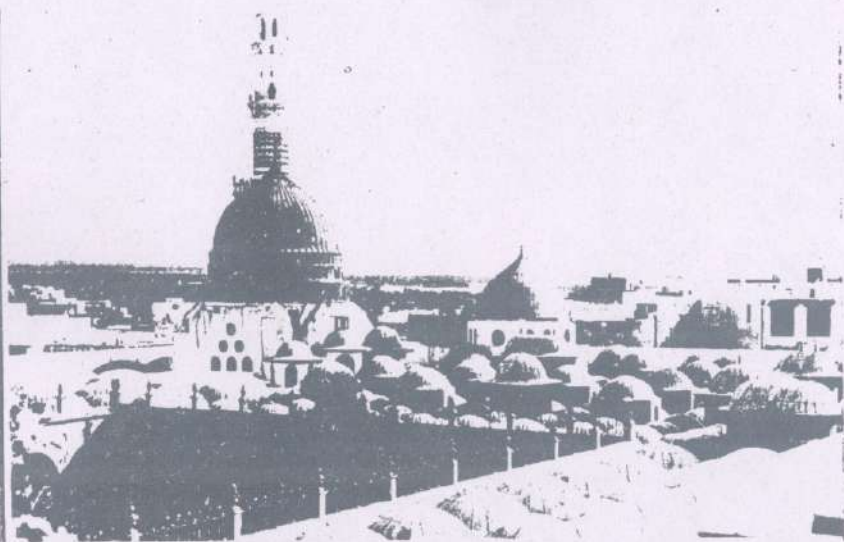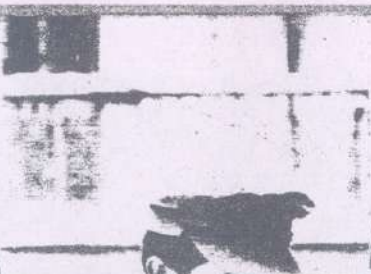
Bibliography

Seven Pillars of Wisdom, by T E Lawrence. Cape (1940 edn.).
T E Lawrence by his Friends (ed. A W Lawrence). Cape, 1937.
T E Lawrence: In Arabia and After, by B H Liddell Hart. Cape, 1934.
The Secret Lives of Lawrence of Arabia, by Phillip Knightley and Colin Simpson. Nelson, 1969.
T E Lawrence: An Arab View, by Suleiman Mousa. Oxford University Press, 1966.
Lawrence of Arabia: The Man and the Motive, by Anthony Nutting. Hollis and Carter, 1961.
Orientations, by Ronald Storrs. Nicholson and Watson, 1937.
Arab Command: the Biography of Lieut Col F G Peake Pasha, by Major C S Jarvis. Hutchinson, 1943.
Lawrence of Arabia: An Historical Appreciation, by Erik Lonnroth. Valentine, Mitchell, 1956.
The Arabs, by P K Mitti. Macmillan, 1948.
Britain and the Arabs, by Lieut General Sir John Bagot Glubb. Hodder and Stoughton, 1959.
Lawrence of Arabia: a Biographical Enquiry, by Richard Aldington. Collins, 1955.
Grateful acknowledgment is made to Jonathan Cape Ltd, and to Doubleday and Co, New York, for permission to quote certain passanges from *Seven Pillars of Wisdom*.

لارنس آف عریبیہ

''کرنل لارنس'' جسے عرب دنیا کے اندر پلانٹ کیا گیا' اس نے عربوں کی قومیت کو اُبھارا' شریفِ مکہ کے ساتھ ساز باز کر کے سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف سازش اور اسرائیلی ریاست کے لیے راہ ہموار کی۔ لارنس ایک عرب شیخ کی حیثیت سے عربوں کو سلطنتِ عثمانیہ کے خلاف بغاوت کے لیے تیار کرتا رہا' برطانوی استعمار نے اہلِ عرب سے اس حقیقت کو پوشیدہ رکھا کہ لارنس برطانوی انٹیلی جنس کا نہایت مکار و عیار جاسوس ہے۔

مسٹر ہمفرے کی طرح لارنس بھی اپنی واردات میں کامیاب رہا اور اُمتِ مسلمہ کی آخری اُمید سلطنتِ عثمانیہ پارہ پارہ ہوگئ' ہالی وڈ نے ''لارنس آف عریبیہ'' فلم بنا کر اپنے اس ہیرو کو خراجِ تحسین بھی پیش کی' آج بھی مسلم دُنیا میں بہت سے لارنس موجود ہیں' فرق صرف اتنا ہے کہ اب لارنس نہیں بھیجا جاتا بلکہ ''لارنس'' تیار کر لیے جاتے ہیں۔

محمد کاشف رضاؔ

چیف ایڈیٹر ''صراط'' لاہور

الحقائق پبلی کیشنز

دربار مارکیٹ گنج بخش روڈ لاہور

kashifraza786678@gmail.com

0333-7861895 0300-1090045

قیمت:-/900 روپے